DAMAGE BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222150
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—881—5-8-74—15,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No. U. 14176

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

میں نمایاں ہوتی ہیں۔ نہیں، وہاں تمنّائیں نہیں ہیں بلکہ خوف، تفکّر، اور بزدلانہ توہم ہے۔ شباب ابھی کھلا نہیں ہے ÷

کرشنا کچھ کچھ جانتی ہے اور کچھ کچھ نہیں جانتی۔ وہ جانتی ہے کہ بہن کو اچھے اچھے گہنے ملیں گے، دروازہ پر باجے بجیں گے، مہمان آئیں گے، ناچ ہوگا۔ یہ جان کر وہ خوش ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ بہن سب کے گلے مل کر روئے گی، یہاں سے رو دھو کر چلی جائیگی اور میں اکیلی رہ جاؤنگی۔ یہ جان کر وہ مغموم ہے مگر وہ نہیں جانتی کہ یہ سب کس لئے ہو رہا ہے؟ ماں اور باپ کیوں بہن کو گھر سے نکالنے پر اس قدر تلے ہوئے ہیں؟ بہن نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا، کسی سے لڑائی نہیں کی۔ کیا اسی طرح ایک دن مجھے بھی یہ لوگ نکال دیں گے؟ میں بھی اسی طرح کونے میں بیٹھ کر روؤنگی اور کسی کو مجھ پر رحم نہ آئیگا؟ اس خیال سے وہ خائف بھی ہو رہی ہے ÷

شام کا وقت تھا۔ نرملا چھت پر جا کر تنہا بیٹھی ہوئی آسمان کی طرف اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جی میں آتا تھا کہ اگر پر ہوتے تو اڑ جاتی اور ان تمام جھنجھٹوں سے چھٹکارا پا جاتی۔ اس وقت اکثر دونوں بہنیں کہیں سیر کے لیئے جایا کرتی تھیں۔ بگھی خالی نہ ہوتی تو باغیچہ ہی میں ٹہلا کرتیں۔ اس لئے کرشنا اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ کہیں نہ پا کر وہ چھت پر گئی اور اسے دیکھتے ہی ہنس کر بولی: تم یہاں آکر چھپی بیٹھی ہو اور میں تمہیں ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔ چلو، بگھی تیار کرا آئی ہوں ÷

نرملا نے بے پروائی سے کہا۔ تو جا، میں نہ جاؤنگی ÷

کرشنا۔ نہیں، میری اچھی دیدی! آج ضرور چلو۔ دیکھو، کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

نرملا۔ میرا جی نہیں چاہتا، تو چلی جا۔

کرشنا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، کانپتے ہوئے لہجہ میں بولی۔ آج تم کیوں نہیں چلتیں؟ مجھ سے کیوں نہیں بولتیں؟ کیوں اِدھر اُدھر چھپی چھپی پھرتی ہو؟ میرا جی اکیلے بیٹھے بیٹھے گھبراتا ہے۔ تم نہ چلوگی تو مَیں بھی نہ جاؤں گی، یہیں تمہارے پاس بیٹھی رہونگی۔

نرملا۔ اور جب میں چلی جاؤنگی تب کیا کرے گی؟ تب کس کے ساتھ کھیلے گی، کس کے ساتھ گھومنے جائیگی؟ بتا!

کرشنا۔ مَیں بھی تمہارے ساتھ چلونگی۔ مجھ سے اکیلے یہاں نہ رہا جائیگا۔

نرملا۔ مسکرا کر بولی۔ تجھے اماں نہ جانے دینگی۔

کرشنا۔ تو مَیں بھی تمہیں نہ جانے دُونگی۔ تم اماں سے کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ میں نہ جاؤنگی؟

نرملا۔ کہہ تو رہی ہوں، کوئی سُنتا ہے۔

کرشنا۔ تو کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟

نرملا۔ نہیں، میرا گھر ہوتا تو کوئی کیوں زبردستی نکال دیتا۔

کرشنا۔ اِسی طرح کسی دن مَیں بھی نکال دی جاؤنگی؟

نرملا۔ اور نہیں تو کیا ہمیشہ رہے گی۔ ہم لڑکیاں ہیں، ہمارا گھر کہیں نہیں ہوتا۔

کرشنا۔ چندر بھی نکال دیا جاوے گا ؟

نرملا۔ چندر تو لڑکا ہے۔ اُسے کون نکالیگا ؟

کرشنا۔ تو لڑکیاں بڑی خراب ہوتی ہونگی ؟

نرملا۔ خراب نہ ہوتیں تو گھر سے بھگائی کیوں جاتیں ؟

کرشنا۔ چندر تو اتنا بدمعاش ہے اُسے کوئی نہیں بھگاتا۔ ہم تم تو کوئی بدمعاشی بھی نہیں کرتیں ؟

یکایک چندر دھم دھم کرتا ہوا چھت پر آپہنچا اور نرملا کو دیکھ کر بولا۔ اچھا! آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ اوہو! آج تو باجے بجیں گے، دیدی دُلہن بنیں گی۔ پالکی پر چڑھیں گی، اوہو! اوہو!!

چندر کا پورا نام چندر بھان سنہا تھا۔ نرملا سے تین سال چھوٹا اور کرشنا سے دو سال بڑا تھا۔

نرملا۔ چندر! ۔ تم چڑاؤ گے تو ابھی جاکر اماں سے کہہ دوں گی ؟

چندر۔ تو چڑتی کیوں ہو ؟ تم بھی باجے سُننا۔ اوہو۔ ہو، اب تم دُلہن بنوگی۔ کیوں کشنی تو باجے سُنے گی نہ ؟ ایسے باجے تو تُو نے کبھی نہ سُنے ہوں گے!

کرشنا۔ کیا بینڈ سے بھی اچھے ہوں گے ؟

چندر۔ ہاں ہاں! بینڈ سے بھی اچھے، ہزار گنا اچھے، لاکھ گنا اچھے! تم جانو کیا ؟ ایک بینڈ سُن لیا تو سمجھنے لگیں کہ اُس سے اچھے باجے ہی نہیں ہوتے باجے بجانے والے سُرخ سُرخ وردیاں اور سیاہ سیاہ ٹوپیاں پہنے ہونگے

ایسے خوبصورت معلوم ہونگے کہ تم سے کیا کہوں۔ آتشبازی بھی ہوگی۔ ہوائیاں آسمان پر اُڑ جائیں گی اور وہاں تاروں میں لگیں گی تو لال، پیلے، ہرے، نیلے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے۔ بڑا مزہ آئیگا ؛

کرشنا۔ اور کیا کیا ہوگا، چندر؟ بتا دو میرے بھیّا ؛

چندر۔ میرے ساتھ گھومنے چل تو راستہ میں ساری باتیں بتا دوں۔ ایسے ایسے تماشے ہونگے کہ دیکھ کر تیری آنکھیں کھُل جائیں گی۔ ہوا میں اُڑتی ہوئی پریاں ہونگی، سچ مچ کی پریاں!

کرشنا۔ اچھا چلو، لیکن نہ بتاؤ گے تو مار دوں گی ؛

چندر بھاگ اور کرشنا چلے گئے مگر نرملا تنہا بیٹھی رہ گئی۔ کرشنا کے چلے جانے پر اس وقت اُسے بہت رنج ہوا۔ کرشنا، جسے وہ جان سے بھی زیادہ پیار کرتی تھی، آج اتنی بے مروت ہوگئی! تنہا چھوڑ کر چلی گئی! بات کچھ نہ تھی مگر دُکھی دل دُکھتی ہوئی آنکھ ہے جس میں ہوا سے بھی درد ہوتا ہے۔ نرملا بڑی دیر تک بیٹھی روتی رہی۔ بھائی، بہن، ماں، باپ، سبھی اسیطرح مجھے بھول جائیں گے، سب کی آنکھیں پھر جائیں گی! پھر شاید انہیں دیکھنے کو بھی ترس جاؤں ؛

باغ میں پھول کھِلے ہوئے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ چیت کی مرد و نوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ نرملا انہیں دُکھ بھرے خیالات میں پڑے پڑے سوگئی اور آنکھ لگتے ہی اُس کا خیال عالم خواب میں گشت کرنے لگا۔ کیا دیکھتی ہے کہ سامنے ایک دریا موجیں

مار رہا ہے۔ اور وہ اُسی کے کنارہ پر کشتی کا انتظار کر رہی ہے۔ شام کا وقت ہے۔ تاریکی کسی خوفناک جانور کی طرح بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ وہ سخت تفکر میں مبتلا ہے کہ کس طرح اُس پار جا کر گھر پہنچو نگی۔ رو رہی ہے کہ کہیں رات نہ ہو جائے ورنہ میں اکیلی یہاں کیسے رہونگی۔ دفعتاً اُسے ایک عُمدہ کشتی گھاٹ کی طرف آتی ہُوئی نظر آتی ہے۔ وہ خوشی سے اُچھل پڑتی ہے اور جونہی کشتی گھاٹ پر آتی ہے وہ اُس پر چڑھنے کے لیئے بڑھتی ہے۔ لیکن جونہی کشتی کے تختہ پر قدم رکھنا چاہتی ہے، ملّاح بول اُٹھتا ہے کہ تیرے لیئے یہاں جگہ نہیں ہے۔ وہ ملّاح سے منّت کرتی ہے۔ اُس کے پیروں پڑتی ہے، روتی ہے لیکن وہ برابر یہی کہتا جاتا ہے کہ تیرے لیئے یہاں جگہ نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں کشتی کھُل جاتی ہے۔ وہ زار و قطار رونے لگتی ہے دریا کے سنسان کنارہ پر تمام رات کیسے۔ ہے گی، یہ سوچ کر وہ دریا میں کُود کر اُس کشتی کو پکڑنا چاہتی ہے کہ اِتنے میں کہیں سے آواز آتی ہے۔ "ٹھہرو ٹھہرو: ندی گہری ہے، ڈوب جاؤ گی۔ وہ کشتی تمہارے لیئے نہیں ہے میں آتا ہوں میری کشتی پر بیٹھو۔ میں اُس پار پہنچا دُونگا" وہ خوف زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتی ہے کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ ذرا دیر بعد ایک چھوٹی سی ڈونگی آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اُس میں نہ پال ہے اور نہ پتوار اور نہ مستول بیڑا پھٹا ہوا، تختے ٹوٹے ہُوئے اور کشتی میں پانی بھرا ہوا! ایک شخص اُس میں سے پانی باہر پھینک رہا ہے۔ وہ اُس سے کہتی ہے یہ تو ٹوٹی ہوئی ہے، کیسے پار لگے گی؟ ملّاح کہتا ہے، تمہارے لیئے یہی بھیجی گئی ہے، آ کر بیٹھ جاؤ وہ ایک لمحہ

سوچتی ہے کہ اس میں بیٹھوں یا نہ بیٹھوں۔ بالآخر وہ بیٹھنے کا تہیہ کر لیتی ہے۔ یہاں تنہا پڑی رہنے سے کشتی میں بیٹھ جانا پھر بھی اچھا ہے۔ کسی خوفناک جانور کا لقمہ ہونے سے تو یہی بہتر ہے کہ ندی میں ڈوب جاؤں۔ کون جانے، کشتی پار لگ ہی جاوے۔ یہ سوچ کر وہ جان کو مٹھی میں لیئے ہوئے کشتی میں بیٹھ جاتی ہے۔ کچھ دیر تک کشتی ڈگمگاتی ہوئی چلتی ہے۔ مگر لمحہ بہ لمحہ اُس میں پانی بھرتا جاتا ہے۔ وہ بھی ملاح کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے پانی باہر پھینکنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے بازو شل ہو جاتے ہیں۔ آخر کشتی چکر کھانے لگتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ڈوبی اور تب ڈوبی! اُس وقت وہ کسی نادیدہ سہارے کے لیئے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتی ہے۔ کشتی نیچے سے کھسک جاتی ہے اور اُس کے پیر اُکھڑ جاتے ہیں! وہ زور سے چلّائی اور چلّاتے ہی اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا تو ماں سامنے کھڑی ہوئی اُس کا شانہ پکڑ کر اُسے ہلا رہی تھی۔

(۲)

بابو اودے بھان لال کا مکان بازار میں واقع ہے۔ برآمدہ میں سُنار کے ہتھوڑے اور کمرہ میں درزی کی سُوئیاں چل رہی ہیں۔ سامنے نیم کے درخت کے نیچے بڑھئی چارپائیاں بنا رہا ہے۔ کھیریل کے تلے حلوائی کے لیئے بھٹہ کھودا گیا ہے۔ مہمانوں کے لیئے علیحدہ ایک مکان میں انتظام کیا گیا ہے۔ یہ بندوبست کیا جا رہا ہے کہ ہر ایک مہمان کے لیئے ایک ایک چارپائی، ایک ایک کرسی اور ایک ایک میز ہو۔ ہر تین مہمانوں کے

لیئے ایک ایک کہار مقرّر کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ ابھی بارات کے آنے میں ایک ماہ کا وقفہ ہے۔ مگر تیاریاں ابھی سے ہو رہی ہیں۔ براتیوں کی ایسی خاطر کی جائے کہ کسی کو زبان ہلانے کی ضرورت نہ ہو، وُہ لوگ بھی یاد کریں کہ کسی کے یہاں بارات میں گئے تھے۔ ایک پُورا مکان برتنوں سے بھرا ہُوا ہے چائے کے سیٹ ہیں، ناشتہ کی طشتریاں، تھال، لوٹے اور گلاس جو لوگ روزانہ چار پائیوں پر پڑے حُقّہ پیتے رہتے تھے وہ بڑی مُستعدی سے کام کر رہے ہیں۔ اپنی کارپردازی ثابت کرنے کا ایسا عمُدہ موقع اُنہیں پھر بہت روز بعد ملے گا۔ یہاں ایک آدمی کو جانا ہوتا ہے۔ پانچ دوڑتے ہیں۔ کام کم ہوتا ہے۔ شور وغُل زیادہ۔ ذرا ذرا سی بات پر گھنٹوں حُجّت ہوتی ہے اور بالآخر وکیل صاحب کو آکر تصفیہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک کہتا ہے، یہ گھی خراب ہے۔ دُوسرا کہتا ہے، اِس سے اچھّا بازار میں مِل جائے تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔ تیسرا کہتا ہے، اِس میں تو بدبُو آتی ہے۔ چوتھا کہتا ہے کہ تُمہاری ناک ہی سڑ گئی ہے، تم کیا جانو کہ گھی کِسے کہتے ہیں۔ جب سے یہاں آئے ہو، گھی ملنے لگا ہے ورنہ گھی کے درشن بھی نہ ہوتے تھے۔ اِس پر تکرار بڑھ جاتی ہے اور وکیل صاحب کو نپٹارا کرنا پڑتا ہے۔

رات کے نو بجے تھے۔ اُودے بھان لال اندر بیٹھے ہُوئے مصارف کا تخمینہ لگا رہے تھے۔ وُہ عموماً ہر روز تخمینہ لگاتے تھے مگر روز ہی اُس میں کچھ نہ کچھ ترمیم یا اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ سامنے کلیانی چپ بجبیں کھڑی تھی۔ بابو صاحب نے بڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا اور بولے۔ دس ہزار سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ

شاید اور بڑھ جائے ؎

کلیانی۔ دس دن میں پانچ ہزار سے دس ہزار ہو گئے، ایک مہینہ میں تو شاید ایک لاکھ کی نوبت آ جائے ؎

اُدے بھان۔ کیا کروں؟ جگ ہنسائی بھی تو اچھی نہیں لگتی۔ کوئی شکایت ہوئی تو لوگ کہیں گے کہ نام بڑے اور درشن تھوڑے۔ پھر جب وہ مجھ سے جہیز کے نام ایک پائی نہیں لیتے تو میرا بھی یہ فرض ہے کہ مہمانوں کی خاطر مدارات میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھوں ؎

کلیانی۔ جب سے برہماجی نے دنیا کو بنایا تب سے آج تک کوئی براتیوں کو خوش نہیں کر سکا۔ انہیں عیب نکالنے اور برائی کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جاتا ہے۔ جسے اپنے گھر سوکھی روٹیاں بھی نصیب نہیں وہ بھی بارات میں جا کر تاناشاہ بن جاتا ہے۔ تیل خوشبودار نہیں، صابن ٹکے سیر کا جانے کہاں سے بٹور لائے، کہار بات نہیں سنتے۔ لالٹینیں دھواں دیتی ہیں، کرسیوں میں کھٹمل ہیں، چارپائیاں ڈھیلی ہیں، جنواسہ کی جگہ ہوادار نہیں، ایسی ایسی ہزاروں شکایتیں ہوتی رہتی ہیں۔ انہیں آپ کہاں تک روکئے گا۔ اگر یہ موقع نہ ملا تو اور کوئی عیب نکال لیے جاویں گے بھئی، یہ تیل تو رنڈیوں کے لگانے لائق ہے۔ ہمیں تو سادہ تیل چاہیئے۔ جناب، یہ صابن نہیں بھیجا ہے اپنی امارت کی شان دکھائی ہے، گویا ہم نے صابون دیکھا ہوا نہیں۔ یہ کہار نہیں، یم دوت ملک الموت ہیں، جب دیکھئے سر پر سوار! لالٹینیں ایسی بھیجی ہیں کہ آنکھیں جھپکنے لگتی ہیں۔ اگر دس پانچ روز اس روشنی میں بیٹھنا پڑے تو آنکھیں پھوٹ

جاتیں جنم اسے کیا ہے ابھاگے کا بھاگ ہے جس میں چاروں طرف سے جھونکے آتے رہتے ہیں۔ میں تو پھر یہی کہونگی کہ براتیوں کے نخرے کا خیال ہی چھوڑ دو۔

اُودے بھان۔ تو آخر تم مجھے کیا کرنے کو کہتی ہو؟

کلیانی۔ کہہ تو رہی ہوں کہ پختہ ارادہ کر لو کہ پانچ ہزار سے زیادہ نہ خرچ کریں گے۔ گھر میں تو ٹکا ہے نہیں، قرض ہی کا بھروسہ ٹھہرا تو پھر اتنا قرض کیوں لو کہ زندگی میں ادا نہ ہو۔ آخر میرے اور بچے بھی ہیں، اُن کے لئے بھی تو کچھ چاہئے۔

اُودے بھان۔ تو کیا آج میں مرا جاتا ہوں؟

کلیانی۔ جینے مرنے کا حال کوئی نہیں جانتا۔

اُودے بھان۔ تو تم کبھی یہی منایا کرتی ہو؟

کلیانی۔ اس میں بگڑنے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مرنا ایک دن سبھی کو ہے۔ کوئی یہاں امر ہو کر تھوڑا ہی آیا ہے۔ آنکھیں بند کر لینے سے تو ہونے والی بات نہ ٹلے گی۔ روز آنکھوں سے دیکھتی ہوں کہ باپ مر جاتا ہے اور اُس کے بچے گلی گلی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے؟

اُودے بھان نے جھلا کر کہا۔ تو اب سمجھ لوں کہ میرے مرنے کے دن قریب آ گئے، یہ تمہاری پیشینگوئی ہے۔ سہاگ سے عورتوں کو اکتاتے نہیں سنا تھا، آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ رنڈاپے میں بھی کوئی سکھ ہوگا

ضرور۔

کلیانی ۔ تم سے دُنیا کی بھی کوئی بات کہی جاتی ہے تو زہر اُگلنے لگتے ہو۔ اِسی لیئے نہ کہ جانتے ہو، اِس کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، میری ہی روٹیوں پر پڑی ہوئی ہے۔ یا اور کچھ؟ جہاں کوئی بات کہی بس سر ہو گئے۔ گویا میں گھر کی لونڈی ہوں، میرا صرف روٹی کپڑے کا ناطہ ہے۔ جتنا ہی میں دبتی ہوں، تم اور بھی دباتے ہو۔ مفت خورے مال اُڑائیں، کوئی منہ نہ کھولے۔ شراب کباب میں روپئے اُڑیں، کوئی زبان نہ ہلائے۔ یہ سارے کانٹے میرے بچوں ہی کے لیئے تو بوئے جا رہے ہیں۔

اُودے بھان ۔ تو میں کیا تمہارا غلام ہوں؟

کلیانی ۔ تو میں کیا تمہاری لونڈی ہوں؟

اُودے بھان ۔ ایسے مرد اور ہوں گے جو عورتوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔

کلیانی ۔ تو ایسی عورتیں بھی اور ہوں گی جو مردوں کی جوتیاں سہا کرتی ہیں۔

اُودے بھان ۔ میں کما کر لاتا ہوں، جیسے چاہوں ویسے خرچ کر سکتا ہوں۔ کسی کو بولنے کا اختیار نہیں ہے۔

کلیانی ۔ تو آپ اپنا گھر سنبھالیئے۔ ایسے گھر کو میرا دور ہی سے سلام ہے۔ جہاں میری کوئی پوچھ نہیں۔ گھر میں تمہارا جتنا اختیار ہے اُتنا ہی میرا بھی ہے۔ اس سے جو بھر بھی کم نہیں۔ اگر تم اپنے من کے راجہ ہو تو میں بھی اپنے من کی رانی ہوں۔ تمہارا گھر تمہیں مبارک رہے۔ میرے لیئے پیٹ کی

روٹیوں کی کمی نہیں ہے۔ تمہارے بچے ہیں، مارو یا جلاؤ۔ نہ آنکھوں سے دیکھونگی نہ درد ہوگا۔ آنکھ پھوٹی پیر (درد) گئی ؛

اُدے بھان۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ تم نہ سنبھالوگی تو میرا گھر ہی نہ سنبھلے گا؟ میں تنہا ایسے ایسے دس گھر سنبھال سکتا ہوں ؛

کلیانی۔ کون! اگر آج کے تیسویں دن مٹی میں نہ مل جائے تو کہنا کوئی کہتی تھی ؛

یہ کہتے کہتے کلیانی کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ وہ جھمک کر اُٹھی اور کمرہ سے دروازہ کی طرف چلی۔ وکیل صاحب مقدمات میں تو خوب "ہندی چندی" نکالتے تھے مگر عورتوں کے مزاج سے اُنہیں کچھ تھوڑی ہی سی واقفیت تھی۔ یہی ایک ایسا علم ہے جس سے آدمی مُسن ہونے پر بھی نابلد رہ جاتا ہے۔ اگر آپ بھی وہ نرم پڑ جاتے اور کلیانی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیتے تو شاید وہ رُک جاتی۔ لیکن آپ سے یہ تو نہ ہوسکا، اُلٹا چلتے چلاتے ایک اور چرکا دیا۔ بولے۔ مائکہ کا گھمنڈ ہوگا ؛

کلیانی نے دروازہ پر ٹھہر کر شوہر کی طرف سُرخ سُرخ آنکھوں سے دیکھا اور بپھر کر بولی۔ مائکہ والے میری تقدیر کے ساتھی نہیں ہیں اور نہ میں اتنی کمینی ہوں کہ اُن کی روٹیوں پر جا پڑوں ؛

اُدے بھان۔ تب کہاں جا رہی ہو ؛

کلیانی۔ تُم یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو۔ ایشور کی دنیا میں بے شمار جانداروں کے لیئے جگہ ہے۔ تو پھر کیا میرے ہی لئے جگہ نہیں ہے ؟

یہ کہہ کر کلیانی کمرہ کے باہر نکل گئی۔ صحن میں جا کر اُس نے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا، گویا ستاروں کو گواہ کر رہی ہے کہ میں اِس گھر سے کتنی بے دردی سے نکالی جا رہی ہوں۔ رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دونوں لڑکوں کی چارپائی اُسی کے کمرہ میں رہتی تھی۔ وہ اپنے کمرہ میں آئی۔ دیکھا، چندر بھان سویا ہوا ہے۔ سب سے چھوٹا سورج بھان چارپائی پر سے اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ماں کو دیکھتے ہی وہ بولا۔ تم تہاں (کہاں) دئی (گئی) تھیں، اماں؟

کلیانی دُور ہی کھڑی ہوئی بولی۔ کہیں تو نہیں بیٹا تمہارے بابوجی کے پاس گئی تھی۔

سورج۔ تم تلی دئیں، مُجھے اتیلے ڈر لدتا۔ تم تیوں تلی دئی تھیں؟ بتاؤ۔

یہ کہہ کر بچّہ نے گود میں جانے کے لیئے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ کلیانی اب ضبط نہ کر سکی۔ پھر مادری کی امرت دھارا سے اُس کا جلتا ہوا دل تر بتر ہو گیا۔ دل کا نازک پودا جو غصّہ کی آنچ سے مُرجھا گیا تھا، پھر شاداب ہو گیا۔ آنکھیں تر ہو گئیں۔ اُس نے بچّہ کو گود میں اُٹھا لیا اور سینہ سے لگا کر بولی۔ تم نے مجھے پکار کیوں نہ لیا۔ بیٹا؟

سورج۔ پکارتا تو تھا، تم سنتی ہی نہ تھیں۔ بتاؤ، اب تو کبھی نہ جاؤ دی؟

کلیانی۔ نہیں بھیّا، اب کبھی نہ جاؤں گی۔

یہ کہہ کر کلیانی سورج بھان کو لے کر چارپائی پر بیٹھی۔ ماں کے سینہ سے لپٹتے ہی بچّہ بے کھٹکے ہو کر سو گیا۔ کلیانی کے دل میں وسوسے ہونے لگے۔ شوہر

کی باتیں یاد آتیں تو جی میں آتا کہ گھر کو یکدم چھوڑ کر چلی جاؤں مگر بچوّں کا مُنہ دیکھتی تو پیار سے دل پر رِقت طاری ہو جاتی۔ بچوّں کو کِس پر چھوڑ کر جاؤں؟ میرے ان لالوں کو کون پالے گا؟ یہ کِس کے ہو کر رہیں گے؟ کون بڑے سویرے انہیں دُودھ اَور حلوا کھلائیگا؟ کون اِن کی نیند سوئے گا، ان کی نیند جاگے گا؟ بیچارے کوڑی کے تین ہو جاویں گے۔ نہیں پیارے بچوّ! میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤنگی۔ تمہارے لیئے سب کچھ سہ لُونگی۔ بیعزّتی، ذِلّت، جلی کٹی، کھوٹی کھری، دھمکی جھڑکی، یہ سب تمہارے لیئے سہونگی۔

کلیانی تو بچّہ کو لے لیٹی مگر بابُو صاحب کو نیند نہ آئی۔ اُنہیں چوٹ کرنے والی باتیں بڑی مُشکل سے بھُولتی تھیں۔ اُف! یہ مزاج، گویا میں ہی اُن کی بیوی ہُوں۔ بات مُنہ سے نکالنی مشکل ہے۔ اَب میں ان کا غُلام ہو کر رہوں گھر میں تنہا یہ رہیں اَور باقی جِتنے یگانے بیگانے ہیں وُہ سب نکال دیئے جاویں جلا کرتی ہیں، مناتی ہیں کہ یہ کِسی طرح مَرے تو میں اکیلی آرام سے رہوں۔ دل کی بات مُنہ سے نِکل ہی آتی ہے، خواہ کوئی کِتنا ہی چھُپائے۔ کئی روز سے دیکھ رہا ہُوں، ایسی جلی کٹی سُنایا کرتی ہیں کہ بس۔ مائکہ کا گھمنڈ ہوگا لیکن وہاں کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ ابھی سب آؤ بھگت کرتے ہیں، جب جا کر سر پڑ جائیں گی تو آٹا دال کا بھاؤ معلوم ہو جاوے گا۔ روتی ہُوئی آئینگی! واہ رے گھمنڈ، سوچتی ہیں کہ میں ہی یہ گرہستی چلاتی ہوں۔ ابھی چار دن کو کہیں چلا جاؤں تو معلوم ہو۔ تب دیکھوں، کیا کرتی ہیں۔ بس چار ہی دن میں تو معلوم ہو جائیگا۔ ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔

ایک بار تو ان کا گھمنڈ توڑ ہی دوں۔ ذرا بیوی کا مزہ بھی چکھا دوں۔ نہ جانے ان کی ہمت کیسے پڑتی ہے کہ مجھے اس طرح کوسنے لگتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ محبت انہیں چھو نہیں گئی یا سمجھتی ہیں کہ یہ گھر سے اتنا لپٹا ہوا ہے کہ اسے چاہے جتنا کوسوں، ٹلنے کا نام نہ لیگا۔ یہی بات ہے۔ مگر یہاں دنیا سے لپٹنے والے نہیں ہیں۔ جہنم میں جائے وہ گھر جہاں ایسے آدمیوں سے پالا پڑے۔ گھر ہے یا نرک! آدمی باہر سے تھکا ماندہ آتا ہے تو گھر میں اسے آرام ملتا ہے۔ یہاں آرام کے عوض کوسنا سننا پڑتا ہے! میری مرت کے لیئے برت کیئے جاتے ہیں۔ یہ ہے پچیس سال کی ازدواجی زندگی کا نتیجہ! بس چل ہی دوں۔ جب دیکھ لوں گا کہ ان کا سارا گھمنڈ مٹی میں مل گیا، اور مزاج ٹھنڈا ہو گیا تو لوٹ آؤنگا۔ چار یا پانچ روز کافی ہونگے۔ لو، تم بھی کیا یاد کروگی کہ کسی سے کام پڑا تھا!

یہی سوچتے ہوئے بابو صاحب اٹھے، ریشمی چادر گلے میں ڈالی، کچھ روپے لیئے۔ اپنا کارڈ نکال کر دوسرے کرتہ کی جیب میں رکھا، چھڑی اٹھائی اور چپکے سے باہر نکلے۔ سب نوکر نیند میں مست تھے۔ کتا آہٹ پاکر چونک پڑا اور ان کے ساتھ ہو لیا!

مگر یہ کون جانتا تھا کہ یہ ساری باتیں کارکنانِ قضا و قدر کے ہاتھوں ہو رہی ہیں، زندگی کے اسٹیج کے یہ درد انگیز سین کسی نامعلوم مخفی مقام پر بیٹھے ہوئے اپنی ناقابلِ فہم بے دردی کا تماشہ دکھا رہے ہیں! یہ کون جانتا تھا کہ نقل اصل ہونے جا رہی ہے۔ تماشہ سچائی کی صورت اختیار کر نیوالا ہے؟

شب دیجور نے چاند کو شکست دے کر اپنا عملدرآمد قایم کر رکھا تھا۔ اُس کی شیطانی فوج قدرت پر اپنا رُعب جمائے ہوئے تھی۔ رُوحانی جذبات مُنہ چھپائے پڑے تھے اور نفسانی جذبات غرور و نخوت سے اکڑتے پھرتے تھے جنگلوں میں درندے شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے اور شہروں میں بدمعاش لوگ کوچہ بکوچہ مُنڈلاتے پھرتے تھے۔

بابُو اودے بھان لال تیزی سے گنگا کی طرف چلے جا رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنا کُرتہ گھاٹ پر رکھ کر پانچ روز کے لیئے مرزاپور چلے جانے کا اِرادہ کر لیا تھا۔ اُن کے کپڑے دیکھ کر لوگوں کو اُن کے ڈوب جانے کا یقین ہو جائیگا۔ کارڈ کُرتے کی جیب میں تھا، پتہ لگنے میں کوئی دِقت نہ ہو سکتی تھی۔ آن واحد میں سارے شہر میں خبر مشہور ہو جاوے گی۔ آٹھ بجتے بجتے تو سارا شہر میرے دروازہ پر جمع ہو جائے گا۔ تب دیکھوں کہ دیوی جی کیا کرتی ہیں۔ یہی سوچتے ہُوئے بابُو صاحب گلیوں میں چلے جا رہے تھے۔ دفعتاً اُنہیں اپنے پیچھے کسی دُوسرے آدمی کے آنے کی آہٹ ملی۔ سمجھے کوئی ہوگا۔ آگے بڑھے۔ لیکن جس گلی سے وُہ مُڑتے اُسی طرف وُہ آدمی بھی مُڑتا تھا۔ اُس وقت بابو صاحب کو اندیشہ ہُوا کہ یہ آدمی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہُوا کہ اِس کی نیّت صاف نہیں ہے۔ اُنہوں نے فوراً جیبی لالٹین نکالی اور اُس کی روشنی میں اُس آدمی کو دیکھا۔ ایک طاقتور شخص کندھے پر لٹھ رکھے چلا آتا تھا۔ بابُو صاحب اُسے دیکھتے ہی چونک پڑے۔ یہ شہر کا مشہور بدمعاش تھا۔ تین سال قبل اُس پر ڈاکہ کا مقدمہ چلا تھا۔ اُودے بھان

نے اُس مقدمہ میں سرکار کی طرف سے پیروی کی تھی اور اس بدمعاش کو تین برس کی سزا دلائی تھی۔ جبھی سے وُہ اُن کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ کل ہی وُہ چھوٹ کر آیا تھا۔ آج اتفاقاً بابُو صاحب تہارات کو دکھائی دیئے تو اُس نے سوچا کہ اُن سے بدلہ لینے کا یہ اچھا موقع ہے۔ ایسا موقع شاید ہی پھر کبھی ملے۔ فوراً پیچھے ہولیا اور حملہ کرنے کی گھات ہی میں تھا کہ بابُو صاحب نے لالٹین جلائی۔ بدمعاش ذرا ٹھٹھک کر بولا۔ کیوں بابُوجی، پہچانتے ہو نہ؟ مَیں ہوں منّی۔

بابُو صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔ تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آرہے ہو؟

منّی۔ کیوں، کسی کو راہ چلنے کی مناہی (ممانعت) ہے؟ یہ گلی تمہارے باپ کی ہے؟

بابُو صاحب جوانی میں کُشتی لڑتے تھے۔ اب بھی ہٹّے کٹّے آدمی تھے۔ دِل کے بھی کچّے نہ تھے۔ چھڑی سنبھال کر بولے۔ ابھی شاید جی نہیں بھرا؟ اب کے سات سال کو جاؤ گے۔

منّی۔ مَیں سات سال کو جاؤں یا چودہ سال کو مگر تمہیں جیتا نہ چھوڑونگا ہاں اگر تم میرے پیروں پر گر کر قسم کھاؤ کہ اب کسی کو سزا نہ کراؤں گا تو چھوڑ دوں۔ بولو، منظور ہے؟

اُودے بھان۔ تیری شامت تو نہیں آئی ہے؟

منّی۔ شامت میری نہیں آئی۔ تمہاری آئی ہے۔ بولو، کھاتے ہو قسم، ایک۔

اُودے بھان۔ تم ہٹتے ہو کہ میں پولیس کو بلاؤں ؟

منّی۔ دو!

اُودے بھان (گرج کر) ہٹ جا بدمعاش سامنے سے ۔

منّی۔ تین!

مُنہ سے تین کی آواز نکلتے ہی بابو صاحب کے سر پر لٹھ کا ایسا تُلا ہُوا ہاتھ پڑا کہ وُہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مُنہ سے صرف اتنا ہی نکلا "ہائے مار ڈالا"! منّی نے پاس جاکر دیکھا تو سر پھٹ گیا تھا اور خُون کی دھار بہہ رہی تھی۔ نبض کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سمجھ گیا کہ کام تمام ہو گیا۔ اُس نے کلائی سے سونے کی گھڑی اُتار لی کُرتے سے سونے کے بٹن کاٹ لیئے، اُنگلی سے انگوٹھی اُتار لی اور اپنی راہ چلا گیا گویا کچھ ہُوا ہی نہیں۔ البتّہ اتنا رحم کیا کہ لاش کو راستہ سے کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا۔ ہائے، بیچارے گھر سے کیا سوچ کر چلے تھے اور کیا ہو گیا۔ زندگی! تجھ سے زیادہ ناپائیدار بھی دُنیا میں کوئی چیز ہے؟ کیا وہ اُس چراغ کی طرح نہیں ہے جو ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ جاتا ہے؟ پانی کے اُس بُلبلے کو دیکھتے ہو مگر اُسے ٹوٹنے پر بھی کچھ دیر لگتی ہے۔ زندگی میں اُتنی پائیداری بھی نہیں سانس کا بھروسہ ہی کیا؟ اور اسی بھروسہ پر ہم اپنی آرزوؤں کا کتنا عالیشان محل بناتے ہیں! یہ نہیں جانتے کہ اندر جانے والی سانس باہر آئے گی یا نہیں، مگر سوچتے اتنی دُور کی ہیں کہ گویا ہمیں فنا نہیں!

(۳)

بیوہ کی فریاد اور یتیموں کی گریہ وزاری سُنا کر ہم ناظرین کا دِل نہ دُکھائیں گے

جس پہ پڑتی ہے وُہ روتا ہے، چلاّتا ہے، پچھاڑیں کھاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو کلیانی کے اُس سخت رُوحانی تلق کا اندازہ کر سکتے ہیں جو اُس کو اس خیال سے ہو رہا تھا کہ میں ہی اپنے دِل و جان کے مالک کی قاتلہ ہوں! وُہ کلمے جو غصّہ کے جوش میں اُس کی بے لگام زبان سے نکلے تھے، اَب اُس کے دِل کو تیر بن کر چھلنی کئے دیتے تھے۔ اگر شوہر نے اُس کی گود میں کراہ کراہ کر جان دی ہوتی تو اُسے تسکین ہوتی کہ میں نے اُن کے متعلق اپنا فرض ادا کر دیا۔ غمزدہ دِلوں کو اِس سے زیادہ تسکین اَور کسی بات سے نہیں ہوتی۔ اُسے یہ خیال کر کے کتنا اطمینان ہوتا کہ میرے مالک مجھ سے خوش ہو کر گئے، آخر وقت تک اُن کے دِل میں میری محبّت برقرار رہی۔ کلیانی کو یہ اطمینان نصیب نہ تھا۔ وُہ سوچتی کہ ہائے، میری پچیس سال کی ریاضت ضائع ہو گئی۔ میں آخر وقت میں اپنے مالک کی محبّت سے محروم رہی۔ اگر میں نے اُنہیں ایسے سخت الفاظ نہ کہے ہوتے تو وُہ رات کو گھر سے باہر ہرگز نہ جاتے۔ نہ جانے اُن کے دِل میں کیا کیا خیال پیدا ہُوئے ہوں۔ اُن کے خیالات کا اندازہ اَور اپنے گناہ میں اضافہ کر کے وُہ آٹھوں پہر کُڑھتی رہتی تھی۔ جن بچّوں پر وُہ جان دیتی تھی، اَب اُن کی صُورت سے چڑتی تھی۔ اِنہی کے سبب مجھ کو اپنے مالک سے جھگڑا مول لینا پڑا۔ یہی میرے دُشمن ہیں۔ جہاں آٹھوں پہر کچہری سی لگی رہتی تھی، وہاں اَب خاک اُڑتی تھی۔ وُہ میلا ہی اُٹھ گیا تھا۔ جب کھلانے والا ہی نہ رہا تو کھانے والے وہاں کیسے پڑے رہتے۔ رفتہ رفتہ ایک ماہ کے اندر سبھی بھانجے بھتیجے رُخصت ہو گئے۔ جن کو دعوے تھا کہ ہم

پسینہ کی جگہ لہو بہانے والوں میں ہیں وُہ ایسا سرپٹ بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ دُنیا ہی دُوسری ہوگئی۔ جن بچّوں کو دیکھ کر پیار کرنے کو جی چاہتا تھا اُن کے چہروں پہ اَب کھیّاں بھنبھناتی تھیں۔ نہ جانے وُہ رونق کہاں چلی گئی تھی ؛

رنج گھٹا تو نرملا کے بیاہ کا مسئلہ درپیش ہوا کچھ لوگوں نے رائے دی کہ شادی امسال مُلتوی کی جا دے لیکن کلیانی نے کہا کہ اتنی تیاریوں کے بعد شادی مُلتوی کر دینے سے سب کیا دھرا خاک میں مِل جا دیگا اور دوسرے سال پھر یہی تیاریاں کرنی پڑیں گی جس کی کوئی اُمّید نہ تھی۔ بیاہ کر دینا ہی بہتر ہے۔ کچھ لینا دینا تو ہے نہیں، براتیوں کی مہمانداری کا کافی بندوبست ہو چکا ہے۔ توقف سے نقصان ہی نقصان ہے۔ پس بابو بھال چندر کو اس حادثہ کی خبر کے ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیج دیا گیا۔ کلیانی نے اپنے خط میں لکھا :۔ اِس بے کس پہ رحم کیجئے اور ڈوبتی ہُوئی ناؤ کو پار لگائیے۔ سوامی جی کے دِل میں بڑے بڑے حوصلے تھے مگر ایشور کو کچھ اور منظور تھا۔ اَب میری لاج آپکے ہاتھ ہے۔ لڑکی آپ کی ہو چکی۔ میں آپ لوگوں کی خاطرداری کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہُوں۔ لیکن اگر اِس میں کچھ کمی ہو یا کوئی غلطی سرزد ہو تو میری حالت کا خیال کر کے مُعاف کیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ خود مجھ بے کس کی بدنامی نہ ہونے دیں گے، وغیرہ وغیرہ ؛

کلیانی نے یہ خط ڈاک سے نہ بھیجا بلکہ پروہت جی سے کہا۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر آپ خود جا کر یہ خط دیجئے گا اور میری جانب سے نہایت عاجزی کے

ساتھ کہئے گا کہ جتنے کم لوگ آئیں اُتنا ہی اچھا۔ یہاں کوئی انتظام کرنے والا نہیں ہے۔ پروہت موٹے رام یہ پیغام لے کر تیسرے روز لکھنؤ جا پہنچے ؛

شام کا وقت تھا۔ بابو بھال چندر دیوان خانہ کے سامنے آرام کرسی پر برہنہ لیٹے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ بہت ہی موٹے اور بلند قامت شخص تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیاہ دیو ہے یا کوئی حبشی افریقہ سے پکڑ کر لایا گیا ہے۔ سر سے پیر تک ایک ہی رنگ تھا، سیاہ۔ چہرہ اتنا سیاہ تھا کہ معلوم نہ ہوتا تھا، ماتھے کی انتہا کہاں ہے اور سر کی ابتدا کہاں سے ہے، کوئلے کی ایک زندہ مورت تھی۔ آپ کو گرمی بہت ستاتی تھی۔ اور آدمی کھڑے پنکھا جھل رہے تھے، اس پر بھی پسینہ کا تار بندھا ہوا تھا۔ آپ محکمۂ آبکاری کے کسی بڑے عہدہ پر تھے پانچسو ماہوار ملتا تھا، ٹھیکہ داروں سے خوب رشوت بھی لیتے تھے۔ ٹھیکہ دار شراب کے نام پانی فروخت کریں، چوبیس گھنٹے دکان کھلی رکھیں، آپ کو صرف خوش رکھنا کافی تھا۔ سارا قانون آپ کی خوشی تھی۔ اتنی بھیانک شکل تھی کہ چاندنی رات میں انہیں دیکھ کر دفعتاً لوگ چونک پڑتے تھے، صرف بچے اور عورتیں نہیں، مرد تک ڈر جاتے تھے۔ چاندنی رات اس لیئے کہی گئی کہ اندھیری رات میں تو انہیں کوئی دیکھ ہی نہ سکتا تھا، سیاہی تاریکی میں جذب ہو جاتی تھی۔ صرف آنکھوں کا رنگ سُرخ تھا۔ جیسے پکا مسلمان پانچ بار نماز پڑھتا ہے اسی طرح آپ پانچ بار شراب پیتے تھے۔ صفت کی شراب تو قاضی کو حلال ہے پھر آپ تو شراب پرا فسر ہی تھے۔ جتنی چاہیں پئیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ جب پیاس لگتی،

شراب پی لیتے۔ جیسے کچھ رنگوں میں باہمی رفاقت ہے اُسی طرح کچھ رنگوں میں باہمی مخالفت۔ سُرخی کے مل جانے سے سیاہی اَور بھی خوفناک ہوجاتی ہے۔

بابُو صاحب نے پنڈت جی کو دیکھتے ہی کرسی سے اُٹھ کر کہا۔ اخاہ آپ ہیں، آیئے آیئے، زہے نصیب! کوئی ہے؟ کہاں چلے گئے سب کے سب، جھگڑو، گوردین، چھکوڑی، بھوانی، رام غلام، کوئی ہے؟ کیا سب کے سب مرگئے چلو رام غلام، بھوانی، چھکوڑی، گوردین، جھگڑو! کوئی نہیں بولتا، سب مر گئے۔ درجن بھر آدمی ہیں مگر وقت پر ایک کی بھی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ جانے سب کہاں غائب ہوجاتے ہیں۔ آپ کے واسطے کرسی لاؤ۔

بابُو صاحب نے یہ پانچوں نام کئی بار دُہرائے لیکن یہ نہ ہُوا کہ پنکھا جھلنے والے دونوں آدمیوں میں سے کسی کو کرسی لانے کے لیے بھیج دیتے۔ تین چار منٹ کے بعد ایک کانا آدمی کھانستا ہُوا آکر بولا۔ سرکار، اے تنا کی نوکری ہمار کیں نا ہوئی۔ کہاں تلک اُدھار باڑی لے لے کھائی۔ مانگت مانگت تھیتھر ہوئی گئیں۔

بھال چندر۔ مت بکو، جاکر کرسی لاؤ۔ جب کوئی کام کرنے کو کہا گیا تو رونے لگتا ہے۔ کہیئے پنڈت جی، وہاں سب خیریت تو ہے؟

موٹے رام۔ کیا خیریت کہوں، بابُو جی! اب خیریت کہاں؟ سارا گھر مٹی میں مل گیا۔

اِتنے میں کہار نے ایک ٹوٹا ہُوا چٹر کا صندوق لاکر رکھدیا اَور بولا۔ "کرسی میج ہمار اُٹھائے نا ہیں اُٹھت ہے"۔

پنڈت جی شرماتے ہوئے ڈرتے ڈرتے اُس پر بیٹھے کہ مُبادا کہیں ٹوٹ جائے اور کلیانی کا خط بابو صاحب کے ہاتھ میں رکھدیا ؛

بھال چندر۔ اب اور کیسے مِٹّی میں ملیگا۔ اِس سے بڑی اور کون مصیبت پڑیگی ؟ بابو اُدے بھان لال سے میری پُرانی دوستی تھی۔ آدمی نہیں ہیرا تھا۔ کیا دل تھا، کیا ہمت تھی (آنکھیں پونچھ کر) میرا تو جیسے داہنا ہاتھ ہی کٹ گیا یقین کیجئے کہ جب سے یہ خبر سُنی ہے، آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا ہے۔ کھانے بیٹھتا ہُوں تو لقمہ مُنہ میں نہیں جاتا۔ اُن کی صُورت آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ مُنہ جُوٹھا کر کے اُٹھ آتا ہوں۔ کِسی کام میں دل نہیں لگتا۔ بھائی کے مرنے کا رنج بھی اِس سے کم ہی ہوتا۔ آدمی نہیں ہیرا تھا!

موٹے رام۔ سرکار، نگر میں اب ایسا کوئی رئیس ہی نہیں رہا ؛

بھال چندر۔ مَیں خُوب جانتا ہوں پنڈت جی، آپ مُجھ سے کیا کہتے ہیں۔ ایسا آدمی لاکھ دو لاکھ میں ایک ہوتا ہے۔ جتنا مَیں اُن کو جانتا تھا، دُوسرا نہیں جان سکتا۔ دو ہی تین بار کی ملاقات میں اُن کا مُعتقد ہو گیا اور مرتے دَم تک رہونگا۔ آپ سمدھن صاحبہ سے کہدیجئے گا کہ مُجھے دِلی رنج ہے ؛

موٹے رام۔ آپ سے ایسی ہی اُمید تھی۔ آپ جیسے بھلے آدمیوں کا مِلنا مُشکل ہے، ورنہ آجکل کون بلا جہیز کے لڑکے کا بیاہ کرتا ہے ؟

بھال چندر۔ جہیز کی گفتگو ایسے راستباز لوگوں سے نہیں کی جاتی۔ اُن سے تو رشتہ ہو جانا ہی لاکھ روپئے کے برابر ہے۔ مَیں اسی کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آہ! دِل کتنا فیّاض تھا! روپیہ کو تو اُنہوں نے کچھ سمجھا ہی نہیں، اُس کی

تنکے کے برابر بھی پرواہ نہیں کی، بُرا رواج ہے، بیحد بُرا۔ میرا بس چلے تو جہیز لینے والوں اَور دینے والوں دونوں ہی کو گولی مار ڈالوں، ہاں صاحب، صاف گولی مار دُوں؛ پھر چاہے پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ پُوچھو، آپ لڑکے کی شادی کرتے ہیں کہ اُسے بیچتے ہیں۔ اگر آپ کو لڑکے کی شادی میں دل کھول کر خرچ کرنے کا ارمان ہے تو شوق سے خرچ کیجئے لیکن جو کچھ کیجئے وُہ اپنے بل بوتہ پر۔ یہ کیا کہ لڑکی کے باپ کا گلا کاٹیئے۔ کمینہ پن ہے۔ بیحد کمینہ پن؛ میرا بس چلے تو اِن پاجیوں کو گولی مار دُوں۔

موٹے رام۔ دھنیہ ہو، سرکار؛ بھگوان نے آپ کو بڑی بُدھی دی ہے یہ دھرم کی برکت ہے۔ مالکن کی خواہش ہے کہ بیاہ کا مہورت وُہی رہے اَور تو اُنہوں نے ساری باتیں خط میں لکھ ہی دی ہیں۔ بس اَب آپ ہی ہاتھ لگائیں تو ہمارا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ اِس طرح تو بارات میں جِتنے لوگ جائیں گے اُن کی خاطر ہم کریں گے ہی مگر حالت اب بہت بدل گئی ہے سرکار، کوئی کرنے دھرنے والا نہیں ہے۔ بس ایسی بات کیجئے کہ وکیل صاحب کے نام پر بٹّہ نہ لگے۔

بھال چندر ایک منٹ تک آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے، پھر ایک لمبی سانس کھینچ کر بولے۔ ایشور کو منظور ہی نہ تھا کہ وُہ لکشمی میرے گھر آتی ورنہ کیوں یہ مصیبت نازل ہوتی؟ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ خوشی سے پُھولا نہ سماتا تھا کہ وُہ مُبارک وقت قریب آ رہا ہے مگر کیا معلوم تھا کہ ایشور کے دربار میں کچھ اَور سازش ہو رہی ہے۔ مرنے والے کی یاد ہی رُلانے کے لیئے کافی ہے۔ اُسے دیکھ کر تو زخم اَور بھی ہرا ہو جائیگا۔ اُس حالت میں نہ جانے

کیا کر بیٹھوں۔ اسے وصف سمجھیے یا عیب کہ جس سے ایکبار میری دوستی ہوگئی پھر اُس کی یاد دل سے نہیں بھولتی۔ ابھی تو خیر اتنا ہی ہے کہ اُن کی صورت آنکھوں میں گھومتی رہتی ہے مگر وُہ لڑکی گھر میں آگئی اُسوقت تو میرا زندہ رہنا مشکل ہوجاویگا۔ سچ مانئے، روتے روتے میری آنکھیں پھوٹ جاوینگی۔ جانتا ہوں کہ رونا دھونا فضول ہے، جو مر گیا وُہ لوٹ کر نہیں آسکتا، صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، مگر دل سے مجبور ہوں۔ اُس اناتھ لڑکی کو دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹ جاویگا۔

موٹے رام۔ ایسا نہ کہئے، سرکار! وکیل صاحب نہیں ہیں تو کیا، آپ تو ہیں اب آپ ہی اُس کے باپ کی طرح ہیں۔ وُہ اب وکیل صاحب کی لڑکی نہیں، آپ کی لڑکی ہے۔ آپ کے دل کی بات کو تو کوئی جانتا نہیں، لوگ سمجھیں گے کہ وکیل صاحب کے مر جانے کی وجہ سے آپ اپنے وعدہ سے پھر گئے۔ اس میں آپ کی بدنامی ہے۔ دل کو ڈھارس دیجئے اور ہنسی خوشی سے لڑکی کو بیاہ لائیے ہاتھی مرے بھی تو نو لاکھ کا۔ لاکھ مصیبت پڑی ہے مگر مالکن صاحبہ آپ لوگوں کا آدر ستکار کرنے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھیں گی۔

بابو صاحب سمجھ گئے کہ پنڈت موٹے رام صرف پوتھی ہی کے پنڈت نہیں بلکہ بات بیوہار میں بھی ہوشیار ہیں، بولے۔ پنڈت جی، حلفیہ کہتا ہوں کہ مجھے اُس لڑکی سے جتنی محبت ہے اُتنی اپنی لڑکی سے بھی نہیں ہے۔ لیکن جب ایشور کو منظور ہی نہیں ہے تو میرا کیا بس ہے؟ یہ موت ایک طرح کی بدشگونی کی خبر ہے جو ایشور کی جانب سے ہم کو ملی ہے۔ یہ کسی آنے والی مصیبت کی

غیبی آواز ہے۔ ایشور صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ یہ شادی مبارک نہ ہوگی۔ ایسی حالت میں آپ ہی سوچیے کہ یہ رشتہ کہاں تک مناسب ہے۔ آپ تو وِدّوان آدمی ہیں، سوچیے، جس کی شروعات ہی بدشگونی سے ہو اُس کا اخیر بھلا مبارک ہو سکتا ہے؟ نہیں، جان بُوجھ کر مکھی نہیں نگلی جاتی۔ سمدھن صاحبہ سے سمجھا کر کہدیجئے گا کہ میں اُن کا حکم ماننے کو تیار ہوں مگر اِس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ خودغرض بن کر میں اپنے دِلی دوست کی اولاد کے ساتھ یہ بے انصافی نہیں کر سکتا۔

اِس منطق نے پنڈت جی کو لاجواب کر دیا۔ مدعی نے وُہ تیر سر کیا تھا جس کی کوئی کاٹ اُن کے پاس نہ تھی، دشمن نے اُنہیں کے ہتھیار سے اُن پر وار کیا تھا اور وُہ اُس کا دفعیہ نہ کر سکتے تھے۔ وُہ ابھی کوئی جواب سوچ ہی رہے تھے کہ بابو صاحب نے پھر نوکروں کو پکارنا شروع کیا۔ ارے، تُم سب پھر غائب ہو گئے! جھگڑو، جھکوڑی، بھوانی، گردین، رام غلام، ایک بھی نہیں بولتا، سب کے سب مر گئے۔ پنڈت جی کے واسطے کچھ پانی وانی کی بھی کچھ فکر ہے؟ نہ جانے اِن سبھوں کو کوئی کہاں تک سمجھائے۔ عقل چھُو تک نہیں گئی۔ دیکھ رہے ہیں کہ ایک بھلا آدمی دُور سے تھکا ماندہ چلا آرہا ہے مگر کسی کو ذرا بھی پرواہ نہیں! لاؤ، پانی وانی رکھو! پنڈت جی! آپ کے لیئے شربت تیار کراؤں، یا بھلاہاری مٹھائی منگوا دُوں؟

موٹے رام جی مٹھائیوں کے متعلق قیوُد کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اُن کا اصول تھا کہ گھی سے سبھی چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ رس گُلّے اور بیسنی لڈّو اُنہیں بہت پسند

تھے مگر شربت سے انہیں رغبت نہ تھی۔ پانی سے پیٹ بھرنا اُن کے اصول کے خلاف تھا۔ تامل سے بولے۔ شربت پینے کی تو میری عادت نہیں، مٹھائی کھا لونگا۔

بھال چندر۔ پھلاہاری نہ؟

موٹے رام۔ اِس کا مجھے کوئی خیال نہیں۔

بھال چندر۔ ہے تو یہی بات۔ چھوت چھات سب ڈھکوسلا ہے۔ میں خود اس کا قائل نہیں۔ ارے، ابھی تک کوئی نہیں آیا۔ چھکوڑی، بھوانی، گردین، رام غلام، کوئی تو بولے۔

ابکے بھی وہی بوڑھا کہار کھانستا ہوا آکر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ سرکار ! مور طلب دے دین جائے۔ ایسی نوکری مو سے نہ ہوئی۔ کہاں تو ڑتک ! دَوری ؟ دَورت دَورت گوڑ پیڑے لگت ہیں۔

بھال چندر۔ کام کرو یا نہ کرو مگر طلب پہلے چاہیئے۔ دن بھر پڑے پڑے کھانسا کرو، طلب تو تمہاری چڑھ ہی رہی ہے۔ جا کر بازار سے ایک آنہ کی کوئی تازہ مٹھائی لا، دوڑتا ہوا جا۔

کہار کو یہ حکم دے کر بابو صاحب گھر میں گئے اور بیوی سے بولے وہاں سے ایک پنڈت جی آئے ہیں۔ یہ خط لائے ہیں، ذرا پڑھو تو۔

بیوی صاحبہ کا نام رنگیلی بائی تھا۔ گورے رنگ کی خوش دل عورت تھی حسن و شباب اُس سے رخصت ہو رہے تھے، مگر کسی محبت کرنے والے دوست کی طرح مچل مچل کر تیس سال تک جس کے گلے کا ہار رہے اُس کو چھوڑتے نہ بنتا

تھا۔

رنگیلی بائی بیٹھی پان لگا رہی تھیں۔ بولیں۔ کہدیا نہ کہ ہمیں وہاں بیاہ کرنا منظور نہیں؟

بھال چندر۔ ہاں کہہ تو دیا مگر شرم کے مارے منہ سے لفظ نہ نکلتا تھا۔ جھوٹھ موٹھ کا حیلہ کرنا پڑا۔

رنگیلی۔ صاف بات کہنے میں شرم کیا؟ ہماری مرضی ہے، نہیں کرتے کسی کا کچھ لیا تو نہیں ہے؟ جب دوسری جگہ دس ہزار نقد مل رہے ہیں تو وہاں کیوں نہ کروں؟ اُن کی لڑکی کوئی سونے کی تھوڑا ہی ہے۔ وکیل صاحب جیتے ہوتے تو شرماتے شرماتے بھی پندرہ بیس ہزار دے نکلتے۔ اب وہاں کیا دھرا ہے؟

بھال چندر۔ ایک مرتبہ قول دے کر پھر جانا اچھی بات نہیں۔ کوئی مُنہ پر کچھ نہ کہے مگر بدنامی ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ پھر بھی تمہاری ضد سے مجبور ہوں۔

رنگیلی بائی نے پان کھا کر خط کھولا اور پڑھنے لگی۔ ہندی کی مہارت بابو صاحب کو تو بالکل نہ تھی اور اگرچہ رنگیلی بھی شاید ہی کبھی کوئی کتاب پڑھتی ہو مگر خط وغیرہ پڑھ لیتی تھی۔ پہلی ہی سطر پڑھ کر اُس کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں اور خط کے خاتمہ پر تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ ایک ایک لفظ میں رِقت تھی، ایک ایک حرف سے بے کسی ٹپک رہی تھی۔ رنگیلی بائی کا کڑا پن پتھر کا نہیں لاکھ کا تھا جو ایک ہی آنچ میں پگھل جاتی ہے۔ کلیانی کی رقت آمیز تحریر نے اُس کے خود غرض دِل کو پگھلا دیا۔ بھرائی ہوئی آواز سے بولی۔ ابھی براہمن بیٹھا ہے نہ؟

پڑھ کر تم گھنٹوں رو تی ہو، کیا سچ باتیں لکھتے ہیں؟ سراسر جھوٹ کا طومار باندھتے ہیں۔ یہ بھی ایک ہنر ہے۔

رنگیلی۔ کیوں جی، تم مجھ سے بھی اُڑتے ہو؟ دائی سے پیٹ چھپاتے ہو؟ مَیں تمہاری باتیں مان لیتی ہُوں تو تم سمجھتے ہو کہ اس کو چکمہ دیا۔ مگر میں تمہاری ایک ایک رگ پہچانتی ہُوں۔ تم اپنا عیب میرے سر منڈھ کر خود بے داغ بننا چاہتے ہو؟ بولو، کچھ جھوٹ کہتی ہُوں؟ جب وکیل صاحب جیتے تھے تو تم نے سوچا تھا کہ قرار کی ضرورت ہی کیا ہے، وہ خود ہی جتنا مناسب سمجھیں گے دے دیں گے بلکہ بلا قرار کے اور زیادہ ملنے کی اُمید ہو گی۔ اب جو وکیل صاحب کا سُورگباس ہو گیا تو طرح طرح کے حیلے حوالے کرنے لگے۔ یہ شرافت نہیں، کمینہ پن ہے۔ اس کا الزام بھی تمہارے ہی سر ہے۔ مَیں اب شادی بیاہ کے قریب نہ جاؤں گی۔ تمہاری جیسی مرضی ہو، کرنا ڈھونگی آدمیوں سے مجھے چڑ ہے۔ جو بات کرو، صفائی سے کرو، بُرا ہو یا بھلا: "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور"۔ والی مثل پہ چلنا تمہارے لیئے بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ بولو، اب بھی وہاں شادی کرتے ہو یا نہیں؟

بھال چندر۔ جب مَیں بے ایمان، دغا باز اور جھوٹا ٹھہرا تو مجھ سے پوچھنا ہی کیا؟ مگر خوب پہچانتی ہو آدمیوں کو! کیا کہنا ہے، تمہاری اس سُوجھ بوجھ کے بلہاری!

رنگیلی۔ ہو بڑے حیادار، اب بھی نہیں شرماتے۔ ایمان سے کہو، میں نے بات تاڑ لی کہ نہیں؟

بھال چندر - اجی جاؤ، وُہ دوسری عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو پہچانتی ہیں۔ اب تک میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ عورتوں کی نگاہ بہت باریک ہوتی ہے مگر آج وُہ خیال جاتا رہا اور مہاتماؤں نے عورتوں کے بارہ میں جو اہم باتیں کہی ہیں اُن کو ماننا پڑا۔

رنگیلی - ذرا آئینہ میں صورت تو دیکھ آؤ۔ تمہیں میری قسم ہے۔ ذرا دیکھو تو کتنا جھینپے ہوئے ہو۔

بھال چندر - سچ کہنا، کتنا جھینپا ہُوا ہُوں؟

رنگیلی - اُتنا ہی جتنا کوئی بھلا مانس چور چوری کھُل جانے پر جھینپتا ہے۔

بھال چندر - خیر، میں جھینپا سہی مگر شادی وہاں نہ ہوگی۔

رنگیلی - میری بلا سے! جہاں چاہے کرو۔ کیوں **بھُوَن** سے ایک بار کیوں نہیں پُوچھ لیتے؟

بھال چندر - اچھی بات ہے، اُسی پر فیصلہ رہا۔

رنگیلی - ذرا بھی اشارہ نہ کرنا۔

بھال چندر - اجی میں اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔

اتفاقاً ٹھیک اُسی وقت **بھُوَن موہن** بھی آپہنچا۔ ایسے شکیل، سڈول مضبوط نوجوان کالج میں کم نظر آتے ہیں۔ بالکل ماں کے مشابہ تھا۔ وہی گورا صاف رنگ، وہی نازک نازک گلاب کے پنکھڑی جیسے ہونٹ، وُہی چوڑا ماتھا، وہی بڑی بڑی آنکھیں، البتہ قد باپ کا سا تھا۔ اُونچا کوٹ، بریچز، ٹائی، بُوٹ، ہیٹ، اُس کے بدن پر بہت بھلے لگتے تھے۔ ہاتھ میں ایک ہاکی اسٹک بھی۔

رفتار میں شباب کا غرور تھا اور آنکھوں میں خودداری کی جھلک۔ رنگیلی نے کہا۔ آج تم نے بڑی دیر کی۔ یہ دیکھو، تمہاری سسرال سے ایک خط آیا ہے، تمہاری ساس کا لکھا ہوا۔ صاف صاف بتلا دو، ابھی وقت ہے، کہ تمہیں وہاں بیاہ کرنا منظور ہے یا نہیں؟

بھون - کرنا تو چاہیئے اماں۔ مگر میں کرونگا نہیں۔

رنگیلی - کیوں؟

بھون - کہیں ایسی شادی کرواییے کہ خوب روپے ملیں۔ اور نہ سہی کم سے کم ایک لاکھ تو ملیں! وہاں اب کیا رکھا ہے؟ وکیل صاحب تو اب رہے نہیں، بڑھیا کے پاس کیا ہوگا؟

رنگیلی - تمہیں ایسی باتیں منہ سے نکالتے شرم نہیں آتی؟

بھون - اس میں شرم کی کونسی بات ہے؟ روپئے کیسے کاٹتے ہیں؟ لاکھ روپئے تو لاکھ جنم میں بھی نہ جمع کر پاؤنگا۔ اس سال پاس بھی ہو گیا تو کم از کم پانچ سال تک تو روپئے کی صورت نہ دکھائی پڑے گی۔ پھر سو، دو سو روپے ماہوار کمانے لگونگا۔ پانچ چھ سو تک پہنچتے پہنچتے عمر کا تین چوتھائی حصہ ختم ہو جاویگا، روپے جمع کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ دنیا کا کچھ لطف نہ حاصل کر سکوں گا۔ کسی امیر کی لڑکی سے شادی ہو جاتی تو چین سے گزرتی۔ میں زیادہ نہیں چاہتا، بس ایک لاکھ نقد ہو! یا پھر کوئی ایسی جائداد والی بیوہ ملے جس کی ایک ہی لڑکی ہو!

رنگیلی - چاہے عورت کیسی ہی ملے؟

بھون - روپیہ سارے عیبوں کو چھپا دیگا۔ مجھے دو گالیاں بھی سنالے تو چوں نہ کروں۔ دودھار گائے کی لات کیسے بُری معلوم ہوتی ہے؟

بابو صاحب نے تعریف کے لہجہ میں کہا۔ ہمیں اُن لوگوں سے ہمدردی ہے اور رنج ہے کہ ایشور نے اُنہیں مصیبت میں ڈالا لیکن عقل سے کام لے کر ہی کوئی بات طے کرنی چاہیئے۔ ہم کتنے ہی پھٹے حالوں سے جائیں پھر بھی اچھی خاصی برات ہو جائے گی۔ وہاں کھانے تک کا ٹھکانا نہیں۔ سوا اس کے کہ لوگ ہنسیں اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا:

رنگیلی - تم باپ بیٹے دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ دونوں اُس غریب لڑکی کے گلے پر چھری چلانا چاہتے ہو:

بھون - جو غریب ہے اُسے غریبوں ہی کے یہاں رشتہ مندی کرنا چاہئے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر ——————

رنگیلی - چپ بھی رہ، آیا ہے وہاں سے حیثیت لے کر! تم کہاں کے ایسے دھنا سیٹھ ہو؟ کوئی آدمی دروازہ پر آ جاوے تو ایک لوٹا پانی کو ترس جائے۔ بڑی حیثیت والے بنے ہیں:

یہ کہہ کر رنگیلی وہاں سے اُٹھ کر رسوئی ٹھیک کرنے چلی گئی۔ بھون موہن مسکراتا ہوا اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ اور بابو صاحب اپنے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے باہر آئے کہ موٹے رام کو آخری فیصلہ سنا دیں۔ مگر اُن کا کہیں پتہ نہ تھا:

موٹے رام جی کچھ دیر تک تو کہار کا انتظار کرتے رہے، جب اُس کے آنے میں بہت دیر ہوئی تو اُن سے بیٹھا نہ گیا۔ سوچا، یہاں بیٹھے بیٹھے کام نہ چلے گا،

کچھ تدبیر کرنی چاہیئے۔ تقدیر کے بھروسے یہاں اڑے بیٹھے رہیں تو بھوکوں مر جائیں گے یہاں تمہاری دال نہیں گلنے کی۔ چپکے سے چھری اٹھائی اور جدھر وہ کہار گیا تھا اسی طرف چلے۔ بازار ذرا ہی دور تھا۔ ایک لمحہ میں جا پہنچے۔ دیکھا تو بڈھا کہار ایک حلوائی کی دکان پر بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی آپ نے بڑی بے تکلفی سے کہا "ابھی کچھ تیار نہیں ہے کیا، مہرا؟ سرکار وہاں بیٹھے بگڑ رہے ہیں کہ جا کر سو گیا یا کہیں تاڑی پینے لگا۔" میں نے کہا کہ "سرکار، یہ بات نہیں۔ بڈھا آدمی ہے آتے ہی آتے تو آئے گا۔" عجیب آدمی ہیں، نہ جانے ان کے یہاں کیسے نوکر کا نباہ ہوتا ہے؟

کہار۔ مجھے چھوڑ کر آجتک تو دوسرا ٹکا نہیں اور نہ ٹکے گا۔ سال بھر سے طلب نہیں ملی، کسی کی طلب نہیں دیتے۔ جہاں کسی نے طلب مانگی اور لگے اس کو ڈانٹنے۔ بیچارہ نوکری چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ وہ دونوں آدمی جو پنکھا جھل رہے تھے سرکاری نوکر ہیں۔ سرکار سے دو آدمی ملے ہیں نہ، اسی سے پڑے ہوئے ہیں۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ جیسا تیرا تانا بانا ویسی میری بھرنی۔ دس سال کٹ گئے ہیں، سال دو سال اور اسی طرح کٹ جائیں گے۔

موٹے رام۔ تو تمہیں اکیلے ہو، نام تو کئی کہاروں کا لیتے ہیں؟

کہار۔ وہ سب ان دو تین مہینوں کے اندر آئے اور چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ اپنا رعب جمانے کو ابھی تک ان کا نام جپا کرتے ہیں۔ کہیں نوکری دلائیے گا، چلوں؟

موٹے رام۔ اجی بہت نوکریاں ہیں۔ کہار تو آجکل ڈھونڈے نہیں ملتے۔

تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ تمہارے لیئے نوکری کی کون کمی ہے۔ ہے وہاں کوئی تازہ چیز؟ مجھ سے کہنے لگے کھچڑی بنائیگا یا بائی لگائے گا؟ میں نے کہدیا: سرکار، بڈھا آدمی ہے، رات کو اُسے میرا کھانا پکوانے میں تکلیف ہوگی، میں کچھ بازار ہی میں کھا لونگا۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ بولے "اچھی بات ہے۔ کہا۔ آپ کو دکان پر ملے گا"۔ بولو ساہ جی، کچھ تر مال ہے؟ لڈو تو تازے معلوم ہوتے ہیں۔ تول دو ایک سیر بھر۔ آجاؤں وہیں پر نہ؟

یہ کہہ کر موٹے رام جی حلوائی کی دکان پر جا بیٹھے اور لگے تر مال چکھنے۔ خوب چھک کر کھایا۔ ڈھائی تین سیر چٹ کر گئے۔ کھاتے جاتے تھے اور حلوائی کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ ساہ جی، تمہاری دکان کا جیسا نام سنا تھا ویسا ہی مال بھی پایا۔ بنارس والے ایسے رس گلے نہیں بناتے۔ قلاقند اچھی بناتے ہیں، پر تمہاری اُن سے بُری نہیں۔ مال ڈالنے سے اچھی چیز نہیں بن جاتی، ہُنر چاہیئے۔

حلوائی۔ کچھ اور لیجئے، مہاراج! تھوڑی سی ربڑی میری طرف سے لے لیجئے۔

موٹے رام۔ بھوک تو نہیں ہے لیکن دیدو پاؤ بھر۔

حلوائی۔ پاؤ بھر کیا لیجئے گا۔ چیز اچھی ہے، بھلا آدھ سیر تو لیجئے۔

خوب شکم سیر ہونے کے بعد پنڈت جی نے تھوڑی دیر بازار کی سیر کی اور نو بجتے بجتے مکان پر پہنچے یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایک لالٹین جل رہی تھی۔ آپنے بستر جمایا اور سو گئے۔

صبح اپنی عادت کے موافق کوئی آٹھ بجے اُٹھے۔ دیکھا کہ بابو صاحب ٹہل

رہے ہیں۔ اِنہیں جگا ہُوا دیکھ کر وہ پالاگن کر کے بولے۔ مہاراج آپ رات کو کہاں چلے گئے؟ میں بڑی رات تک آپ کی راہ دیکھتا رہا۔ کھانے کا سامان بڑی دیر تک رکھّا رہا۔ جب آپ نہ آئے تو رکھوا دیا گیا۔ آپ نے کچھ بھوجن کیا تھا یا نہیں؟

موٹے رام۔ حلوائی کی دُکان سے کچھ کھا آیا تھا۔

بھال چندر۔ اجی پُوری مٹھائی میں وہ مزہ کہاں جو باٹی اور دال میں ہے۔ دس بارہ آنے خرچ ہوئے ہونگے اور پھر بھی پیٹ نہ بھرا ہوگا۔ آپ میرے مہمان ہیں، جتنے پیسے لگے ہوں لے لیجئے گا۔

موٹے رام۔ آپ ہی کے حلوائی کی دُکان پر کھا آیا تھا، وہ جو نکڑ پر بیٹھا ہے۔

بھال چندر۔ کتنے پیسے دینے پڑے؟

موٹے رام۔ آپ کے حساب میں لکھدیئے ہیں۔

بھال چندر۔ جتنی مٹھائی لی ہو، مجھے بتا دیجئے ورنہ بعد کو بے ایمانی کرنے لگیگا۔ ایک ہی ٹھگ ہے۔

موٹے رام۔ کوئی ڈھائی سیر مٹھائی تھی اور آدھ سیر ربڑی۔

بابو صاحب نے تعجب آمیز نگاہوں سے پنڈت جی کو دیکھا گویا کوئی انوکھی بات سُنی ہو۔ تین سیر تو یہاں کبھی مہینہ بھر کا ٹوٹل بھی نہ ہوتا تھا اور یہ حضرت ایک ہی بار کوئی چار روپئے کا مال اُڑا گئے۔ اگر ایک آدھ روز اور رہ گئے تو دیوالہ ہی نکل جائیگا۔ پیٹ ہے یا شیطان کی قبر۔ تین سیر! کچھ ٹھکانا ہے۔ ایک پریشانی کی حالت میں دوڑے ہوئے اندر گئے اور رنگیلی سے بولے۔ کچھ سُنتی ہو، یہ حضرت

کل تین سیر مٹھائی اُڑا گئے۔ تین سیر پکی تول!

رنگیلی بائی نے متحیر ہو کر کہا۔ اجی نہیں، تین سیر بھلا کیا کھائے گا۔ آدمی ہے یا بیل؟

بھال چندر۔ تین سیر تو وہ اپنے مُنہ سے کہہ رہا ہے۔ چار سیر سے کم نہ کھایا ہوگا، پکی تول۔

رنگیلی۔ پیٹ میں سینچر ہے کیا؟

بھال چندر۔ آج اَور رہ گیا تو چھ سیر پر ہاتھ صاف کریگا۔

رنگیلی۔ تو آج رہے کیوں؟ خط کا جواب جو دینا ہو، دے کر رخصت کرو۔ اگر رہے تو صاف کہدینا کہ ہمارے یہاں مٹھائی مُفت نہیں آتی۔ کھچڑی بنانا ہو تو بنائیں ورنہ اپنی راہ لیں۔ جنہیں ایسے پیٹوؤں کو کھلانے سے مُکتی ملتی ہو وہ کھلائیں، ہمیں ایسی مُکتی نہ چاہیئے۔

مگر پنڈت جی رخصت ہونے کو تیار بیٹھے تھے اس لیئے بابو صاحب کو کسی چالاکی سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑی۔ پُوچھا۔ کیا تیاری کردی، مہاراج؟

موٹے رام۔ ہاں سرکار، اب چلونگا، نو بجے کی گاڑی ملے گی نہ؟

بھال چندر۔ بھلا آج تو اَور رہیئے۔

یہ کہتے کہتے بابو صاحب کو خوف ہُوا کہیں یہ مہاراج سچ مُچ ہی نہ رہجاویں اس لیئے اُس جُملہ کو یُوں پُورا کیا۔ ہاں، وہاں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہونگے۔

موٹے رام۔ ایک دو دن کی تو بات نہ تھی اَور ارادہ بھی یہی تھا کہ گومتی

میں اشنان کرونگا مگر بُرا نہ مانیئے تو کہوں۔ آپ لوگوں میں براہمنوں کی کچھ بھی بھگتی نہیں ہے۔ ہمارے ججمان ہیں جو ہمارا مُنہ جوہتے رہتے ہیں کہ پنڈت جی کوئی آگیا (حکم) دیں تو اُس کا پالن (تعمیل) کریں۔ ہم اُن کے دروازہ پر پہنچ جاتے ہیں تو وُہ اپنا دَھنیہ بھاگ مانتے ہیں اور سارا گھر مع چھوٹے بڑے ہماری خاطر کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جہاں اپنا آدر نہیں وہاں ایک چھن (لمحہ) بھی ہمیں ٹھہرنا ناگوار ہے۔ جہاں براہمن کا آدر نہیں وہاں کلیان نہیں ہوسکتا ؛

بھال چندر۔ مہاراج، ہم سے تو ایسا اَپرادھ (تصور) نہیں ہُوا ؛

موٹے رام۔ اَپرادھ نہیں ہُوا! اَور اپرادھ کیسے کہتے ہیں؟ ابھی آپ ہی نے گھر میں جا کر کہا کہ یہ حضرت تین سیر مٹھائی چٹ کر گئے۔ پکّی تول۔ آپ نے ابھی کھانے والے دیکھے کہاں؟ ایک بار کھلائیے تو آنکھیں کُھل جائیں۔ ایسے ایسے مہاں (بڑے) پُرش پڑے ہوئے ہیں جو پنسیری بھر مٹھائی کھا جائیں اَور ڈکار تک نہ لیں۔ ایک مٹھائی کھانے کے لیے ہماری خوشامد کی جاتی ہے، روپیے دیئے جاتے ہیں! ہم فقیر نہیں جو آپ کے دروازہ پر پڑے رہیں۔ آپ کا نام سُن کر آئے تھے، یہ نہ جانتے تھے کہ یہاں بھوجن کے بھی لالے پڑیں گے۔ جائیے، بھگوان آپ کا بھلا کریں!

بابو صاحب اِس قدر نادم ہُوئے کہ مُنہ سے بات نہ نکلی۔ زندگی میں اُنہیں کبھی ایسی لعنت مَلامت نہ کی گئی تھی۔ بہت باتیں بنائیں۔ "آپ کا ذکر نہ تھا۔ ایک دوسرے ہی شخص کی بات تھی" لیکن پنڈت جی کا غُصّہ فرو نہ ہُوا۔ وُہ

سب کچھ برداشت کرسکتے تھے مگر اپنے پیٹ کی مذمت نہیں۔ عورتوں کو صورت کی مذمت جتنی بُری لگتی ہے اُس سے کہیں زیادہ بُری مردوں کو اپنے پیٹ کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ بابو صاحب مناتے تو تھے مگر یہ کھٹکا بھی لگا ہوا تھا کہ یہ ٹھہر نہ جائیں۔ اُنکے بخل کا پردہ فاش ہوگیا تھا، اب اس میں کچھ شک نہ تھا۔ اُس پردہ کو ڈھانکنا ضروری تھا۔ اپنے بخل کی پردہ داری کے لیے اُنہوں نے کوئی بات اُٹھا نہ رکھی تھی مگر شُدنی ہوکر رہی؛ پچھتا رہے تھے کہ کہاں سے گھر میں اِس کی بات کہنے گیا اور کہا بھی تو بُلند آواز میں۔ یہ کمبخت بھی کان لگائے سُنتا رہا؛ مگر اب پچھتانے سے کیا ہوسکتا تھا؟ نہ جانے آج کِس منحوس کی شکل دیکھی تھی کہ یہ مصیبت پڑی۔ اگر اس وقت یہاں سے خفا ہوکر چلا گیا تو وہاں جاکر بدنام کریگا اور میرا سارا پردہ فاش ہوجائیگا اب تو اِس کا مُنہ بند کردینا ہی پڑے گا؛

یہ سوچتے ہُوئے گھر میں جاکر رنگیلی بائی سے بولے۔ اِس دُشٹ نے ہماری تمہاری باتیں سُن لیں، رُوٹھ کر چلا جارہا ہے ؛

رنگیلی۔ جب تم جانتے تھے کہ دروازہ پر کھڑا ہے تو آہستہ کیوں نہ بولے؟

بھال چندر۔ مصیبت آتی ہے تو اکیلے نہیں آتی۔ مَیں یہ کیا جانتا تھا کہ وُہ دروازہ پر کان لگائے کھڑا ہے ؛

رنگیلی۔ نہ جانے کِس کا مُنہ دیکھا تھا ؛

بھال چندر۔ وُہی دُشٹ سامنے لیٹ ہُوا تھا۔ جانتا تو اُدھر دیکھتا ہی نہ۔ اب تو اُسے کچھ دے دِلا کر راضی کرنا پڑیگا ؛

رنگیلی۔ اُونہہ، جانے بھی دو۔ جب تمہیں وہاں شادی ہی نہیں کرنی تو کیا پرواہ

ہے۔ جو چاہے سمجھے، جو چاہے، کہے ؛

بھال چندر۔ یُوں نہ جان بچے گی۔ لاؤ، دس روپے رُخصتانہ کے بہانے دیدو میں۔ ایشور پھر اس منحوس کی صُورت نہ دکھائے۔ زنگیلی نے بہت پچھتاتے ہُوئے دس روپے نکالے اور بابو صاحب نے لیجا کر پنڈت جی کے قدموں پر رکھدیئے۔ پنڈت جی نے دل میں کہا: "واہ رے تیرے مکھی چُوس کی! ایسا رگڑا کہ یاد ہی کروگے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ دس روپے دے کر اسے اُلّو بنا لونگا، اس بھیر میں نہ رہنا، یہاں تمہاری نس نس پہچانتے ہیں۔" روپے جیب میں رکھ لیئے اور آشِرواد (دعا) دے کر اپنی راہ لی ؛

(۴)

کلیانی کے لیئے اب ایک مُشکل سوال پیدا ہو گیا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد اُسے اپنی بُری حالت کا یہ پہلا اور تلخ تجربہ ہُوا۔ غریب بیوہ کے لیئے اس سے بڑھ کر اَور کونسی مصیبت ہو سکتی ہے کہ جوان لڑکی سر پر موجود ہو؟ لڑکے برہنہ پا پڑھنے جا سکتے ہیں، چوکا برتن بھی اپنے ہاتھ سے کیا جا سکتا ہے، جھونپڑے میں دن گذارے جا سکتے ہیں، مگر جوان لڑکی گھر میں نہیں بٹھائی جا سکتی۔ کلیانی کو بھال چندر پر ایسا غُصّہ آتا تھا کہ مَیں خود جا کر اُس کے مُنہ میں کالکھ لگاؤں، اُس کے سر کے بال نوچ ڈالوں۔ کہوں: "تو اپنی بات سے پھر گیا، تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں!" پنڈت موٹے رام نے اُن کی قلعی اچھی طرح کھول دی تھی ؛

وہ غُصّہ میں بھری بیٹھی تھی کہ کرشنا کھیلتی ہُوئی آئی اَور بولی۔ کے دن میں بارات آئیگی، امّاں؟ پنڈت جی تو آ گئے ؛

کلیانی۔ بارات کا سپنا دیکھ رہی ہے کیا؟

کرشنا۔ وہی چندر تو کہہ رہا ہے کہ دو تین دن میں بارات آئیگی۔ کیا نہ آئیگی اماں؟

کلیانی۔ ایک بار تو کہہ دیا، سر کیوں کھاتی ہے؟

کرشنا۔ سب کے گھر تو بارات آرہی ہے، ہمارے یہاں کیوں نہیں آتی؟

کلیانی۔ تیرے یہاں جو بارات لانے والا تھا اُس کے گھر میں آگ لگ گئی۔

کرشنا۔ سچ اماں؟ تب تو سارا گھر جل گیا ہوگا۔ کہاں رہتے ہونگے؟ بہن کہاں جاکر رہے گی؟

کلیانی۔ ارے پگلی، تو تو بات ہی نہیں سمجھتی۔ آگ نہیں لگی۔ وہ ہمارے یہاں بیاہ نہ کرے گا۔

کرشنا۔ یہ کیوں، اماں؟ پہلے تو وہاں ٹھیک ہو گیا تھا نہ؟

کلیانی۔ بہت سے روپے مانگتا ہے میرے پاس اُسے دینے کو روپئے نہیں ہیں۔

کرشنا۔ کیا بڑے لالچی ہیں، اماں؟

کلیانی۔ لالچی نہیں تو اور کیا ہیں۔ پورا قصائی، بے درد، دغاباز۔

کرشنا۔ تب تو اماں، بہت اچھا ہوا کہ اُس کے گھر بہن کا بیاہ نہیں ہوا۔ بہن اُن کے ساتھ کیسے رہتی؟ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے، اماں، تم رنج کیوں کرتی ہو؟

کلیانی نے لڑکی کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس کا کہنا کتنا سچ ہے۔ بھولے بھالے لفظوں میں سوال کا کتنا دل میں اثر کرنے والا جواب ہے؟ سچ مچ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے کہ ایسے بُرے لوگوں سے ناطہ نہیں ہوا، اسمیں رنج کی تو

کوئی بات نہیں۔ ایسے بُرے آدمیوں میں بیچاری نرملا کی نہ جانے کیا دُردشا ہوتی؟ اپنے بھاگ کو روتی؛ ذرا سا گھی دال میں زیادہ پڑ جاتا تو سارے گھر میں شور مچ جاتا۔ ذرا کھانا زیادہ پک جاتا تو ساس دُنیا سر پر اُٹھا لیتی۔ لڑکا بھی ایسا ہی لالچی ہے۔ بڑی اچھّی بات ہُوئی، ورنہ بیچاری کو تمام عُمر رونا پڑتا۔ کلیانی یہاں سے اُٹھی تو اُس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔

مگر شادی تو کرنی ہی تھی اور ممکن ہو تو اسی سال ورنہ دُوسرے سال تو پھر نئے سرے تیّاریاں کرنی پڑیں گی۔ ابتو اچھّے گھر کی ضرورت نہ تھی، اچھّے بر کی ضرورت نہ تھی۔ بدنصیب کو اچھّا گھر اور بر کہاں ملتا ہے؟ اب تو کسی طرح سر کا بوجھ اُتارنا تھا۔ کسی طرح لڑکی کو پار لگانا تھا، اُسے کنوئیں میں دھکیلنا تھا! وہ خوبصورت ہے، خوش خو ہے، ہوشیار ہے، معزّز ہے تو ہُوا کرے۔ جہیز نہیں تو اُس کے جُملہ اوصاف عیوب ہیں اور جہیز ہے تو جُملہ عیُوب اوصاف ہیں! اِنسان کی کوئی قدر نہیں، صرف جہیز کی قدر ہے! قسمت کا کتنا دِل ہلا دینے والا کھیل ہے!

کلیانی کا کچھ کم قصور نہ تھا۔ بیکس اور بیوہ ہونا ہی اُسے الزام سے بری نہیں کر سکتا۔ اُس کو اپنے لڑکے اپنی لڑکیوں سے کہیں زیادہ عزیز تھے۔ لڑکے ہل کے بیل ہیں، بھُوسہ کھلی پر پہلا حق اُن کا ہے۔ پھر اُن کے کھانے سے جو بچ رہے وہ گایوں کا! مکان تھا، کچھ نقد تھا، کئی ہزار کے گہنے تھے، مگر اُسے ابھی دو لڑکوں کی پرورش کرنی تھی، اُنہیں پڑھانا لکھانا تھا۔ ایک لڑکی اور بھی چار یا پانچ سال میں بیاہ کے لائق ہو جاوے گی۔ اس لیئے وہ کوئی بڑی رقم جہیز میں نہ دے سکتی تھی۔ آخر لڑکوں کو بھی تو کچھ چاہیئے، وہ کیا سمجھیں گے کہ

ہمارا بھی کوئی باپ تھا۔

پنڈت موٹے رام کو لکھنؤ سے لوٹے پندرہ روز گذر چکے تھے۔ لوٹنے کے بعد وہ دوسرے ہی روز سے لڑکے کی کھوج میں نکلے تھے۔ اُنہوں نے عہد کر لیا تھا کہ میں اِن لکھنؤ والوں کو دکھا دونگا کہ دُنیا میں تمہیں اکیلے نہیں ہو، بلکہ تمہارے جیسے بہت پڑے ہوئے ہیں۔ کلیانی روز دِن گنا کرتی تھی، آج اُس نے اُن کو خط لکھنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ قلم دوات لے کر بیٹھی ہی تھی کہ پنڈت موٹے رام نے قدم رنجہ فرمایا۔

کلیانی۔ آئیے پنڈت جی، میں تو آپ کو خط لکھنے جا رہی تھی۔ کب لوٹے؟

موٹے رام۔ لوٹا تو بڑے سویرے ہی تھا مگر اُسی وقت ایک سیٹھ کے یہاں سے بلاوا آ گیا۔ کئی روز سے تر مال نہ ملا تھا، میں نے کہا کہ لگے ہاتھ اِس کام کو بھی نپٹاتا چلوں۔ ابھی وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ کوئی پانچسو براہمنوں کا بھوجن تھا۔

کلیانی۔ کچھ کام بھی ٹھیک ہوا یا راستہ ہی ناپنا پڑا؟

موٹے رام۔ کام کیوں نہ ٹھیک ہوتا، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟ پانچ جگہ بات چیت کر آیا ہوں۔ پانچوں کی نقل لایا ہوں۔ اُس میں سے جسے آپ چاہیں، پسند کر لیں۔ یہ دیکھئے، اِس لڑکے کا باپ ڈاک کے محکمہ میں سو روپیہ ماہوار کا مُلازم ہے۔ لڑکا ابھی کالج میں پڑھ رہا ہے۔ مگر نوکری ہی کا بھروسہ ہے۔ گھر میں کوئی جائیداد نہیں۔ لڑکا ہونہار معلوم ہوتا ہے، خاندان بھی اچھا ہے۔ دو ہزار میں بات طے ہو جائیگی، مانگتے تو وہ تین ہزار ہیں۔

کلیانی ۔ لڑکے کے اور بھی بھائی ہیں ؟
موٹے رام ۔ نہیں، مگر تین بہنیں ہیں اور تینوں کنواری ۔ ماں زندہ ہیں ۔ اچھا، اب دوسری نقل دیکھیئے ۔ یہ لڑکا ریل کے محکمہ میں پچاس روپیہ ماہوار پاتا ہے ۔ ماں باپ نہیں ہیں ۔ نہایت خوبصورت، بہت اچھے سوبھاو والا، خوب مضبوط بدن کا کسرتی جوان ہے ۔ مگر خاندان اچھا نہیں، کوئی کہتا ہے ماں نائن تھی کوئی کہتا ہے ٹھکرائن تھی ۔ باپ کسی ریاست میں مختار رہتے ۔ گھر پر کچھ زمینداری ہے مگر اُس پر کئی ہزار کا قرضہ ہے ۔ یہاں کچھ لینا دینا نہ پڑیگا ۔ عمر کوئی بیس سال ہوگی ؛
کلیانی ۔ خاندان میں داغ نہ ہوتا تو منظور کر لیتی ۔ دیکھ کر تو مکھی نہیں نگلی جاتی ؛
موٹے رام ۔ تیسری نقل دیکھیئے ۔ ایک زمیندار کا لڑکا ہے ۔ کوئی ایک ہزار سالانہ منافعہ ہے ۔ کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے ۔ لڑکا پڑھا لکھا تو تھوڑا ہی ہے مگر کچہری عدالت کے کام میں ہوشیار ہے ۔ دوسرا بیاہ ہوگا ۔ پہلی عورت کو مرے دو سال ہوئے، اُس سے کوئی اولاد نہیں ہے ۔ لیکن رہن سہن (طرز معاشرت) موٹا ہے ۔ پسنا کوٹنا گھر ہی میں ہوتا ہے ؛
کلیانی ۔ کچھ جہیز بھی مانگتے ہیں ؟
موٹے رام ۔ اِس کی کچھ نہ پوچھیئے، چار ہزار سناتے ہیں ۔ اچھا، یہ چوتھی نقل دیکھیئے ۔ لڑکا وکیل ہے، عمر کوئی پینتیس سال ہوگی ۔ تین چار سو کی آمدنی ہے ۔ پہلی عورت مر چکی ہے، اُس سے تین لڑکے بھی ہیں ۔ اپنا گھر بنوایا ہے، کچھ جائیداد بھی خریدی ہے ۔ یہاں بھی لینے دینے کا جھگڑا نہیں ہے ؛

کلیانی - خاندان کیسا ہے ؟

موٹے رام - بہت ہی اچھا، پرانے رئیس ہیں۔ اچھا، یہ پانچویں نقل دیکھیے۔ باپ کا چھاپہ خانہ ہے لڑکا پڑھا تو بی اے تک ہے مگر اُسی چھاپہ خانہ میں کام کرتا ہے۔ عمر اٹھارہ سال ہوگی۔ گھر میں چھاپہ خانہ کے سوائے کوئی جائیداد نہیں ہے۔ مگر قرضہ کسی کا سر پہ نہیں۔ خاندان نہ بہت اچھا ہے نہ بُرا۔ لڑکا بہت خوبصورت اور اچھے چال چلن کا ہے۔ مگر ایک ہزار سے کم پر معاملہ طے نہ ہوگا" مانگتے تو وُہ تین ہزار ہیں۔ اب بتائیے، آپ کو کونسا بر پسند کرتی ہیں ؟

کلیانی - آپ کو سب میں کون پسند ہے ؟

موٹے رام - مجھے تو دو بر پسند ہیں۔ ایک وُہ جو ریلوے میں ہے اور دُوسرا یہ جو چھاپہ خانہ میں کام کرتا ہے ؛

کلیانی - مگر پہلے کے تو خاندان میں آپ عیب بتلاتے ہیں ؛

موٹے رام - ہاں یہ بات تو ہے، تو پھر چھاپہ خانہ والے ہی کو رہنے دیجئے ؛

کلیانی - یہاں ایک ہزار دینے کو کہاں سے آئیگا ؟ ایک ہزار تو آپ کا اندازہ ہے۔ شاید وُہ اور بھی مُنہ پھیلائے۔ آپ تو گھر کی حالت دیکھ ہی رہے ہیں، کھانا ملتا جاتے یہی غنیمت ہے۔ روپئے کہاں سے آئینگے ؟ زمیندار صاحب چار ہزار سُناتے ہیں، ڈاک بابو بھی دو ہزار کا سوال کرتے ہیں۔ ان کو جانے دیجئے۔ بس وکیل صاحب ہی بچ رہتے ہیں، پینتیس سال کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں۔ انہیں کو کیوں نہ رکھئے ؟

موٹے رام - آپ خوب سوچ بچار لیں، میں تو آپ کی مرضی کا تابعدار ہوں۔

جہاں کہئے گا وہاں ٹیکہ کر آؤنگا مگر ہزار ڈیڑھ ہزار کا منہ نہ دیکھئے۔ چھاپہ خانہ والا لڑکا بیرا ہے، اُس کے ساتھ لڑکی کی زندگی سپھل ہو جائے گی۔ جیسے یہ رُوپ اور گُن کی پُوری ہے ویسا ہی لڑکا بھی سُندر اور سوشیل ہے۔

کلیانی۔ پسند تو مجھے بھی یہی ہے مہاراج، مگر روپئے کس کے گھر سے لاؤں؟ کون دینے والا ہے؟ ہے کوئی ایسا دانی؟ کھانے والے تو کھاپی کر چلدیئے۔ اب کسی کی صُورت بھی نہیں دکھائی دیتی بلکہ اور مجھے بُرا مانتے ہیں کہ ہمیں نکالدیا۔ جو بات اپنے بس کے باہر ہے اُس کے لیئے ہاتھ ہی کیوں پھیلاؤں؟ اولاد کس کو پیاری نہیں ہوتی؟ کون اُسے سُکھی نہیں دیکھنا چاہتا؟ پر جب اپنا کوئی بس بھی ہو۔ آپ ایشور کا نام لے کر وکیل صاحب کو ٹیکہ کر آیئے، عمر کچھ زیادہ ہے۔ مگر مرنا جینا ایشور کے ہاتھ ہے۔ پینتیس سال کا آدمی بُڈھا نہیں کہلاتا۔ اگر لڑکی کے نصیب میں سُکھ بھوگنا بدا ہے تو جہاں جائیگی سُکھی رہے گی۔ اور دُکھ بھوگنا ہے تو جہاں جائے گی، دُکھ ہی جھیلے گی۔ ہماری نرملا کو بچوں سے محبت ہے، اُنکے بچوں کو اپنا سمجھے گی۔ آپ اچھی ساعت دیکھ کر ٹیکہ کر آئیں۔

(۵)

نرملا کا بیاہ ہوگیا، خسرال آگئی۔ وکیل صاحب کا نام تھا منشی طوطا رام، سانولے رنگ کے موٹے تازے آدمی تھے۔ عمر تو ابھی چالیس سال سے زیادہ نہ تھی مگر وکالت کی سخت محنت نے سر کے بال سفید کر دیئے تھے۔ ورزش کرنے کی انہیں فرصت نہ تھی، یہاں تک کہ کبھی کہیں گھومنے بھی نہ جاتے تھے۔ اس لیئے پیٹ بڑھ گیا تھا۔ بدن کے فربہ ہونے پر بھی آئے دن کوئی نہ کوئی شکایت

بنی رہتی۔ بدھمی اور بوا سیر سے تو اُن کی مستقل رفاقت تھی۔ پس بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ اُن کے تین لڑکے تھے۔ بڑا منسا رام سولہ سال کا تھا۔ منجھلا جیا رام بارہ سال کا اور چھوٹا سیا رام سات سال کا۔ تینوں انگریزی پڑھتے تھے۔ گھر میں وکیل صاحب کی بیوہ بہن کے سوا کوئی عورت نہ تھی۔ وہی گھر کی مالکہ تھی۔ اُس کا نام تھا رُکمنی اور اُس کی عمر پچاس سال سے زائد تھی۔ خسرال میں کوئی نہ تھا، مستقل طور پر یہیں رہتی تھی۔

طوطا رام علم از دواج سے خوب واقف تھے۔ نرملا کو خوش کرنے کے لئے اُن میں جو قدرتی کمی تھی اُسے وہ تحفہ جات سے پوری کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ نہایت کفایت شعار آدمی تھے مگر نرملا کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ روز لایا کرتے۔ موقع پر روپیہ کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ خود کبھی ناشتہ نہ کرتے تھے، لڑکوں کے لیے تھوڑا تھوڑا دودھ آتا تھا مگر نرملا کے لیے میوے، مربے، مٹھائیاں، کسی کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی سیر تماشہ کے لیے نہ گئے تھے مگر تعطیل میں نرملا کو سینما، سرکس، تھیٹر دکھلانے لے جاتے۔ اپنے بیش قیمت وقت کا تھوڑا سا حصہ اُس کے ساتھ بیٹھ کر گراموفون بجانے میں بھی گزارتے۔

لیکن نرملا کو نہ جانے کیوں، طوطا رام کے پاس بیٹھنے اور اُن سے ہنسنے بولنے میں تامل ہوتا تھا۔ اس کا شاید یہ سبب تھا کہ اب تک اسی قسم کا ایک شخص اُس کا باپ تھا جس کے سامنے وہ سر جھکا کر اور بدن چھپا کر نکلتی تھی۔ اب اُسی عمر کا ایک شخص اُس کا شوہر تھا۔ وہ اُسے محبت کی چیز نہیں، عزت کی چیز سمجھتی تھی۔ اُن سے بھاگتی پھرتی، اُن کو دیکھتے ہی اُس کی خوشی کافور ہو جاتی تھی۔

وکیل صاحب کو، اُن کے علمِ ازدواج نے سکھلایا تھا کہ نوجوان عورت سے خوب محبت بھری باتیں کرنی چاہئیں، اُس کے سامنے دِل نکال کر رکھدینا چاہیئے۔ یہی اُس کی تسخیر کا خاص منتر ہے۔ پس وکیل صاحب اپنے اظہارِ محبت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے مگر نرملا کو اِن باتوں سے نفرت ہوتی تھی۔ وہی باتیں جنہیں کسی نوجوان کے مُنہ سے سُن کر اُس کا دل نشۂ محبت سے سرشار ہو جاتا، جب وکیل صاحب کے مُنہ سے نکلتی تھیں تو اُس کے دل میں تیر سی جا کر لگتی تھیں۔ اُن میں مزہ نہ تھا، لُطف نہ تھا، نشہ نہ تھا، دِل نہ تھا۔ بلکہ تصنّع تھا، فریب تھا، اور رُوکھا پھیکا لفظی تلازمہ! اُسے عطر و روغن بُرے نہ لگتے، سیر و تماشے بُرے نہ لگتے۔ بناؤ سنگار کرنا بھی بُرا نہ لگتا، البتّہ اُسے بُرا لگتا تھا صرف طوطا رام کے پاس بیٹھنا! وہ اپنا حُسن و شباب اُنہیں نہ دکھانا چاہتی تھی کیونکہ وہاں دیکھنے والی آنکھیں نہ تھیں، وہ اُنہیں ان نعمتوں سے لذّت اندوز ہونے کے قابل ہی نہ سمجھتی تھی! غنچہ نسیم ہی کے مَس سے شگفتہ ہوتا ہے، دونوں میں یکساں تازگی ہے۔ نرملا کے لیئے وہ نسیمِ سحری کہاں تھی؟

پہلا مہینہ گزرتے ہی طوطا رام نے نرملا کو اپنا خزانچی بنا لیا۔ کچہری سے آکر دن بھر کی کمائی اُسے دیدیتے۔ اُن کا خیال تھا کہ نرملا اِن روپیوں کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائیگی۔ نرملا بڑے شوق سے اِس عہدہ کا کام انجام دیتی۔ ایک ایک پیسہ کا حساب لکھتی۔ اگر کبھی روپئے کم مِلتے تو پُوچھتی کہ آج کم کیوں ہیں۔ امورِ خانہ داری کے متعلق اُن سے خوب باتیں کرتی، انہی باتوں کے لایق وہ

اُن کو سمجھتی تھی۔ جوں ہی کوئی تفتین آمیز کلمہ اُن کی زبان سے نکل جاتا، اُس کا چہرہ اُداس ہو جاتا تھا۔

نرملا جب گہنے کپڑوں سے اپنا سنگار کر کے آئینہ کے سامنے کھڑی ہوتی اور اُس میں اپنے حُسن روح افزا کا عکس دیکھتی تو اُس کا دل ایک حسرت بھری اُمنگ سے بیقرار ہو جاتا تھا۔ اُس وقت اُس کے سینہ میں آگ سی جل اُٹھتی تھی۔ جی میں آتا کہ اِس گھر کو آگ لگا دُوں۔ ماں پر غُصّہ آتا، باپ پر غُصّہ آتا، اپنی قسمت پر غُصّہ آتا اور سب سے زیادہ غُصّہ آتا بیچارے بے قصور طوطا رام پر! وُہ ہمیشہ اِسی کوفت میں مبتلا رہتی۔ بانکا سوار بُوڑھے لدّو ٹٹو پر سوار ہونا کب پسند کریگا، خواہ اُسے پیدل ہی کیوں نہ چلنا پڑے؟ نرملا کی حالت اُسی بانکے سوار کی سی تھی۔ وُہ اُس پر سوار ہو کر اُڑنا چاہتی تھی، اُس کی مُسرت خیز برق رفتاری کا لُطف اُٹھانا چاہتی تھی، اُسے ٹٹو کے ہنہنانے اور کنوتیاں کھڑی کرنے سے کیا اُمید ہوتی؟ ممکن تھا کہ بچّوں کے ساتھ ہنس کھیل کر وُہ ذرا دیر کے لئے اپنی حالت کو بھول جاتی، دِل کچھ ہرا ہو جاتا مگر رُکمنی دیوی بچّوں کو اُس کے پاس پھٹکنے بھی نہ دیتی تھیں گویا وُہ کوئی ڈائن ہے جو اُنہیں کھا جائے گی۔ رُکمنی کا مزاج ساری دُنیا سے نرالا تھا۔ یہ پتہ لگانا مُشکل تھا کہ وُہ کس بات سے خوش ہوتی تھیں اور کس بات سے ناراض۔ ایک بار جس بات سے خوش ہو جاتی تھیں، دُوسری بار اُسی بات سے ناراض ہوتی تھیں۔ اگر نرملا اپنے کمرہ میں بیٹھی رہتی تو کہتیں کہ نہ جانے کہاں کی منحوس ہے۔ اگر وُہ کوٹھے پر جاتی یا مہریوں سے باتیں کرتی تو سینہ کوبی کرنے لگتیں۔ لاج ہے نہ شرم، نگوڑی نے حیا بھون کھائی ہے۔ اب کیا؟ کچھ

دنوں میں بازار بازار ناچے گی۔ جب سے وکیل صاحب نے نرملا کے ہاتھ میں روپئے پیسے دینے شروع کئے، رُکمنی اُس کی نکتہ چینی پر آمادہ ہوگئی تھیں۔ اُسے معلوم ہوتا تھا کہ اب قیامت ہونے میں بہت تھوڑی کسر رہ گئی ہے۔ لڑکوں کو بار بار پیسہ کی ضرورت پڑتی۔ جب تک خود مالک تھی، اُنہیں بہلا دیا کرتی تھی۔ اب اُن کو سیدھے نرملا کے پاس بھیج دیتی۔ نرملا کو لڑکوں کا چٹورا پن اچھا نہ لگتا تھا۔ کبھی کبھی پیسے دینے سے انکار کر دیتی۔ رُکمنی کو اپنے لفظی تیر سر کرنے کا موقع مل جاتا، اب تو مالکن ہوئی ہیں، لڑکے کا ہیکو جیئنگے، بِلا ماں کے بچّوں کو کون پُوچھے؟ روپیوں کی مٹھائیاں کھا جاتے تھے، اب دھیلے دھیلے کو ترستے ہیں! نرملا اگر چڑ کر کسی دن بِلا پُوچھے پیسے دیدیتی تو دیوی جی اُس کی اور ہی طرح نکتہ چینی کرتیں، انہیں کیا؟ لڑکے مریں یا جئیں، ان کی بلا سے! ماں کے بغیر کون سمجھا دے کہ بیٹا، بہت مٹھائی مت کھاؤ؟ آئی گئی تو میرے سر جاوے گی اُنہیں کیا؟ یہیں تک ہوتا تو شاید نرملا ضبط کر لیتی مگر دیوی جی خُفیہ پولیس کے سپاہی کی طرح نرملا کا پیچھا کرتی رہتی تھیں۔ اگر وہ کوٹھے پر کھڑی ہے تو ضرور کسی پر نظر دوڑا رہی ہوگی، مہری سے بات کرتی ہے تو ضرور ہی اُن کی بُرائی کرتی ہوگی۔ بازار سے کچھ منگواتی ہے تو ضرور کوئی شوق کی چیز ہوگی۔ وہ برابر اُس کے خطوط کو پڑھنے کی کوشش کیا کرتیں، چھپ چھپ کر اُس کی باتیں سُنا کرتیں۔ نرملا اُن کی دو دھار والی تلوار سے کانپتی رہتی، یہاں تک کہ ایک روز اُس نے شوہر سے کہا۔ آپ ذرا جی جی کو سمجھا دیں، کیوں میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں؟

طوطا رام نے تیز لہجہ میں کہا۔ کیا تمہیں کچھ کہا ہے؟

"روز ہی کہتی ہیں۔ بات منہ سے نکلنی مشکل ہے، اگر انہیں اس بات کی جلن ہو کہ یہ مالکہ کیوں بنی ہوئی ہے تو آپ انہیں کورے پیسے دیجئے، مجھے نہ چاہئیں۔ وہی مالکہ بنی رہیں۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے طعنے نہ دیا کرے"۔

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ طوطا رام کو اپنی محبت ظاہر کرنے کا یہ نہایت اچھا موقع ملا، بولے۔ میں آج ہی ان کی خبر لونگا۔ صاف کہہ دونگا کہ اگر منہ بند کر کے رہنا ہے تو رہو ورنہ اپنی راہ لو۔ اس گھر کی مالکہ وہ نہیں ہیں، تم ہو۔ وہ محض تمہیں مدد دینے کے لیئے ہیں۔ اگر مدد کرنے کی بجائے تمہیں دق کرتی ہیں تو ان کے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ بدھوا ہیں، اناتھ ہیں، پاؤ بھر آٹا کھائیں گی اور پڑی رہیں گی۔ جب اور دو کر چاکر کھا رہے ہیں تو یہ تو اپنی بہن ہی ہیں۔ لڑکوں کی دیکھ بھال کے لیئے ایک عورت کی ضرورت بھی تھی، رکھ لیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ تمہارے اوپر حکومت کریں۔

نرملا نے پھر کہا۔ لڑکوں کو سکھا دیتی ہیں، کہ جا کر ماں سے پیسے مانگو، کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ لڑکے آ کر میری جان کھاتے ہیں۔ گھڑی بھر لیٹنا مشکل ہو جاتا ہے ڈانٹتی ہوں تو وہ آنکھیں لال پیلی کر کے دوڑتی ہیں۔ مجھے سمجھتی ہیں کہ یہ لڑکوں کو دیکھ نہیں سکتی۔ ایشور جانتا ہے کہ میں بچوں کو کتنا چاہتی ہوں۔ آخر میرے ہی بچے تو ہیں، مجھے ان سے کیوں جلن ہونے لگی۔

طوطا رام غصّہ سے کانپ اُٹھے، بولے۔ تمہیں جو لڑکا دِق کرے اُسے پیٹ دیا کرو۔ مَیں بھی دیکھتا ہُوں کہ لڑکے شریر ہو گئے ہیں۔ منسا رام کو تو مَیں بورڈنگ ہاؤس میں بھیج دُونگا۔ باقی دونوں کو آج ہی ٹھیک کئے دیتا ہُوں ؛

اُس وقت طوطا رام کچہری جا رہے تھے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا موقع نہ تھا۔ لیکن کچہری سے واپس آتے ہی اُنہوں نے گھر میں جا کر رُکمنی سے کہا۔ کیوں بہن، تمہیں اِس گھر میں رہنا ہے یا نہیں؟ اگر رہنا ہے تو سیدھی طرح رہو، یہ کیا کہ دُوسروں کا رہنا مشکل کر دو ؛

رُکمنی سمجھ گئی کہ بہو نے اپنا وار کیا مگر وُہ دبنے والی عورت نہ تھی۔ ایک تو عُمر میں بڑی، اُس پر اِسی گھر کی خدمت میں زندگی گُذار دی تھی، کِس کی مجال تھی کہ اُنہیں بے دخل کر دے؟ اُنہیں بھائی کی اِس کم ظرفی پر تعجّب ہُوا۔ بولی تو کیا لونڈی بنا کر رکھو گے؟ لونڈی بن کر رہنا ہے تو اِس گھر کی لونڈی نہ بنونگی اگر تمہاری یہ مرضی ہو کہ گھر میں کوئی آگ لگا دے اور مَیں کھڑی دیکھا کروں، کِسی کو بے راہ چلتے دیکھوں تو چُپ سادھ لُوں، جو جِس کے دل میں آئے کرے اور مَیں مٹّی کی مُورت بنی بیٹھی رہُوں تو یہ سب مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ ہُوا کیا جو تم آج اتنا آپے سے باہر ہو رہے ہیں؟ نِکل گئی ساری عقلمندی، کل کی چھوکری چوٹی پکڑ کر نچانے لگی! کچھ پُوچھنا نہ گچھنا، بس اُس نے تار کھینچا اور تم کاٹھ کے سپاہی کی طرح تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے ؛

طوطا رام۔ سُنتا تو ہُوں کہ تم ہمیشہ عیب نکالتی رہتی ہو، بات بات پر طعنے دیتی ہو۔ اگر کچھ سیکھ دینی ہو تو اُسے پیار سے ملائم لفظوں میں دینی چاہیئے۔

طعنے سے نصیحت ملنے کی بجائے اور اُلٹا جی جلنے لگتا ہے ؛

رُکمنی۔ تو تمہاری یہی مرضی ہے کہ کسی بات میں نہ بولوں۔ یہی سہی۔ لیکن پھر یہ نہ کہنا کہ تم تو گھر میں بیٹھی تھیں، کیوں نہیں صلاح دی؟ جب میری باتیں زہر معلوم ہوتی ہیں تو مجھے کیا کُتّے نے کاٹا ہے کہ بولوں؟ مثل ہے "ناٹوں کھیتی، بہریوں گھر" میں بھی دیکھوں، بہو دیا کیسے گھر چلاتی ہے؟

اتنے میں سیارام اور جیارام اسکول سے آ گئے۔ آتے ہی آتے دونوں بُوا کے پاس جا کر کھانا مانگنے لگے۔ رُکمنی نے کہا۔ جا کر اپنی نئی اماں سے کیوں نہیں مانگتے؟ مجھے بولنے کا حکم نہیں ہے ؛

طوطا رام۔ اگر تم لوگوں نے اُس مکان میں قدم رکھا تو ٹانگ توڑ دونگا۔ بدمعاشی پر کمر باندھی ہے ؛

جیارام ذرا شوخ تھا، بولا۔ اُن کو تو آپ کچھ نہیں کہتے، ہمیں کو دھمکاتے ہیں۔ کبھی پیسے نہیں دیتیں ؛

سیارام نے اس کی تائید کی۔ کہتی ہیں کہ مجھے دِق کرو گے تو کان کاٹ لونگی۔ کہتی ہیں کہ نہیں جیا؟

نرملا اپنے کمرہ سے بولی۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارے کان کاٹ لونگی؟ ابھی سے جھوٹ بولنے لگے؟

اتنا سُننا تھا کہ طوطا رام نے سیارام کے دونوں کان پکڑ کر اُس کو اُٹھا لیا لڑکا زور کی چیخ مار کر رو پڑا ؛

رُکمنی نے دوڑ کر بچّہ کو منشی جی کے ہاتھ سے چھُڑا لیا اور بولیں۔

بس رہنے بھی دو، کیا بچہ کو مار ہی ڈالو گے؟ ہائے ہائے، کان لال ہو گیا! سچ کہا ہے، نئی بیوی پاکر آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ ابھی سے یہ حال ہے تو آگے اس گھر کے بھگوان ہی مالک ہیں؟

نرملا اپنی فتح پر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ لیکن جب منشی جی نے بچہ کا کان پکڑ کر اٹھا لیا تو اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ چھڑانے کو دوڑی۔ مگر رکمنی پہلے ہی پہنچ گئی تھی، بولی۔ پہلے آگ لگا دی، اب بجھانے دوڑی ہو! جب اپنے لڑکے ہوں گے تب آنکھیں کھلیں گی، پرایا درد کیا جانو؟

نرملا۔ کھڑے تو ہیں، پوچھ لو نہ کہ میں نے کیا آگ لگا دی۔ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ لڑکے مجھے پیسوں کے لیے بار بار دق کرتے ہیں۔ اس کے سوا جو میرے منہ سے کچھ اور نکلا ہو تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں؟

طوطا رام۔ میں خود ان لونڈوں کی شرارت دیکھا کرتا ہوں، اندھا تھوڑا ہی ہوں۔ تینوں ضدی اور شریر ہو گئے ہیں۔ بڑے میاں کو تو میں آج ہی ہوسٹل بھیجتا ہوں؟

رکمنی۔ اب تک تو تمہیں ان کی کوئی شرارت نہ سوجھتی تھی، آج آنکھیں کیوں اتنی تیز ہو گئیں؟

طوطا رام۔ تمہیں نے ان کو اتنا شوخ کر رکھا ہے؟

رکمنی۔ تو میں ہی بس کی گانٹھ ہوں۔ میرے ہی کارن تمہارا گھر چوپٹ ہو رہا ہے۔ لو میں جاتی ہوں، تمہارے لڑکے ہیں۔ مارو چاہے کاٹو، میں کچھ نہ بولوں گی؟

یہ کہکر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔ نرملا بچہ کو روتا دیکھ کر بیتاب ہو گئی۔ اُس نے اُس کو سینہ سے لگا لیا اور گود میں لیئے ہوئے اپنے کمرہ میں لاکر اُسے چمکارنے لگی۔ لیکن بچہ اور بھی سسک سسک کر رونے لگا۔ اُس کا معصوم دل اس پیار میں وُہ مامتا نہ پاتا تھا جس سے ایشور نے اُس کو محروم کر دیا تھا۔ یہ پیار تھا، صرف رحم تھا۔ یہ وُہ چیز تھی جس پر اُس کا کوئی حق نہ تھا، جو صرف خیرات کی صورت میں اُسے دی جا رہی تھی۔ باپ کے پہلے بھی دو ایک بار مارا تھا، جب اُس کی ماں زندہ تھی۔ لیکن تب اُس کی ماں اُسے سینہ سے لگا کر روتی نہ تھی۔ وُہ ناخوش ہو کر اُس سے بولنا ترک کر دیتی، یہاں تک کہ وُہ خود ذرا ہی دیر بعد سب کچھ بھول کر پھر ماں کے پاس دوڑا جاتا تھا۔ شرارت کے لیئے سزا پانا تو اُس کی سمجھ میں آتا تھا لیکن مار کھانے پر چمکارا جانا اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ماں کے پیار میں سختی ہوتی تھی مگر نرمی ملی ہوئی۔ اس پیار میں رحم تھا مگر وُہ سختی نہ تھی جو یگا لگت کا خفیہ پیغام ہے۔ تندرست عضو کی پرواہ کون کرتا ہے؟ لیکن وُہی عضو جب درد سے پھکنے لگتا ہے تو اُسے ٹھیس اور دھکے سے بچانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ نرملا کا رحم آمیز رونا بچہ کو اُس کے بے کس ہونے کی خبر دے رہا تھا۔ وُہ بڑی دیر نرملا کی گود میں بیٹھا روتا رہا اور روتے روتے سو گیا۔ نرملا نے اُسے چارپائی پر سُلانا چاہا تو بچہ نے سوتے ہوئے اپنے دونوں نازک ہاتھ اُس کی گردن میں ڈالدیئے اور اُس سے ایسا لپٹ گیا گویا نیچے کوئی گڑھا ہو۔ اُس کے چہرہ پر خوف و اندیشہ کے نشان ظاہر ہو گئے نرملا نے پھر بچہ کو گودی میں اُٹھا لیا، چارپائی پر نہ سُلا سکی۔ اسوقت بچہ کو گودی

میں بیٹے ہوئے اُسے وہ اطمینان قلبی ہو رہا تھا جو ابھی تک کبھی نہ ہوا تھا۔ آج اوّل مرتبہ اُس کو اُس دِلی قدر کا احساس ہوا جس کے بغیر آنکھیں نہیں کھلتیں، اپنے فرض کا راستہ نہیں سُجھائی دیتا۔ یہ راستہ اب دکھائی دینے لگا ؏

(٦)

اُس دن اپنی گہری محبّت کا زبردست ثبوت دینے کے بعد منشی طوطا رام کو اُمید ہوئی تھی کہ نرملا کے دل پر میرا سکّہ جم گیا۔ لیکن اُس کی یہ اُمید ذرا بھی پوری نہ ہوئی بلکہ پہلے تو وُہ کبھی کبھی اُن سے ہنس کر بولا بھی کرتی تھی اب بچّوں ہی کی پرورش و پرداخت میں مصروف رہنے لگی۔ جب گھر میں جاتے تو بچّوں کو اُس کے پاس بیٹھا پاتے کبھی دیکھتے کہ اُنہیں کھلا رہی ہے۔ کبھی کپڑے پہنا رہی ہے، کبھی کوئی کھیل کھیل رہی ہے اور کبھی کوئی کہانی سُنا رہی ہے۔ نرملا کا آرزومند دِل اب محبّت سے مایوس ہو کر اسی سہارے کو غنیمت سمجھنے لگا۔ بچّوں کیساتھ ہنسنے بولنے میں اُس کی خیالی ماتا کو آسودگی ہوتی تھی۔ شوہر کے ساتھ ہنستے بولتے اُسے جو تامل، جو نفرت اور جو ناپسندیدگی ہوتی تھی یہانتک کہ وُہ اُٹھ کر بھاگ جانا چاہتی، اُس کے بجائے یہاں بچّوں کی سچّی سادہ محبّت سے دل مسرور ہو جاتا تھا۔ پہلے منسا رام اُس کے پاس جاتے ہوئے جھجکتا تھا مگر اب وُہ بھی کبھی کبھی جا بیٹھتا۔ یہ نرملا کا ہمسن تھا لیکن باطنی ترقی میں پانچ سال چھوٹا ہاکی اور فٹ بال ہی اُس کی دُنیا، اُس کے تخیّل کا وسیع میدان اور اس کی تمنّاؤں کا ہرا بھرا باغ تھا۔ اکہرے بدن کا چھریرا، شکیل، ہنس مکھ اور حیا دار لڑکا تھا جس کا گھر سے صِرف کھانے کا تعلق تھا، باقی تمام دن نہ جانے کہاں

گھومتا رہتا۔ نرملا اُس کی زبان سے کھیل کی باتیں سُن کر ذرا دیر کے لیئے اپنے تفکرات بھول جاتی اَور چاہتی کہ ایک بار پھر وُہی دِن آجائے جب وُہ گڑیاں کھیلتی اَور اُن کا بیاہ رچایا کرتی تھی اَور جس کے ابھی تھوڑے، آہ، بہت تھوڑے دن گُزرے تھے ؎

مُنشی طوطا رام دیگر تنہائی پسند انسانوں کی طرح نفس پرست اِنسان تھے کچھ روز تو وُہ نرملا کو سبز تماشے دکھاتے رہے لیکن جب دیکھا کہ اِن باتوں کا کچھ نتیجہ نہیں ہوتا تو اُنہوں نے گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ دِن بھر کی سخت دماغی محنت کے بعد اُن کا دل تفریح کے لیئے بیقرار ہو جاتا لیکن جب اَپنے تفریح خیز باغ میں داخل ہوتے اَور اُس کے پھُولوں کو مُرجھایا، پَودوں کو سُوکھا اَور کیاریوں میں خاک اُڑتی ہوئی دیکھتے تو اُن کے دِل میں آتا کہ کیوں نہ اِس باغ کو اُجاڑ دُوں؟ نرملا اُن سے کیوں مخاطب نہیں ہوتی، اُس کا بھید اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ علمِ ازدواج کی ساری حکمتوں کو آزما چُکے مگر اُن کی مقصد برآری نہ ہُوئی۔ اب کیا کرنا چاہیئے، یہ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا ؎

ایک روز وُہ اِسی تردد میں بیٹھے ہُوئے تھے کہ اُن کے ہم سبق دوست منشی نین سُکھ رام آکر بیٹھ گئے اَور سلام کلام کے بعد مُسکرا کر بولے۔ آجکل تو خُوب گہری چھنتی ہوگی، نئی بیوی کو ہم آغوش کر کے جوانی کا مزہ آجاتا ہوگا؟ بڑے خوش نصیب ہو بھئی، ڈھلتی ہُوئی جوانی کو منانے کی اِس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ نیا بیاہ ہو جائے۔ یہاں تو زندگی دبال ہو رہی ہے۔ بیوی صاحبہ اِس بُری طرح لپٹی ہیں کہ کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں۔ مَیں تو دُوسری

شادی کی فکر میں ہوں۔ کہیں ڈال ہو تو ٹھیک ٹھاک کر دو، دستوری میں
ایک موز تمہیں اُس کے ہاتھ کے بنے ہوئے پان کھلا دیں گے ؛

طوطا رام نے متانت سے کہا۔ کہیں ایسی حماقت نہ کر بیٹھنا ورنہ پچھتاؤ گے۔
لونڈیاں کچھ لونڈوں ہی سے خوش رہتی ہیں، ہم تم اب اُس کام کے نہیں رہے۔
سچ کہتا ہوں کہ میں تو شادی کر کے پچھتا رہا ہوں۔ بُری بَلا گلے پڑی! سوچا تھا
کہ دو چار سال اَور زندگی کا لطف اُٹھاؤں مگر اُلٹی آنتیں گلے پڑیں!

نین سُکھ۔ تم کیا باتیں کرتے ہو؟ لونڈیوں کو قابو میں لانا کیا مشکل ہے؟
ذرا سیر تماشہ دکھا دو، اُس کے رنگ ڈھنگ کی تعریف کر دو۔ بس رنگ جم گیا ؛

طوطا رام۔ یہ سب کر دھر کے ہار گیا ؛

نین سُکھ۔ اچھا، کچھ عطر روغن، پھول پتے، چاٹ واٹ کا بھی مزہ چکھایا؟

طوطا رام۔ اجی، یہ سب کر چکا۔ علمِ ازدواج کے سارے منتروں کو آزما چکا۔
سب جھوٹ ہیں ؛

نین سُکھ۔ اچھا تو اب میری ایک صلاح مانو۔ ذرا اپنی صورت بنوا لو۔ آجکل یہاں
ایک بجلی کے ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں جو پیری کے سارے نشانات مٹا دیتے
ہیں۔ کیا مجال کہ چہرہ پر ایک شکن یا سر کا ایک بال سفید رہ جاوے۔ نہ جانے
ایسا کیا جادو کر دیتے ہیں کہ آدمی کا کایا کلپ ہو جاتا ہے ؛

طوطا رام۔ فیس کیا لیتے ہیں؟

نین سُکھ۔ فیس تو سُنا زیادہ لیتے ہیں۔ شاید پانچسو روپے ؛

طوطا رام۔ اجی، کوئی جلساز ہوگا، بیوقوفوں کو لوٹ رہا ہوگا۔ کوئی

روغن لگا کر دو چار روز کے لیئے ذرا چہرہ چکنا کر دیتا ہوگا۔ اشتہاری ڈاکٹروں پر تو میرا اعتقاد ہی نہیں۔ دس پانچ کی بات ہوتی تو کہتا، ذرا دِلگی ہی سہی، پانچسو تو بڑی رقم ہے!

نین سُکھ۔ تمہارے لیئے پانچسو کون بڑی بات ہے، ایک ماہ کی آمدنی ہے۔ میرے پاس تو بھئی، اگر پانچسو ہوتے تو مَیں سب سے پہلا کام یہی کرتا۔ شباب کے ایک گھنٹہ کی قیمت پانچسو سے کہیں زیادہ ہے۔

طوطا رام۔ اجی کوئی سستا نسخہ بتاؤ، کوئی فقیری جڑی بوٹی ہو کہ بلا ہر پھٹکری کے رنگ چوکھا ہو جاوے۔ بجلی اور ریڈیم بڑے آدمیوں کے لیئے رہنے دو، یہ اُن ہی کو مُبارک ہوں!

نین سُکھ۔ تو پھر رنگیلے پن کا سوانگ بھرو۔ یہ ڈھیلا ڈھالا کوٹ پھینکو۔ تنزیب کی چُست اچکن ہو، چُوڑی دار پاجامہ، گلے میں طلائی زنجیر، سَر پر بے پوری صافہ، آنکھوں میں سُرمہ اور بالوں میں حِنا کا تیل پڑا ہُوا۔ پیٹ کا پچکنا بھی ضروری ہے۔ دوہرا کمربند باندھو۔ ذرا تکلیف تو ہوگی مگر اچکن سج اُٹھے گی۔ خضاب میں لا دُونگا۔ سَو پچاس غزلیں یاد کر لو اور موقع موقع سے اشعار پڑھو۔ باتوں میں چاشنی بھری ہو۔ ایسا معلوم ہو کہ تمہیں دین دُنیا کی کچھ فکر نہیں ہے۔ بس جو کچھ ہے معشوق ہی ہے۔ جوانمردی اور ہمّت کیساتھ کام کرنے کا موقعہ ڈھونڈھتے رہو۔ رات کو جھُوٹ مُوٹ شور کر دو کہ، چور! چور! اور تلوار لے کر اکیلے پل پڑو۔ ہاں ذرا موقع دیکھ لینا، ایسا نہ ہو کہ سچ مُچ کوئی چور آ جاوے اور تم اُس کے پیچھے دوڑو، ورنہ ساری قلعی

کھل جاؤ گی اور تم مفت میں احمق بنو گے۔ اس وقت تو جوانمردی اسی میں ہے کہ دم روکے پڑے رہو تاکہ وہ سمجھے کہ تمہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ لیکن جیونہی چور بھاگ کھڑا ہو، تم بھی اچھل کر باہر نکلو اور تلوار لے کر "کہاں کہاں" کہتے دوڑو۔ زیادہ نہیں، ایک ہی ماہ میری باتوں کو آزما دیکھو اگر وہ تمہارا دم نہ بھرنے لگے تو جو جرمانہ کہو وہ دوں۔

طوطا رام نے اُس وقت تو یہ باتیں مذاق میں اُڑا دیں جیسا کہ ایک ہوشیار آدمی کو کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن اِن میں سے کچھ باتیں اُن کے دلنشیں ہو گئیں، اُن کے مؤثر ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ آہستہ آہستہ رنگ بدلنے لگے کہ لوگ جان نہ سکیں۔ پہلے بالوں سے ابتداء ہوئی، پھر سُرمہ کی باری آئی، یہاں تک کہ ایک دو ماہ میں اُن کی کایا پلٹ ہی ہو گئی۔ غزلیں یاد کرنے کی تجویز تو مضحکہ خیز تھی مگر جوانمردی کی ڈینگ مارنے میں کوئی ہرج نہ تھا۔

اُس روز سے روزانہ اپنی بہادری کا کوئی نہ کوئی تذکرہ ضرور چھیڑ دیتے۔ نرملا کو شک ہونے لگا کہ کہیں اُن کو دیوانگی کا عارضہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ جو شخص مونگ کی دال اور موٹے آٹے کے دو پھلکے کھا کر بھی نمک سلیمانی کا محتاج ہو اُس کے چھبیلے پن پر دیوانگی کا شبہ ہو تو تعجب ہی کیا ہے؟ نرملا پر اس دیوانگی کا اور تو کیا رنگ جمتا، ہاں اُس کو اُن پر رحم آنے لگا۔ غصہ اور نفرت کا احساس جاتا رہا۔ غصہ اور نفرت کے لیئے وہ شخص ہے جو اپنے ہوش میں ہو۔ پاگل تو رحم ہی کا مستحق ہے! وہ بات بات میں اُن کی چٹکیاں لیتی، اُن کا مضحکہ اُڑاتی جیسے لوگ پاگلوں کے ساتھ کیا کرتے

ہیں۔ ہاں اس امر کا خیال رکھتی تھی کہ یہ سمجھ نہ جاویں۔ وہ سوچتی کہ بیچارہ اپنے گناہ کا کفارہ کر رہا ہے۔ یہ سارا سوانگ صرف اسی لیئے تو ہے کہ میں اپنا غم بھول جاؤں۔ آخر اب بھاگ تو بدل سکتا نہیں، اس بیچارے کو کیوں جلاؤں؟

ایک روز رات کے نو بجے طوطا رام چھیلا بنے ہوئے سیر کر کے لوٹے، اور نرملا سے بولے۔ آج تین چوروں سے مقابلہ ہو گیا۔ میں ذرا شیلو پور کی طرف چلا گیا تھا۔ اندھیرا تھا ہی۔ جونہی ریل کی سڑک کے پاس پہنچا کہ تین آدمی تلواریں لیئے ہوئے نہ جانے کدھر سے نکل پڑے۔ یقین مانو، تینوں سیاہ دیو تھے۔ میں بالکل تنہا، ہاتھ میں صرف ایک چھڑی تھی۔ ادھر تینوں تلوار باندھے ہوئے، ہوش اڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ زندگی کا یہیں تک ساتھ تھا۔ مگر میں نے بھی سوچا کہ مرنا ہی ہوں تو بہادروں کی موت کیوں نہ مروں؟

اتنے میں ایک شخص نے للکار کر کہا۔ رکھدے تیرے پاس جو کچھ ہو، اور چپکے سے چلا جا۔

میں چھڑی سنبھال کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ میرے پاس تو صرف یہ چھڑی ہے اور اس کی قیمت ایک آدمی کا سر ہے۔

میرے منہ سے اتنا نکلنا تھا کہ تینوں تلوار کھینچ کر مجھ پر جھپٹ پڑے۔ اور میں ان کے واروں کو چھڑی پر روکنے لگا۔ تینوں جھلا جھلا کر وار کرتے تھے۔ کھٹاکے کی آواز ہوتی تھی اور میں بجلی کی طرح لپک کر ان کے واروں کو کاٹ دیتا تھا۔ کوئی دس منٹ تک تینوں نے خوب تلوار کے جوہر دکھائے۔ مگر میرا فدا بھی بال بیکا نہ ہوا۔ مجبوری یہی تھی کہ میرے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ اگر کہیں

تلوار ہوتی تو ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑتا۔ خیر، کہاں تک بیان کروں، اُس وقت میرے ہاتھوں کی صفائی دیکھنے کے قابل تھی۔ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ تیزی مجھ میں کہاں سے آ گئی۔ جب تینوں نے دیکھا کہ یہاں دال نہیں گلنے کی تو تلوار نیام میں رکھ لی اور میری پیٹھ ٹھونک کر بولے۔ جوان! تم سا بہادر آج تک نہیں دیکھا۔ ہم تینوں سَو پر بھاری ہیں، گاؤں کے گاؤں ڈھول بجا کر لوٹتے ہیں مگر آج تم نے ہم کو نیچا دِکھا دیا۔ ہم تمہارا لوہا مان گئے۔ یہ کہہ کر تینوں پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے ؛

بزدلا نے متانت سے مسکرا کر کہا۔ اِس چھڑی پر تو تلواروں کے بہت سے نشان بنے ہوئے ہوں گے ؟

منشی جی اِس سوال کے لیئے تیار نہ تھے مگر کوئی جواب دینا ضروری تھا بولے میں واروں کو برابر خالی دیتا تھا۔ دو چار چوٹیں چھڑی پر پڑی تھیں تو اچٹتی ہوئی جن سے کوئی نشان نہ پڑ سکتا تھا ؛

ابھی اُن کے مُنہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ یکایک رُکمنی دیوی بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں اور ہانپتی ہوئی بولیں ——— طوطا، طوطا، ہے کہ نہیں ؟ میرے کمرہ میں ایک سانپ نکل آیا ہے۔ میری چارپائی کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ میں اُٹھ کر بھاگی۔ مُوا کوئی دو گز کا ہو گا۔ پھن نکالے پھنکار رہا ہے۔ ذرا چلو تو، ڈنڈا لیتے چلنا ؛

طوطا رام کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ مگر دلی جذبات کو چھپا کر بولے ——— سانپ وہاں کہاں، تمہیں

دھوکا ہوا ہوگا۔ کوئی رسّی پڑی ہوگی ؛

رُکمنی۔ ارے، مَیں نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے۔ ذرا چل کر دیکھ نہ لو۔ ہے ہے، مرد ہو کر ڈرتے ہو !

مُنشی جی گھر میں سے تو نکلے مگر برآمدہ میں جا کر پھر ٹھٹھک گئے۔ اُن کے قدم ہی نہ اُٹھتے تھے۔ کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا۔ سانپ بڑا غصّہ ور جانور ہے۔ کہیں کاٹ لے تو مُفت جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بولے :- ڈرتا نہیں ہُوں، سانپ ہی تو ہے، شیر تو نہیں۔ مگر سانپ پر لاٹھی نہیں کارگر ہوتی۔ جا کر کسی کو بھیجوں، کسی کے گھر سے بھالا لائے ؛

یہ کہکر مُنشی جی لپکے ہُوئے باہر نکل گئے۔ منسارام بیٹھا کھانا کھا رہا تھا منشی جی تو باہر گئے اور اِدھر وہ کھانا چھوڑ کر اپنی ہاکی اسٹک ہاتھ میں لیئے ہُوئے کمرہ میں گھُس ہی تو گیا اور فوراً چارپائی کھینچ لی۔ سانپ مست تھا، بھاگنے کے بجائے پھن نکال کر کھڑا ہو گیا۔ منسارام نے جھٹ پٹ چارپائی کی چادر اُٹھا کر سانپ کے اوپر پھینک دی اور متواتر تین چار ڈنڈے زور زور سے لگائے۔ سانپ چادر کے اندر ہی تڑپ کر رہ گیا۔ تب وہ اُس کو ڈنڈے پر اُٹھائے ہُوئے باہر چلا۔ منشی جی کئی آدمیوں کو ساتھ لیئے چلے آرہے تھے۔ منسارام کو سانپ لٹکائے دیکھا تو دفعتاً اُن کے مُنہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ مگر پھر سنبھل گئے اور بولے۔ میں تو آ ہی رہا تھا، تُم نے کیوں جلدی کی ؟ دیدو، کوئی پھینک دے ؛

یہ کہکر وہ بڑی بہادری کے ساتھ رُکمنی کے کمرہ کے دروازہ پر جا کر

کھڑے ہو گئے اور کمرہ کو خوب دیکھ بھال کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے نرملا کے پاس آکر بولے۔ میں جب تک جاؤں جاؤں، منسارام نے مار ڈالا۔ بے سمجھ لڑکا ڈنڈا لے کر دوڑ پڑا۔ سانپ کو ہمیشہ بھالے سے مارنا چاہیئے۔ یہی تو لڑکوں میں عیب ہے۔ میں نے ایسے ایسے کتنے ہی سانپ مارے ہیں۔ سانپ کو کھلا کھلا کر مارتا ہوں، کتنے ہی کو تو مٹھی میں پکڑ کر مسل دیا ہے!

رکمنی نے کہا۔ جاؤ بھئی، دیکھ لی تمہاری مردانگی!

منشی جی خجل ہو کر بولے۔ اچھا جاؤ، میں ڈرپوک ہی سہی، تم سے کچھ انعام تو نہیں مانگ رہا ہوں۔ جا کر مہراج سے کہو، کھانا نکالے:

منشی جی تو کھانا کھانے گئے اور نرملا دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑی سوچ رہی تھی۔ بھگوان، کیا انہیں سچ مچ کوئی سخت عارضہ ہو رہا ہے؟ کیا میری حالت کو اور بھی ابتر بنانا چاہتے ہو؟ میں ان کی خدمت کر سکتی ہوں، عزت کر سکتی ہوں، اپنی جان ان کے قدموں پر وار سکتی ہوں مگر وہ نہیں کر سکتی جو میرے کئے نہیں ہو سکتا۔ عمر کا فرق مٹانا میرے بس کی بات نہیں! آخر یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ سمجھ گئی! آہ، یہ بات پہلے ہی نہیں سمجھی تھی ورنہ اُن کو کیوں اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی، کیوں اتنے سوانگ بھرنے پڑتے؟

(۷)

اُس روز سے نرملا کا رنگ ڈھنگ بدلنے لگا۔ اُس نے اپنے کو فرض پر قربان کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ اب تک مایوسی کے غم میں اُس نے فرض پر دھیان ہی نہ دیا تھا۔ اُس کے دل میں بیقراری کی آگ سی جلتی رہتی تھی، جس کی

ناقابلِ برداشت تکلیف نے اُسے بدحواس سا کر رکھا تھا۔ اب اس تکلیف میں کچھ کمی واقع ہونے لگی۔ اُسے احساس ہوا کہ میرے لیئے زندگی میں کوئی خوشی نہیں۔ اُس کا خواب دیکھ کر کیوں زندگی کو خراب کروں؟ دنیا میں سب لوگ سُکھ کی سیج ہی پر نہیں سوتے۔ مَیں بھی اُنہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔ مجھے بھی ایشور نے دُکھوں کا بوجھ ڈھونے کے لیئے چُنا ہے۔ وہ بوجھ سر سے اُتر نہیں سکتا۔ اُسے پھینکنا بھی چاہوں تو نہیں پھینک سکتی۔ اُس بڑے بوجھ سے خواہ آنکھوں میں اندھیرا ہو جائے، خواہ گردن ٹوٹنے لگے، خواہ قدم اُٹھانا دوبھر ہو جاوے، مگر وہ بوجھ تو ڈھونا ہی پڑے گا۔ عمر بھر کا قیدی کہاں تک روئیگا اور روئے بھی تو کون دیکھتا ہے، کسے اُس پر رحم آتا ہے؟ رونے سے کام میں ہرج ہونے کے سبب اُسے اور زیادہ تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔

دُوسرے روز وکیل صاحب کچہری سے آئے تو دیکھا کہ نرملا خندہ پیشانی کی مُورت بن کر کمرہ کے دروازہ پر کھڑی ہے۔ یہ خوش کُن جلوہ دیکھ کر اُن کی آنکھیں آسودہ ہو گئیں۔ آج بہت دِنوں کے بعد انھیں یہ کنول کھلا ہوا نظر آیا۔ کمرہ میں ایک بڑا آئینہ دیوار سے ٹنگا ہوا تھا جس پر ایک پردہ پڑا رہتا تھا آج وہ پردہ بھی اٹھا ہوا تھا۔ وکیل صاحب نے کمرہ میں قدم رکھا تو آئینہ پر نگاہ پڑی اپنی صورت صاف صاف نظر آئی۔ اُن کے دل پر چوٹ سی لگی دن بھر کی محنت سے چہرہ کی رونق معدوم ہو گئی تھی۔ انواع و اقسام کے مقویات کھانے پر بھی گالوں کی جھرّیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ پیٹ، کسا ہوا ہونے پر بھی کسی مُنہ زور گھوڑے کی طرح باہر نکلا ہوا تھا۔ اُسی آئینہ کے سامنے مگر دوسری

طرف تاکتی ہوئی نرملا بھی کھڑی تھی۔ دونوں صورتوں میں کتنی تفاوت تھی، ایک جواہرات سے مزین عالیشان محل تھا تو دوسرا ٹوٹا پھوٹا کھنڈر! وہ اس آئینہ کی طرف زیادہ نہ دیکھ سکے۔ اپنی یہ بری حالت اُن کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ آئینہ کے سامنے سے ہٹ گئے۔ انھیں اپنی ہی صورت سے نفرت ہونے لگی تو پھر اس خوبصورت نازنین کا اُن سے متنفر ہونا کوئی تعجب آمیز بات نہ تھی، انھیں نرملا کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس کا یہ حسن بے مثال ان کے دل کا درد بن گیا!

نرملا نے کہا۔ آج اتنی دیر کہاں لگائی، دن بھر راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں۔

طوطا رام نے کھڑکی کی طرف تاکتے ہوئے جواب دیا۔ مقدموں کے مارے دم مارنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ابھی ایک مقدمہ اور تھا مگر میں دردسر کا بہانہ کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔

نرملا۔ تو کیوں! اتنے مقدمے لیتے ہو؟ کام اتنا ہی کرنا چاہئے جتنا آرام سے ہو سکے، جان دے کر تھوڑا ہی کام کیا جاتا ہے! بہت مقدمے نہ لیا کرو۔ مجھے روپیوں کا لالچ نہیں ہے۔ تم آرام سے رہو گے تو بہت روپئے ملیں گے۔

طوطا رام۔ بھئی آتی ہوئی لکشمی بھی تو نہیں ٹھکرائی جاتی۔

نرملا۔ لکشمی اگر گوشت و خون کی بھینٹ لے کر آتی ہے تو اس کا نہ آنا ہی بہتر ہے میں روپیہ کی بھوکی نہیں ہوں۔

اسی وقت منشا رام بھی اسکول سے لوٹا۔ دھوپ میں چلنے کی وجہ سے چہرہ

پر پسینہ کے قطرے نمودار تھے۔ گورے مکھڑے پر خون کی سرخی چھا رہی تھی آنکھوں سے شعاعیں سی نکلتی معلوم ہوتی تھیں۔ دروازہ پر کھڑا ہو کر بولا اماں جی، ملایئے، کچھ کھانے کو نکالئے۔ ذرا کھیلنے جانا ہے۔

نرملا جا کر گلاس میں پانی لائی اور داس نے ایک طشتری میں کچھ میوے رکھ کر منشا رام کو دیئے۔ منشا رام کھا پی کر چلنے لگا تو نرملا نے پوچھا کب تک آؤ گے؟

منشا رام۔ کہہ نہیں سکتا۔ گوروں کے ساتھ ہاکی کھیلنا ہے، پارک یہاں سے بہت دور ہے۔

نرملا۔ بھئی جلد آنا۔ کھانا ٹھنڈا ہو جاوے گا تو کہو گے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

منشا رام نے نرملا کی طرف مؤدبانہ محبت سے دیکھ کر کہا۔ مجھے دیر ہو جائے تو سمجھ لیجئے گا کہ وہیں کھا رہا ہوں۔ میرے لئے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔

وہ چلا گیا تو نرملا بولی۔ پہلے تو گھر میں آتے ہی نہ تھے، مجھ سے بولتے شرماتے تھے، کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو باہر ہی سے منگوا بھیجتے۔ جب سے میں نے بلا کر کہا تب سے اب آنے لگے ہیں۔

طوطا رام نے کچھ چڑ کر کہا۔ یہ تمہارے پاس کھانے پینے کی چیزیں مانگنے کیوں آتا ہے؟ بہن سے کیوں نہیں مانگتا؟

نرملا نے یہ بات اپنی تعریف کئے جانے کی لالچ سے کہی تھی وہ یہ دکھانا چاہتی تھی کہ میں تمہارے لڑکوں سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اس میں ذرا بھی تصنع نہ تھا بلکہ اس کو واقعی لڑکوں سے محبت تھی اس کے طرز و انداز میں

اب تک طفلانہ جذبات ہی کا غلبہ تھا۔ اس میں وہی آرزومندی۔ وہی امیدواری وہی شوخی وہی تفریح پسندی، موجود تھی اور بچوں کے ساتھ اُس کے یہ طفلانہ جذبات آشکارا ہوتے رہتے تھے۔ سوتیلے پن کی ڈاہ ابھی تک اس کے دل میں پیدا نہ ہوئی تھی مگر شوہر کے خوش ہونے کے بجائے ان کے ناک بھوں چڑھانے کا مطلب نہ سمجھ کر بولی۔ میں کیا جانوں کہ اُن سے کیوں نہیں مانگتے؟ میرے پاس آتے ہیں تو دھتکار نہیں دیتی، اگر ایسا کر دوں تو یہی ہوگا کہ یہ تو لڑکوں کو دیکھ کر جلتی ہے۔

منشی جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا مگر آج اُنھوں نے موکلوں سے باتیں نہیں کیں، سیدھے منسارام کے پاس گئے اور اس کا امتحان لینے لگے۔ یہ زندگی میں پہلا ہی موقع تھا کہ انھوں نے منسارام اور کسی لڑکے کی تعلیمی ترقی کے بارہ میں اتنی دلچسپی ظاہر کی ہو۔ انھیں اپنے کام سے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔ انھیں ان مضامین کو پڑھتے ہوئے تقریباً چالیس سال ہو گئے تھے اس وقت سے ان کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی تھی۔ وہ قانونی کتب کا غذات کے سوا اور کچھ پڑھتے ہی نہ تھے، اس کا انھیں وقت ہی نہ ملتا تھا۔ مگر آج انھیں مضامین میں وہ منسارام کا امتحان لینے لگے۔ منسارام ذہین تھا اور ساتھ ہی محنتی بھی تھا۔ کھیل میں وہ بی ٹیم کا کپتان ہونے پر بھی درجہ میں اوّل رہتا تھا۔ جس سبق کو ایک بار پڑھ لیتا وہ اس کے دل پر نقش فی الحجر ہو جاتا تھا منشی جی کو حیرت میں ایسے باریک سوال تو سوجھے ہی نہیں جن کے جوابات دینے میں ایک ہوشیار لڑکے کو بھی کچھ سوچنا پڑتا، اور معمولی سوالات کو منسارام نے

چٹکیوں میں اُڑا دیا۔ کوئی سپاہی اپنے دشمن پر وار خالی جاتے دیکھ کر جیسے جھلا جھلا کر اور بھی تیزی سے وار کرتا ہے اُسی طرح منا رام کے جوابات کو سُن سُن کر وکیل صاحب بھی جھلاتے تھے۔ وہ کوئی ایسا سوال کرنا چاہتے تھے جس کا جواب منا رام نہ دے سکے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا کمزور پہلو کہاں ہے۔ یہ دیکھ کر اب انھیں اطمینان نہ ہوتا تھا کہ یہ کیا کرتا ہے، وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کیا نہیں کرتا۔ کوئی مشاق ممتحن منا رام کی کمزوریوں کو آسانی سے دکھا دیتا مگر وکیل صاحب اپنی نصف صدی کی بھولی ہوئی تعلیم کی بنا پر اتنے کامیاب کیسے ہوتے؟ آخر میں جب اُن کو اپنا غصہ اتارنے کے لئے کوئی بہانہ نہ ملا تو بولے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم تمام دن اِدھر اُدھر مٹرگشت کیا کرتے ہو۔ میں تمہارے چالچلن کو تمہاری عقل سے زیادہ سمجھتا ہوں اور تمہارا اس طرح آوارہ پھرنا مجھے گوارا نہیں ہو سکتا۔

منا رام نے بیخوفی سے کہا۔ میں شام کو ایک گھنٹہ کھیلنے کے لئے جانے کے سوا دن بھر کہیں نہیں جاتا۔ آپ اماں یا بوا جی سے پوچھ لیں۔ مجھے خود اس طرح گھومنا پسند نہیں۔ ہاں کھیلنے کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب اصرار کر کے بلاتے ہیں تو مجبوراً جانا ہی پڑتا ہے۔ اگر آپ کو میرا کھیلنے جانا پسند نہیں ہے تو کل سے نہ جاؤں گا۔

منشی جی نے دیکھا کہ باتیں دوسرے ہی رُخ پر جا رہی ہیں تو تیز لہجہ میں بولے۔ مجھے اس بات کا اطمینان کیونکر ہو کہ تم کھیلنے کے سوا اور کہیں نہیں گھومنے جاتے؟ میں برابر شکائتیں سُنتا ہوں۔

منسا رام نے تیز ہو کر کہا۔ کن صاحب نے آپ سے یہ شکایت کی ہے۔ ذرا میں بھی تو سُنوں۔

وکیل۔ کوئی ہو اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں۔ تمہیں اتنا اعتبار ہونا چاہیے کہ میں جھوٹا الزام نہیں لگاتا۔

منسا رام۔ اگر میرے سامنے کوئی آکر کہدے کہ میں نے اس کو کہیں گھومتے دیکھا ہے تو مُنہ نہ دکھاؤں۔

وکیل۔ کسی کو ایسی کیا غرض پڑی ہے کہ تمہارے منہ پر تمہاری شکایت کرے اور تم سے بَیر مُول لے؟ تم اپنے دو چار ساتھیوں کو لے کر اس کے گھر کا کھپریل پھوڑتے پھرو۔ مجھ سے اس قسم کی شکایت ایک آدمی نے نہیں، کئی آدمیوں نے کی ہے، اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں اپنے دوستوں کی باتوں کا اعتبار نہ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسکول ہی میں رہا کرو۔

منسا رام نے اُداس ہو کر کہا۔ مجھے وہاں رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے، جب سے کہئے، چلا جاؤں۔

وکیل۔ تم اُداس کیوں ہو گئے؟ کیا وہاں رہنا اچھا نہیں لگتا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہاں جانے سے تمہاری نانی مری جا رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے، وہاں نہیں کیا تکلیف ہوگی؟

منسا رام بورڈنگ ہاؤس میں رہنے کا شائق نہ تھا۔ لیکن جب منشی جی نے یہی بات کہدی اور اس کا سبب دریافت کیا تو وہ اپنی شرم مٹانے کے لئے خوش ہو کر بولا۔ اُداس کیوں ہوں؟ میرے لئے جیسے گھر ویسے بورڈنگ ہاؤس

تکلیف بھی کوئی نہیں اور اگر ہو بھی تو اُسے برداشت کر سکتا ہوں۔ میں کل سے چلا جاؤں گا، ہاں اگر جگہ نہ خالی ہوئی تو مجبوری ہے۔ منشی جی وکیل تھے، سمجھ گئے کہ یہ لڑکا کوئی ایسا حیلہ تلاش کر رہا ہے کہ مجھے وہاں جانا بھی نہ پڑے اور کوئی الزام بھی سر پر نہ آئے۔ بولے۔ سب لڑکوں کے لئے جگہ ہے، تمہارے ہی لئے جگہ نہ ہوگی؟

منسارام۔ کتنوں ہی لڑکوں کو جگہ نہیں ملی اور وہ باہر کرایہ کے مکانات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی بورڈنگ ہاؤس سے ایک لڑکے کا نام خارج ہو گیا تھا تو اُس جگہ کے لئے پچاس درخواستیں آئی تھیں۔

وکیل صاحب نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ منسارام کو کل تیار رہنے کا حکم دے کر آپ نے اپنی بگھی تیار کرائی اور سیر کرنے چلے گئے۔ اِدھر کچھ دنوں سے وہ شام کو عموماً سیر کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ کسی تجربہ کار شخص نے بتلایا تھا کہ زندگی بڑھانے کا اس سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ اُن کے جانے کے بعد منسارام آکر رکمنی سے بولا ـــــ بُوا جی نے مجھے کل سے اسکول ہی میں رہنے کو کہا ہے۔

رکمنی نے متعجب ہو کر پوچھا ـــــ کیوں؟

منسارام۔ میں کیا جانوں۔ کہنے لگے کہ تم یہاں آوارہ دوں کی طرح اِدھر اُدھر گھوا کرتے ہو۔

رکمنی۔ پھر تو نے کہا نہیں کہ میں کہیں نہیں جاتا؟

منسارام۔ کہا کیوں نہیں مگر جب وہ مانیں بھی۔

رکمنی - تمہاری اماں جی کی کرپا ہوگی اور کیا۔
منسا رام - نہیں بوا جی، مجھے ان پر شک نہیں ہے۔ وہ بیچا تو کبھی بھول کر بھی کچھ نہیں کہتیں۔ کوئی چیز مانگنے جاتا ہوں تو فوراً اٹھ کر دیتی ہیں۔
رکمنی - تو یہ تریا چرتر کیا جانے؟ انھیں کی لگائی آگ ہے، دیکھ، میں جاکر پوچھتی ہوں۔
(رکمنی جھلائی ہوئی نرملا کے پاس جا پہنچی۔ اُسے آڑے ہاتھوں لینے کا کانٹوں میں گھسیٹنے کا۔ طعنوں سے چھیدنے کا، رولانے کا، وہ کوئی اچھا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ نرملا ان کی عزت کرتی تھی، اُن سے دبتی تھی۔ اُن کی باتوں کا جواب تک نہ دیتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ مجھے نصیحت کی باتیں کہے، جہاں میں بھولوں وہاں سدھارے، سب کاموں کی دیکھ بھال کرتی رہے۔ مگر رکمنی اس سے کھنچی ہی رہتی تھی)
نرملا پلنگ سے اُٹھ کر بولی۔ آیئے، جی جی! بیٹھئے؟
رکمنی نے کھڑے کھڑے کہا۔ میں پوچھتی ہوں کیا تم سب کو گھر سے نکال کر اکیلی ہی رہنا چاہتی ہو؟
نرملا نے سہمی آواز میں کہا۔ کیا ہوا، جی جی، میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔
رکمنی۔ منسا رام کو گھر سے نکالے دیتی ہو اور کہتی ہو کہ میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔ کیا تم سے اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا؟
نرملا۔ جی جی، میں تمہارے پیروں پڑ کر کہتی ہوں کہ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم

میری آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے اس کے بارے میں زبان تک کھولی ہو۔ رکمنی۔ کیوں بے فائدہ قسمیں کھاتی ہو۔ ابتک طوطا رام کبھی لڑکے سے نہیں بولتے تھے۔ ایک ہفتہ کے لئے منسارام نانہال چلا گیا تھا تو اتنا گھبرائے کہ خود جاکر ہمراہ لائے۔ اب اُسی منسارام کو وہ گھر سے نکال کر اسکول میں رکھے دیتے ہیں۔ اگر لڑکے کا بال بھی بانکا ہوا تو تم جانو گی۔ وہ کبھی باہر نہیں رہا۔ اُسے نہ کھانے کی سدھ رہتی ہے نہ پہننے کی، جہاں بیٹھا وہیں سو جاتا ہے۔ کہنے کو جوان ہوگیا مگر مزاج لڑکوں کا سا ہے۔ اسکول میں تو اس کی مرن ہوجائے گی۔ وہاں کسے فکر ہے کہ اس نے کھایا یا نہیں۔ کہاں کپڑے اُتارے کہاں سو رہا ہے، جب گھر میں کوئی پوچھنے والا نہیں تو باہر کون پوچھے گا؟ میں نے تمہیں جتا دیا، آگے تم جانو اور تمہارا کام جانے۔

یہ کہہ کر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔

وکیل صاحب سیر کرکے لوٹے تو نرملا نے فوراً یہ گفتگو چھیڑ دی۔ منسارام سے وہ آج کل تھوڑی دیر انگریزی پڑھتی تھی، اس کے چلے جانے پر پھر اُسکے پڑھنے کا حرج نہ ہوگا؟ دوسرا کون پڑھا دیگا؟ وکیل صاحب کو اب تک یہ بات معلوم نہ تھی۔ نرملا نے سوچا تھا کہ جب کچھ انگریزی کی مہارت ہوجائے گی تو ایک روز انگریزی میں باتیں کرکے وکیل صاحب کو متحیر کر دوں گی۔ کچھ تھوڑی سی واقفیت تو اس کو اپنے بھائیوں سے ہوگئی تھی اب وہ باقاعدہ پڑھ رہی تھی۔ وکیل صاحب کے سینہ پر سانپ لوٹ گیا، تیوریاں چڑھا کر بولے۔ کب سے پڑھا رہا ہے تمہیں؟ مجھ سے تم نے پہلے کبھی نہیں کہا؟

نرملا نے اُن کی ایسی شکل صرف ایکبار دیکھی تھی، جب انھوں نے سیا رام کو مارتے مارتے بے دم کر دیا تھا۔ وہی شکل زیادہ خوفناک ہو کر آج اُس کو پھر دکھائی دی۔ وہ سہمی ہوئی بولی۔ اُن کے پڑھنے میں تو اِس سے کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ میں اُسی وقت پڑھتی ہوں جب انھیں فرصت رہتی ہے۔ پوچھ لیتی ہوں کہ تمہارا ہرج ہوتا ہو تو جاؤ۔ اکثر جب وہ کھیلنے جانے لگتے ہیں تو دس منٹ کے لئے روک لیتی ہوں۔ میں خود چاہتی ہوں کہ اُن کا ہرج نہ ہو۔

(بات کچھ نہ تھی مگر وکیل صاحب مضمحل سے ہو کر پلنگ پر گر پڑے اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اُنھوں نے جتنا سمجھا تھا، بات اُس سے کہیں بڑھ گئی تھی۔ انھیں اپنے اوپر غصہ آیا کہ میں نے پہلے ہی کیوں نہ لڑکے کو باہر رکھنے کا بندوبست کیا۔ آج کل جو یہ مہارانی اتنی خوش دکھائی دیتی ہیں اس کا بھید آج سمجھ میں آیا۔ پہلے کبھی کمرہ اِس قدر آراستہ نہ رہتا تھا بناؤ سنگار بھی نہ کرتی تھیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ کایا پلٹ سی ہو گئی ہے۔ دل میں آیا کہ اسی وقت چل کر منسا رام کو نکال دوں مگر عقل سلیم نے سمجھایا کہ اس موقع پر غصہ کی ضرورت نہیں کہیں اس نے بھانپ لیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔ ہاں، ذرا اس کے جذبات باطنی کو ٹٹولنا چاہئے۔ بولے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تمہیں دو چار منٹ پڑھانے میں اُس کا کوئی ہرج نہیں ہوتا، لیکن آوارہ لڑکا ہے، اپنا کام نہ کرنے کا اُسے ایک بہانہ تو مل جائے گا۔ کل اگر فیل ہو گیا تو صاف کہہ دے گا کہ میں تو دن بھر پڑھاتا رہتا تھا۔ میں تمہارے لئے کوئی مس نوکر رکھ دوں گا۔ کچھ زیادہ خرچ نہ ہوگا۔ تم نے مجھ سے پہلے کچھ

کہا ہی نہیں۔ یہ بھلا تمہیں کیا پڑھاتا ہوگا، دو چار لفظ بتا کر بھاگ جاتا ہوگا اس طرح تو تمہیں کچھ بھی نہ آئے گا۔

نرملا نے فوراً اس کی تردید کی —— نہیں، یہ بات تو نہیں! وہ مجھے دل لگا کر پڑھاتے ہیں اور ان کا طرز بھی کچھ ایسا ہے کہ پڑھنے میں جی لگتا ہے۔ آپ ایک دن ذرا اُن کا سمجھانا دیکھئے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ مس اس طرح نہ پڑھائے گی۔

منشی جی اپنے اس ہوشیاری بھرے سوال پر موچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولے۔ دن میں ایک ہی بار پڑھاتا ہے یا کئی بار؟

نرملا اب بھی ان سوالوں کا مطلب نہ سمجھی۔ بولی۔ پہلے تو شام ہی کو پڑھا دیتے تھے، اب کئی دنوں سے ایک بار آ کر لکھنا بھی دیکھ لیتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ میں اپنے کلاس میں سب سے اچھا ہوں۔ ابھی امتحان میں انہیں کو اوّل درجہ ملا تھا، پھر آپ کیسے سمجھتے ہیں کہ اُن کا پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔ میں اس لئے اور بھی کہتی ہوں کہ جی جی سمجھیں گی کہ اسی نے یہ آگ لگائی ہے۔ مجھے مفت میں طعنے سُننے پڑیں گے۔ ابھی ذرا ہی دیر ہوئی، دھمکا کر گئی ہیں۔

منشی جی نے دل میں کہا. خوب سمجھتا ہوں، تو کل کی چھوکری ہو کر مجھے اڑانے چلی ہے۔ بہن کا سہارا لے کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی ہے۔ بولے —— میں نہیں سمجھتا کہ بورڈنگ کا نام سُن کر کیوں لونڈے کی نانی مرتی ہے؟ اور لڑکے خوش ہوتے ہیں کہ اب اپنے دوستوں میں رہیں گے،

یہ اُتار و رہا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے تک یہ دل لگا کر پڑھتا تھا۔ یہ اُسی محنت کا نتیجہ ہے کہ اپنے درجہ میں سب سے اچھا ہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے اِسے سیر سپاٹے کا چسکا پڑ چلا ہے۔ اگر ابھی سے روک تھام نہ کی گئی تو پیچھے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑیگا۔ تمہارے لئے میں ایک مس رکھ دوں گا

دوسرے روز منشی جی علی الصباح کپڑے پہن کر باہر نکلے۔ دیوانخانہ میں کئی موکل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک راجہ صاحب بھی تھے جن سے منشی جی کو کئی ہزار روپے سالانہ محنتانہ ملتا تھا۔ مگر منشی جی انھیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر اور دس منٹ میں آنے کا وعدہ کرتے ہوئے بگھی پر بیٹھ کر اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے یہاں جا پہنچے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نہایت شریف آدمی تھے۔ انھوں نے وکیل صاحب کی بہت تعظیم تکریم کی مگر ان کے یہاں ایک لڑکے کے لئے بھی جگہ خالی نہ تھی۔ سبھی کمرے بھرے ہوئے تھے۔ انسپکٹر صاحب کی سخت تاکید تھی کہ مفصلات کے لڑکوں کو جگہ دینے کے بعد ہی شہر کے لڑکوں کو داخل کیا جاوے۔ اس لئے اگر کوئی جگہ خالی بھی ہوئی تو بھی منسا رام کو نہ مِل سکے گی کیونکہ کئی باہر کے ہی لڑکوں کی درخواستیں رکھی ہوئی تھیں۔ منشی جی وکیل تھے۔ رات دن ایسے لوگوں سے سابقہ رہتا تھا جو طمع میں آکر مشکل کو آسان اور ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتے ہیں۔ سمجھے کہ شاید کچھ دے دلا کر کام نکل جاوے، دفتر کے کلارک سے کچھ بات چیت کرنی چاہیئے مگر اس نے ہنس کر کہا۔ منشی جی! یہ کچہری نہیں، اسکول ہے ہیڈ ماسٹر صاحب کے کانوں میں اس کی بھنک بھی گئی تو جامہ سے باہر

باہر ہو جائیں گے اور منسارام کو کھڑے کھڑے نکال دیں گے ممکن ہے کہ افسروں سے بھی شکایت کر دیں۔ بیچارے منشی جی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ دس بجتے بجتے جھنجھلائے ہوئے گھر لوٹے۔ منسارام اسی وقت گھر سے اسکول جانے کو نکلا منشی جی نے اُسے تیز نگاہوں سے دیکھا گویا وہ اُن کا دشمن ہو اور گھر میں چلے گئے۔

اس کے بعد دس بارہ روز تک وکیل صاحب کا یہی دستور رہا کہ کبھی صبح کبھی شام کسی نہ کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے ملتے اور منسارام کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرانے کی کوشش کرتے۔ مگر کسی اسکول میں جگہ نہ تھی سبھی کے یہاں سے صاف جواب مل گیا۔ اب دو ہی تدبیریں تھیں، یا تو منسارام کو علیحدہ کرایہ کے مکان میں رکھدیا جائے یا کسی دوسرے شہر کے اسکول میں داخل کرا دیا جائے۔ یہ دونوں ہی باتیں آسان تھیں بمفصلات کے اسکولوں میں جگہیں اکثر خالی رہتی تھیں لیکن اب منشی جی کے دل کو کچھ سکون ہو گیا تھا۔ اُس روز سے منسارام کو انھوں نے کبھی گھر میں جاتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اب کھیلنے بھی نہ جاتا تھا۔ اسکول جانے کے قبل اور آنے کے بعد برابر اپنے کمرہ میں بیٹھا رہتا تھا۔ گرمی کا موسم تھا، کشادہ میدانوں میں بھی بدن سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ لیکن منسارام اپنے کمرہ سے باہر قدم نہ رکھتا۔ اُس کی خودداری ہرزہ گردی کے الزام سے بری ہو جانے کے لئے بیقرار ہو رہی تھی۔ وہ اپنے عمل سے اِس کلنک کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

ایک روز منشی جی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ منسارام بھی نہا کر کھانا کھانے آیا۔ منشی جی نے اس طرف اُسے مہینوں بھر نہ دیکھا تھا۔ آج اس پر نگاہ پڑی تو

ہوش اڑ گئے۔ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ سامنے کھڑا تھا۔ چہرہ پر اب بھی برہمچریہ کی ملاحت تھی مگر بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ پوچھا۔ آج کل تمہاری طبیعت اچھی نہیں ہے کیا؟ اتنے کمزور کیوں ہو؟

منسا رام نے دھوتی اوڑھ کر کہا۔ طبیعت تو بالکل اچھی ہے۔

منشی جی۔ پھر اتنے کمزور ہو؟

منسا رام۔ کمزور تو نہیں ہوں، میں اس سے زیادہ موٹا کب تھا؟

منشی جی۔ واہ آدھا بدن بھی نہیں رہا اور کہتے ہو کہ میں کمزور نہیں ہوں۔ کیوں بہن، یہ ایسا ہی تھا؟

رکمنی صحن میں کھڑی تلسی کو جل چڑھا رہی تھی۔ بولی۔ دُبلا کیوں ہو گا اب تو بہت اچھی طرح پالن ہو رہا ہے۔ میں تو گنواری تھی۔ لڑکوں کو کھلانا پلانا نہیں جانتی تھی۔ مٹھائی کھلا کھلا کر ان کی عادت بگاڑے دیتی تھی۔ اب تو ایک پڑھی لکھی گرہستی کے کاموں میں ہوشیار عورت پان کی طرح پھیر رہی نا! دُبلا ہو اس کا دُشمن!

منشی جی۔ بہن، تم بڑا انیائے کرتی ہو۔ تم سے کس نے کہا کہ لڑکوں کو بگاڑ رہی ہو؟ جو کام دوسروں کے کئے نہ ہو سکے وہ تمہیں خود کرنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ گھر سے کوئی سروکار ہی نہ رکھو۔ جو ابھی خود لڑکی ہے وہ لڑکوں کی دیکھ بھال کیا کرے گی؟ یہ تمہارا کام ہے۔

رکمنی۔ جب تک اپنا سمجھتی تھی، کرتی تھی۔ جب تم نے غیر سمجھ لیا تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہارے گلے سے لپٹوں؟ پوچھو، کتنے دنوں سے دودھ نہیں پیا۔ جا کر

کمرہ میں دیکھو آؤ کہ ناشتہ کے لئے جو مٹھائی بھیجی گئی تھی وہ پڑی سڑ رہی ہے مالکن سمجھتی ہیں کہ میں نے توکھانے کو سامنے رکھ دیا۔ کوئی نہ کھائے توکیا منہ میں ڈالدوں۔ توبھیا، اس طرح وہ لڑکے پلتے ہوں گے جنھوں نے کبھی لاڈ پیار کا سکھ نہیں دیکھا، تمہارے لڑکے برابر پان کی طرح پھیرے جاتے رہتے ہیں۔ اب اناتھوں کی طرح رہ کر سکھی نہیں رہ سکتے۔ میں تو بات صاف کہتی ہوں ۔ برا مان کر ہی میرا کوئی کیا کرے گا؟ اس پر سنتی ہوں کہ لڑکے کو سکول میں رکھنے کا بندوبست کر رہے ہو! بیچارہ کو گھر میں آنے تک کی مناہی ہے میرے پاس آتے بھی ڈرتا ہے اور میرے پاس رکھا ہی کیا رہتا ہے جو جا کر کھلاؤں گی۔

اتنے میں منسا رام دو پھلکے کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ منشی جی نے پوچھا ——

کیا تم کھا چکے، ابھی بیٹھے ایک منٹ سے زیادہ نہیں ہوا، تم نے کھایا کیا؟ دو ہی پھلکے تو لئے تھے ۔

منسا رام نے شرماتے ہوئے کہا —— دال اور ترکاری بھی تو تھی ۔زیادہ کھاجاتا ہوں تو گلا جلنے لگتا ہے کھٹی ڈکاریں آنے لگتی ہیں ۔

منشی جی کھانا کھا کر اٹھے تو بہت فکرمند تھے ۔ اگر لڑکا یوں ہی لاغر ہوتا گیا تو مہلک مرض لاحق ہو جائے گا۔ انھیں رکمنی پر اس وقت بہت غصہ آ رہا تھا۔ انھیں یہی جلن ہے کہ میں گھر کی مالکہ نہیں ہوں ۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ مجھے مالکہ بننے کا کیا حق ہے۔ جسے روپیوں کا حساب تک کرنا نہیں آتا وہ گھر کی مالکہ کیسے ہو سکتی ہے؟ بنی تو تھیں سال بھر تک مالکہ، ایک پائی کی بھی بچت نہ ہوتی تھی۔ اسی آمدنی میں روپ کلا ڈھائی سو روپے بچا لیتی

تھی۔ ان کے راج میں وہی آمدنی خرچ کو بھی پوری نہ پڑتی تھی۔ کوئی بات نہیں، لاڈ پیار سے ان لڑکوں کا ستیاناس کر دیا۔ اتنے بڑے بڑے لڑکوں کو اس کی کیا ضرورت کہ جب کوئی کھلائے تو کھائیں؟ انھیں خود اپنی فکر رکھنی چاہئے۔ منشی جی تمام دن اسی اڈھیر بُن میں پڑے رہے۔ دو چار دوستوں سے بھی ذکر کیا۔ لوگوں نے کہا: اس کے کھیل کود میں روکاوٹ نہ ڈالئے۔ ابھی سے اُسے قید نہ کیجئے۔ کھلی ہوا میں چالچلن بگڑنے کی اُس سے کہیں کم اُمید ہے جتنی بند کمرہ میں۔ بُری صحبت سے ضرور بچایئے مگر یہ نہیں کہ اُسے گھر سے نکلنے ہی نہ دیجئے۔ ایام شباب میں تنہائی میں رہنا چالچلن کے لئے نہایت مضر ہے منشی جی کو اب اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ گھر لوٹ کے منسارام کے پاس گئے۔ یہ ابھی اسکول سے آیا تھا اور بغیر کپڑے اتارے ایک کتاب سامنے کھول کر سامنے کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ایک بھکارنی پر جمی ہوئی تھی جو اپنے بچہ کو گود میں لئے بھیک مانگ رہی تھی۔ بچہ ماں کی گود میں بیٹھا ہوا ایسا خوش تھا گویا وہ کسی بادشاہی تخت پر بیٹھا ہو۔ منسارام اس بچہ کو دیکھ کر رو پڑا۔ یہ بچہ کیا مجھ سے زیادہ سکھی نہیں ہے؟ اس تمام دنیا میں ایسی کونسی چیز ہے جسے وہ اس گود کے بدلہ میں پاکر خوش ہو؟ ایشور بھی ایسی کسی چیز کو نہیں بنا سکتا۔ ایشور! ایسے بچہ کو پیدا ہی کیوں کرتے ہو جسے ماں کی دائمی مفارقت کا دُکھ بھوگنا بدا ہو؟ آج مجھ سا بدنصیب اس دنیا میں اور کون ہے؟ کسے میرے کھانے پینے کی، مرنے جینے کی سدھ ہے۔ اگر آج مر بھی جاؤں تو کس کے دل کو صدمہ پہنچے گا۔ آپ کو اب مجھے رولانے میں مزہ آتا ہے۔ وہ میری صورت سے بیزار

میں ، مجھے گھر سے نکال دینے کی تیاریاں کر رہے ہیں ، آہ ماں ! تمہارا یہ پیارا بیٹا آج آوارہ اور بدچلن کہا جا رہا ہے ، وہی باپ جن کے ہاتھوں میں تم نے ہم تینوں بھائیوں کے ہاتھ دیئے تھے آج مجھے آوارہ اور بدچلن بنا رہا ہے میں اس قابل بھی نہیں کہ اس گھر میں رہ سکوں ! یہ سوچتے سوچتے منسا رام بیحد رنج سے زار و قطار رونے لگا۔

اسی وقت طوطا رام کمرہ میں آکر کھڑے ہو گئے ۔ منسا رام نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے ۔ وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا ۔ منشی جی نے شاید یہ پہلی مرتبہ اس کے کمرہ میں قدم رکھا تھا ۔ منسا رام کا دل دھڑکنے لگا کہ دیکھوں آج کیا آفت آتی ہے ۔ منشی جی نے اسے روتے دیکھ تو ایک لمحے کے لئے ان کی محبت پدری گویا خواب غفلت سے چونک پڑی ۔ گھبرا کر بولے ۔ روتے کیوں ہو ؟ بیٹا کسی نے کچھ کہا ہے

منسا رام نے بڑی مشکل سے امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر کہا ——

جی نہیں ، روتا تو نہیں ہوں ——

منشی جی ۔ تمہاری اماں نے تو کچھ نہیں کہا ؟

منسا رام ۔ جی نہیں ، وہ تو مجھ سے بولتی ہی نہیں ۔

منشی جی ۔ کیا کروں بیٹا ؟ شادی تو اس لئے کی تھی کہ بچوں کو ماں مل جائے گی مگر وہ امید پوری نہ ہوئی تو کیا بالکل نہیں بولتیں ۔

منسا رام ۔ جی نہیں ، ادھر مہینوں سے نہیں بولتیں ۔

منشی جی ۔ عجیب مزاج کی عورت ہے ، معلوم نہیں ہوتا کہ کیا چاہتی ہے اگر میں جانتا کہ اس کا ایسا مزاج ہوگا ۔ تو کبھی شادی نہ کرتا ۔ روز ایک نہ ایک بات

لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اُسی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ دن بھر نہ جانے کہاں غائب رہتا ہے۔ میں اس کے دل کی بات کیا جانتا تھا؟ سمجھا کہ تم بری صحبت میں بیٹھ کر شاید دن بھر گھوما کرتے ہو۔ کون ایسا باپ ہے جسے اپنے پیارے بیٹے کو آوارہ پھرتے دیکھ کر رنج نہ ہو؟ اسی لئے میں نے تمہیں بورڈنگ ہاوس میں رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ بس اور کوئی بات نہیں تھی، بیٹا، میں تمہارا کھیلنا کودنا بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر میرے کلیجے کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ کل مجھے معلوم ہوا کہ میں مغالطے میں تھا۔ تم شوق سے کھیلو، صبح شام میدان میں نکل جایا کرو۔ تازہ ہوا سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ جس چیز کی ضرورت ہو، مجھ سے کہو۔ ان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ لو کہ وہ گھر ہی میں نہیں ہے۔ تمہاری ماں چھوڑ کر چلی گئی تو میں تو موجود ہوں۔))

((لڑکے کا سادہ معصوم دل شفقت پدری سے مسرور ہو گیا۔ اُسے معلوم ہوا کہ گویا مجسم الشیور کھڑا ہوا ہے۔ مایوسی اور غم سے بیقرار ہو کر اس نے دل میں اپنے باپ کو بے درد اور نہ جانے کیا کیا سمجھ رکھا تھا۔ سوتیلی ماں سے اُسے کوئی گلہ نہ تھا۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میں نے اپنے دیوتا جیسے باپ کے ساتھ کتنی بے انصافی کی ہے۔ محبت کی ایک لہر سی دل میں اٹھی اور وہ باپ کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ منشی جی رقت سے بیتاب ہو گئے۔ جس لڑکے کو آنکھوں سے ایک لمحہ دور دیکھ کر ان کا دل بیقرار ہو جاتا تھا، جس کی شرافت عقل اور نیک شعاری کے اپنے پرائے سبھی تعریف کرتے تھے اُس کی جانب اُن کا دل اتنا سخت کیوں ہو گیا؟ وہ اپنے ہی عزیز لڑکے کو اپنا دشمن سمجھنے لگے

اُس کو جلا وطن کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ نرملا باپ اور بیٹے کے درمیان میں دیوار کی طرح حائل تھی نرملا کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے پیچھے ہٹنا پڑتا تھا اور باپ بیٹے میں تفرقہ پڑتا جاتا تھا۔ انجام کار آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ اپنے عزیز بیٹے سے انھیں اتنا فریب کرنا پڑ رہا ہے۔ آج بہت سوچنے کے بعد انھیں ایک ایسی ترکیب سوجھی ہے، جس سے انھیں امید ہو رہی ہے کہ وہ نرملا کے بیچ سے نکال کر اپنے دوسرے بازو کو اپنی طرف کریں گے۔ انھوں نے وہ ترکیب کرنا بھی شروع کر دی ہے۔ مگر اس سے مقصد برآری ہوگی یا نہیں، اسے کون جانتا ہے؟

جس روز سے طوطا رام نے نرملا کی بہت منت سماجت کرنے پر بھی منارام کو بورڈنگ میں بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا اُسی روز سے اُس نے منارام سے پڑھنا ترک کر دیا تھا، یہانتک کہ اس سے بولتی بھی نہ تھی۔ اُسے اپنے شوہر کی اس بدگمانی کا کچھ کچھ پتہ چل گیا تھا۔ اُف! اتنا شکی مزاج! ایشور ہی اس گھر میں لاج رکھے! ان کے دل میں ایسے ایسے بُرے خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ اتنی گئی بیتی سمجھ رہے ہیں۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر وہ کئی دن دُبلی رہی پھر اس نے سوچنا شروع کیا کہ انھیں کیوں ایسا شک ہو رہا ہے۔ مجھ میں ایسی کونسی بات ہے جو ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے؟ بہت سوچنے پر بھی اُسے اپنے میں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔ تو کیا اس کا منارام سے پڑھنا، اُس سے ہنسا بولنا ہی ان کے شک کا سبب ہے؟ تو پھر میں پڑھنا چھوڑ دوں گی بھول کر بھی منارام سے نہ بولوں گی، اس کی صورت بھی نہ دیکھوں گی۔

مگر یہ ریاضت اُسے نا قابلِ عمل معلوم ہوتی تھی۔ منسا رام سے ہنسنے بولنے میں اس کا عیش پسند تخیّل برافروختہ بھی ہوتا تھا اور مطمئن بھی۔ اُس سے باتیں کرتے ہوئے اُسے ایک قسم کے سکھ کا احساس ہوتا تھا جس کو وہ الفاظ میں ظاہر نہ کر سکتی تھی۔ نفس پرستی کا اُس کے دل میں شائبہ بھی نہ تھا۔ وہ خواب میں بھی منسا رام سے ناجائز محبت کرنے کی بات نہ سوچ سکتی تھی۔ ہر شخص کو اپنے ہمجولیوں کے ساتھ ہنسنے بولنے کی جو ایک قدرتی خواہش ہوتی ہے اُس کے پورا کرنے کا یہ ایک نامعلوم ذریعہ تھا۔ اب وہ ناتمام خواہش نرملا کے دل میں چراغ کی طرح جلنے لگی۔ رہ رہ کر اس کا دل کسی نامعلوم درد سے بےچین ہو جاتا کسی نامعلوم گم شدہ چیز کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی رہتی۔ جہاں بیٹھتی وہاں بیٹھی ہی رہ جاتی۔ کسی کام میں دل نہ لگتا تھا۔ ہاں جب منشی جی آ جاتے تو وہ اپنی تمام خواہشات کو مایوسی میں جذب کر کے اُن سے مسکرا کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگتی۔

کل جب منشی جی کھانا کھا کر کچہری چلے گئے تو رُکمنی نے نرملا کو خوب طعنے دیئے۔ "جانتی تو تھی کہ یہاں بچوں کو پالنا پڑے گا تو کیوں گھر والوں سے نہیں کہہ دیا کہ وہاں میرا بیاہ نہ کرو؟ وہاں جاتیں جہاں مرد کے سوا اور کوئی نہ ہوتا وہی یہ بناؤ سنگار دیکھ کر خوش ہوتا، اپنے بھاگ کو سراہتا۔ یہاں یہ بوڑھا آدمی تمہارے رنگ رُوپ اور نخروں پر کیا ریجھیگا؟ اُس نے انھیں بچوں کی سیوا کرنے کے لئے تم سے بیاہ کیا ہے، مزہ اٹھانے کے لئے نہیں" اسی طرح وہ بڑی دیر تک زخم پر نمک چھڑکتی رہی مگر نرملا نے زبان تک نہ ہلائی۔ وہ اپنی

صفائی پیش کرنا چاہتی تھی مگر کر نہ سکتی تھی۔ اگر وہ کہے کہ میں وہی کر رہی ہوں جو میرے شوہر کی مرضی ہے تو گھر کا راز افشا ہوتا ہے۔ اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اُس کی اصلاح کرتی ہے تو اندیشہ ہے کہ اُس کا نہ جانے کیا انجام ہو وہ تو بڑی صاف گو تھی، سچ کہنے میں اُسے تامل یا خوف نہ ہوتا تھا۔ مگر اس نازک موقع پر اُس کو خاموش رہ جانا پڑا۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا وہ دیکھتی تھی کہ منسا رام بہت بے تعلق اور مغموم رہتا ہے۔ یہ بھی دیکھتی تھی کہ وہ روز بروز نحیف ہوتا جاتا ہے لیکن قول و فعل ہر دو پر مہر لگی ہوئی تھی۔ چور کے گھر میں چوری ہو جانے سے اُس کی جو حالت ہو جاتی ہے وہی حالت اس وقت نرملا کی ہو رہی تھی۔

(۸)

جب کوئی بات ہماری اُمید کے خلاف ہوتی ہے جبھی افسوس ہوتا ہے منسا رام کو نرملا سے کبھی اس بات کی اُمید نہ تھی کہ وہ اُس کی شکایت کرے گی۔ اس لئے اس کو بڑی بےچینی ہو رہی تھی۔ یہ کیوں میری شکایت کرتی ہیں۔ کیا چاہتی ہیں؟ یہی نہ کہ یہ میرے شوہر کی کمائی کھاتا ہے، اس کے پڑھانے لکھانے میں روپئے خرچ ہوتے ہیں، کپڑے پہنتا ہے۔ وہ یہی چاہتی ہوں گی کہ یہ گھر میں نہ رہے، میرے نہ رہنے سے اُن کے روپئے بچ جائیں گے۔ وہ مجھ سے خوش رہتی ہیں، میں نے کبھی اُن کے منہ سے سخت الفاظ نہیں سُنے۔ کیا یہ سب بناوٹ ہو سکتا ہے۔ چڑیا کو جال میں پھنسانے سے پہلے شکاری دانے بکھیرتا ہے۔ آہ میں نہ جانتا تھا کہ دانے کے نیچے جال ہے۔ یہ مہرمادری صرف میری جلاوطنی کی

تمہید ہے!

اچھا، میرا یہاں رہنا انھیں کیوں بُرا لگتا ہے؟ جو اُن کا شوہر ہے کیا وہ میرا باپ نہیں؟ کیا باپ بیٹے کا رشتہ عورت مرد کے رشتے سے کچھ کم مضبوط ہے؟ اگر مجھے اُن کے مختار کل ہونے سے حسد نہیں، وہ جو چاہیں کریں میں منہ نہیں کھول سکتا، تو وہ مجھے محبت پدری سے کیوں محروم کرنا چاہتی ہیں؟ وہ اپنی سلطنت میں کیوں مجھے انگل بھر زمین بھی نہیں دینا چاہتیں؟ آپ پختہ محل میں رہ کر کیوں مجھے درخت کے سایہ میں بیٹھنے نہیں دیکھ سکتیں؟

ہاں وہ سمجھتی ہوں گی کہ یہ بڑا ہو کر میرے شوہر کے سرمایہ کا مالک ہو جائے گا پس اس کو ابھی سے نکال باہر کرنا اچھا ہے۔ اُن کو کیسے یقین دلاؤں کہ میری جانب سے ایسا شبہ نہ کریں؟ انھیں کیونکر بتاؤں کہ منشا رام زہر کھا کر جان دیدیگا اس سے قبل کہ وہ ان کا نقصان کرے؟ اُسے خواہ کتنی ہی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں وہ اُن کے دل کا کانٹا نہ بنے گا۔ یونتو والد صاحب نے مجھے پیدا کیا ہے اور اب بھی مجھ پر اُن کی شفقت کم نہیں ہے۔ لیکن کیا میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ جس دن والد صاحب نے اُن سے شادی کی اُسی دن اُنھوں نے ہم کو اپنے دل سے باہر نکال دیا؟ اب ہم یتیموں کی طرح یہاں پڑے رہ سکتے ہیں، اس مکان میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شاید پورب جنم سے سنسکاروں کی بدولت یہاں دیگر یتیموں سے ہماری حالت کچھ بہتر ہے مگر ہیں ہم یتیم ہی! ہم اُسی دن یتیم ہوئے جس دن اماں جی پرلوک سدھاریں۔ جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ اِس شادی نے پوری کر دی۔ میں تو خود پہلے ان سے کوئی خاص

تعلق نہ رکھتا تھا۔ اگر انھیں دنوں باپ سے میری شکایت کی ہوتی تو شائد مجھے اس قدر ملال نہ ہوتا۔ میں تو اس صدمہ کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ دُنیا میں کیا کہیں میرا ٹھکانہ نہیں ہے؟ کیا میں مزدوری بھی نہیں کرسکتا؟ لیکن انھوں نے چوٹ بُرے وقت میں کی۔ درندے بھی آدمی غافل پاکر ہی چوٹ کرتے ہیں۔ اس لئے میری اتنی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ کھانا کھانے کے لئے اُٹھنے میں ذرا بھی دیر ہوجاتی تو بلاوے پر بلاوے آتے تھے، ناشتہ کے لئے علی الصباح تازہ حلوا پکایا جاتا تھا۔ برابر پوچھا جاتا تھا کہ روپیوں کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اس لئے یہ ایک سو ساٹھ روپئے کی گھڑی منگوائی گئی تھی!

مگر کیا انھیں کوئی دوسری شکایت نہ سوجھی جو مجھے آوارہ کہا؟ آخر انھوں نے میری کیا آوارگی دیکھی؟ وہ کہہ سکتی تھیں کہ اس کا جی پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا۔ ایک نہ ایک چیز کے لئے روزانہ روپئے مانگتا رہتا ہے۔ یہی ایک بات انھیں کیوں سوجھی؟ شاید اسی لئے کہ یہی سب سے سخت حملہ ہے جو وہ مجھ پر کرسکتی ہیں۔ اول ہی بار انھوں نے مجھ پر آگ بھرا تیر سر کردیا جس سے کہیں پناہ نہیں۔ اس لئے نہ کہ یہ باپ کی نظروں میں گرجاوے؟ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں رکھنے کا تو ایک حیلہ تھا، مطلب یہی تھا کہ اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا جاوے دو چار ماہ بعد خرچ بھی دینا بند کردیا جاوے پھر یہ خواہ مرے یا جئے اگر میں جانتا کہ یہ ترغیب ان کی جانب سے ہوئی ہے تو کہیں جگہ رہنے پر بھی جگہ نکال لیتا۔ نوکروں کی کوٹھریوں میں تو جگہ مل جاتی، برآمدہ میں پڑے رہنے کے لئے بہت جگہ مل جاتی! خیر اب بھی سویرا ہے، جب محبت نہیں رہی تو صرف پیٹ بھرنے

کے لئے یہاں پڑا رہنا بےحیائی ہے۔ یہ اب میرا گھر نہیں ہے، اسی گھر میں پیدا ہوا ہوں یہیں کھیلا ہوں۔ مگر یہ اب میرا نہیں! والد صاحب بھی میرے والد نہیں ہیں، میں ان کا بیٹا ہوں مگر وہ میرے باپ نہیں ہیں۔ دُنیا کے سارے رشتے محبّت کے رشتے ہیں، جہاں محبت نہیں وہاں کچھ نہیں۔ ہائے امّاں، تم کہاں ہو؟

یہ سوچ کر منسا رام رونے لگا۔ جیوں جیوں مہربان مادری کی یاد تازہ ہوتی تھی اس کے آنسو اُمنڈے آتے تھے۔ وہ کئی بار اماں اماں پکار اُٹھا گویا وہ کھڑی سُن رہی ہو۔ ماں کے نہ ہونے کے غم کا آج اس کو پہلی بار تجربہ ہوا۔ وہ خوددار تھا، ہمتی تھا، مگر اب تک نازونعمت سے پرورش ہونے کے سبب وہ اس وقت اپنے کو بےیار و مددگار سمجھ رہا تھا۔

رات کے دس بج گئے تھے۔ منشی جی آج کہیں دعوت کھانے گئے ہوئے تھے۔ دو بار مہری منسا رام کو کھانے کے لئے بلانے آچکی تھی۔ منسا رام نے آخر بار اُس سے جھنجھلا کر کہدیا تھا کہ "مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں کچھ نہ کھاؤں گا۔ بار بار سر پر آکر سوار ہو جاتی ہے" اس لئے جب نرملا نے اُسے پھر اسی کام پر بھیجنا چاہا تو وہ نہ گئی۔ بولی —— بہو جی، وہ میرے بلانے سے نہ آویں گے۔

نرملا۔ آویں گے کیوں نہیں؟ جا کر کہدے، کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔ دو ہی چار لقمے کھالیں۔

مہری۔ میں یہ سب کہہ کر ہار گئی، نہیں آتے۔

نرملا۔ تو نے یہ کہا تھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہیں؟

مہری۔ نہیں بہو جی، یہ تو میں نے نہیں کہا، جھوٹ کیوں بولوں؟

زرملا۔ اچھا تو جاکر یہی کہہ دو۔ کہہ دینا کہ وہ بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ تم نہ کھاؤ گے تو وہ رسوئی اُٹھا کر سو رہیں گی۔ میری بھنگی! اب کی اور چلی جا۔ (ہنس کر) نہ آویں تو گود میں اُٹھا لانا۔

بھنگی ناک بھوں سکوڑتی گئی مگر ایک ہی لمحہ میں آکر بولی۔ ارے بہو جی، وہ تو رو رہے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟

زرملا اس طرح چونک کر اُٹھی اور دو تین قدم آگے چلی گویا کسی ماں نے اپنے بیٹے کے کنوئیں میں گر پڑنے کی خبر پائی ہو۔ پھر وہ ٹھٹک گئی اور بھنگی سے بولی — رو رہے ہیں؟ تو نے پوچھا۔ کیوں رو رہے ہیں؟

بھنگی۔ نہیں بہو جی، یہ تو میں نے نہیں پوچھا جھوٹ کیوں بولوں؟

وہ رو رہے ہیں! اس پُرسکون شب میں تنہا بیٹھے ہوئے وہ رو رہے ہیں؟ ماں کی یاد آئی ہوگی۔ کیسے جاکر انھیں سمجھاؤں؟ ہائے کیسے سمجھاؤں، یہاں تو پھینکتے ہوئے ناک کٹتی ہے! الٰہی تم گواہ ہو اگر میں نے کبھی انھیں بھول کر بھی کچھ کہا ہو تو میرے آگے آئے۔ میں کیا کروں؟ وہ دل میں سمجھتے ہوں گے کہ اسی نے باپ سے میری شکایت کی ہوگی۔ کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے کبھی تمہارے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا؟ اگر میں ایسے دیوتا کی سی عادت والے لڑکے کا برا چاہتیوں تو مجھ سے بڑھ کر چڑیل سنسار میں نہ ہوگی۔

زرملا دیکھتی تھی کہ منسارام کی صحت روز بروز بگڑتی جاتی ہے وہ روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اس کے چہرہ کی رونق دن بدن مدھم پڑتی جاتی ہے اُس کا خوشنما بدن خشک ہوتا جاتا ہے، اس کا سبب بھی اس سے پوشیدہ نہ تھا مگر وہ

اس بارہ میں اپنے شوہر سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر اس کا دل تڑپا کرتا تھا مگر اس کی زبان نہ کھل سکتی تھی۔ وہ کبھی کبھی دل میں جھنجھلاتی کہ منارام کیوں ذرا سی بات پر اتنا رنج کرتا ہے، کیا ان کے آوارہ کہنے سے وہ آوارہ ہو گیا؟ میری بات ہے، ایک ذرا سا شک مجھے تباہ کر سکتا ہے مگر اُسے ایسی باتوں کی اتنی کیا پرواہ ہے)

اس کے دل میں زبردست تحریک ہوئی کہ جا کر انھیں چپ کراؤں اور لا کر کھانا کھلا دوں۔ بیچارے رات بھر بھوکے پڑے رہیں گے۔ ہائے میں ہی تو اس فساد کی جڑ ہوں۔ میرے آنے سے پہلے اس گھر میں امن و امان تھا۔ باپ بچوں پر جان دیتا تھا۔ بچے باپ کو پیار کرتے تھے۔ میرے آتے ہی سارے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا نتیجہ کیا ہوگا؟ بھگوان ہی جانیں۔ بھگوان مجھے بھی نہیں دیتے! بیچارہ اکیلا بھوکا پڑا ہے، اس وقت بھی منہ جوٹھا کر کے اٹھ گیا تھا اور پھر اس کا کھانا ہی کیا ہے، جتنا وہ کھاتا ہے اتنا تو سال دو سال کے بچے کھا جاتے ہیں۔

نرملا چلی، شوہر کی مرضی کے خلاف چلی۔ جو رشتے میں اس کا بیٹا ہوتا تھا اسی کو منانے جاتے اُس کا دل کانپ رہا تھا۔ اس نے پہلے رکمنی کے کمرہ کی طرف دیکھا، وہ کھانا کھا کر بے خبر سو رہی تھیں۔ پھر باہر کے کمرہ کی طرف گئی، وہاں بھی سناٹا تھا۔ منشی جی ابھی نہ آئے تھے۔ یہ سب دیکھ بھال کر وہ منارام کے کمرہ کے سامنے جا پہنچی۔ کمرہ کھلا ہوا تھا۔ منارام ایک کتاب سامنے رکھے میز پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ گویا رنج و تفکر کا زندہ مجسمہ ہو! نرملا نے پکارنا چاہا

مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکلی۔

دفعتاً منسا رام نے سر اٹھا کر دروازہ کی طرف دیکھا۔ نرملا کو دیکھ کر وہ اندھیرے میں پہچان نہ سکا۔ چونک کر بولا۔ کون؟

نرملا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں تو ہوں۔ کھانا کھانے کیوں نہیں چل رہے ہو؟ کتنی رات گئی؟

منسا رام نے منہ پھیر کر کہا۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔

نرملا۔ یہ تو میں تین بار رھنگی سے سن چکی ہوں۔

منسا رام۔ تو چوتھی بار میرے منہ سے سن لیجئے۔

نرملا۔ شام کو بھی تو کچھ نہیں کھایا تھا، بھوک کیوں نہیں لگی؟

منسا رام نے طنز کی ہنسی ہنس کر کہا۔ بہت بھوک لگے گی تو آئیگا کہاں سے؟

یہ کہہ کر منسا رام نے کمرہ کا دروازہ بند کرنا چاہا لیکن نرملا کواڑ کو ہٹا کر کمرہ میں داخل ہوگئی اور منسا رام کا ہاتھ پکڑ کر بادیدۂ نم، عاجزی کے لہجہ میں بولی میرے کہنے سے چل کر تھوڑا سا کھا لو۔ تم نہ کھاؤ گے تو میں بھی جا کر سو رہوں گی دو ہی لقمے کھانا۔ کیا مجھے رات بھر بھوکوں مارنا چاہتے ہو؟

منسا رام سوچ میں پڑ گیا۔ ابھی تک اس نے بھی کھانا نہیں کھایا میرے ہی انتظار میں بیٹھی رہی! یہ محبت اور انکسار کی دیوی ہے یا حسد اور نحوست کی دھوکا دینے والی عورت؟ اسے اپنی ماں کی یاد آگئی۔ جب وہ روٹھ جاتا تھا تو وہ بھی اسی طرح منانے آیا کرتی تھیں اور جب تک وہ نہ جاتا تھا وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ وہ اس التجا کو نامنظور نہ کر سکا، بولا

میرے لئے آپ کو اتنی تکلیف ہوئی، اس کا مجھے افسوس ہے۔ میں جانتا کہ آپ میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہیں تو کبھی کا کھا آیا ہوتا۔

نرملا نے حقارت کے انداز سے کہا۔ یہ تم کیسے سمجھ سکتے تھے کہ تم بھوکے رہو گے اور میں کھا کر سو رہوں گی؟ کیا سوتیلی ماں کا ناطہ ہونے ہی سے میں اتنی خودغرض ہو جاؤں گی؟

دفعتاً باہر کے کمرہ میں منشی جی کے کھانسنے کی آواز آئی، ایسا معلوم ہوا کہ وہ منسارام کے کمرہ کی طرف آ رہے ہیں۔ نرملا کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ فوراً کمرہ سے باہر نکل گئی اور اندر جانے کا موقع نہ پا کر سخت لہجہ میں بولی میں لونڈی نہیں ہوں کہ اتنی رات تک کسی کے لئے رسوئی خانہ کے دروازہ پر بیٹھی رہوں۔ جسے نہ کھانا ہو وہ پہلے ہی کہہ دیا کرے۔ منشی جی نے نرملا کو وہاں کھڑے دیکھا۔ یہ اندھیر! یہ کیا کرنے یہاں آ گئی؟ بولے۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟ نرملا نے کرخت آواز میں کہا۔ کہ کیا کر رہی ہوں، اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں؛ بس ساری برائیوں کی جڑ میں ہی ہوں۔ کوئی ادھر روٹھا بیٹھا ہے، کوئی منہ پھلائے پڑا ہے۔ کس کس کو مناؤں اور کہاں تک مناؤں؟

منشی جی کچھ متعجب ہو کر بولے۔ بات کیا ہے؟

نرملا۔ کھانا کھانے نہیں جاتے اور کیا بات ہے۔ دس مرتبہ مہری کو بھیجا۔ آخر آپ دوڑی آئی۔ انھیں تو اتنا کہہ دینا آسان ہے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ یہاں تو کل گھر کی لونڈی ہوں، ساری دنیا منہ میں کالکھ لگانے کو تیار

ہے اگر کسی کو بھوک نہ ہو مگر کہنے والوں کو یہ کہنے سے کون روکے گا کہ یہ چڑیل کسی کو کھانا نہیں دیتی؟ منشی جی نے منسا رام سے کہا۔ کھانا کیوں نہیں کھا لیتے جی، جانتے ہو کیا وقت ہے؟

منسا رام سکتہ میں کھڑا تھا۔ اُس کے سامنے ایک ایسا کھیل ہو رہا تھا جس کا بھید وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکتا تھا جن آنکھوں میں ایک لمحہ قبل عاجزی کے آنسو بھرے ہوئے تھے اُن میں یکایک حسد کی آگ کہاں سے پیدا ہو گئی؛ جن ہونٹوں سے ایک لمحہ قبل امرت کی برشا ہو رہی تھی اُن سے زہر کے قطرے کیوں ٹپکنے لگے۔ اُسی سکتہ کی حالات میں بولا۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ منشی جی نے جھڑک کر کہا۔ کیوں بھوک نہیں ہے؟ بھوک نہیں تھی تو شام ہی کو کیوں نہ کہلا دیا؟ تمہاری بھوک کے انتظار میں کون تمام رات بیٹھا رہے؟ تم میں پہلے تو یہ عادت نہ تھی، روٹھنا کب سے سیکھ لیا؟ جاکر کھا لو۔

منسا رام۔ جی نہیں، مجھے ذرا بھی بھوک نہیں ہے۔

طوطا رام نے دانت پیس کر کہا۔ اچھی بات ہے، جب بھوک لگے تب کھانا یہ کہتے ہوئے وہ اندر چلے گئے۔ نرملا بھی اُن کے پیچھے ہی پیچھے چلی گئی۔ منشی جی تو لیٹنے چلے گئے، اُس نے جاکر رسوئی اٹھا دی اور کلّی کرکے پان کھا کر مسکراتی ہوئی آ پہنچی۔ منشی جی نے پوچھا کھانا کھا لیا نہ؟

نرملا۔ کیا کرتی؟ کس کے لئے اَن جل چھوڑ دیتی؟

منشی جی۔ اِسے نہ جانے کیا ہو گیا ہے، کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ دن دن گھلتا چلا جاتا ہے، دن بھر اُسی کمرہ میں پڑا رہتا ہے۔

نرملا کچھ نہ بولی۔ وہ تفکر کے بحرِ ناپیداکنار میں غوطے کھا رہی تھی۔ منسارام نے میرے تغیّر کو دیکھ کر دل میں کیا سمجھا ہوگا؟ کیا اُس کے دل میں یہ سوال نہ پیدا ہوا ہوگا کہ باپ کو دیکھتے ہی اس کی تیوریاں کیوں بدل گئیں؟ اس کا سبب بھی کیا اُس کی سمجھ میں آگیا ہوگا؟ بیچارہ کھانے آرہا تھا، تب تک یہ حضرت نہ جانے کہاں سے پھٹ پڑے۔ اِس بھید کو اُسے کیسے سمجھاؤں؟ سمجھانا ممکن بھی ہے؟ اے بھگوان، میں کس مصیبت میں پھنس گئی؟

سویرے وہ اُٹھ کر گھر کے کام دھندے میں لگی۔ دفعتاً نو بجے بھنگی نے آکر کہا۔ منسا بابو تو اپنے کاگد پتر سب یکّہ پر لاد رہے ہیں۔

نرملا نے متحیر ہو کر کہا۔ یکّہ پر لاد رہے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟

بھنگی۔ میں نے پوچھا تو بولے کہ اب اسکول ہی میں رہوں گا۔

منسارام علی الصباح اُٹھ کر اپنے اسکول کے ہیڈماسٹر کے پاس گیا تھا۔ اور اپنے رہنے کا بندوبست کرآیا تھا۔ ہیڈماسٹر صاحب نے پہلے تو کہا کہ یہاں جگہ نہیں ہے اور تم سے پہلے کے کتنے ہی لڑکوں کی عرضیاں پڑی ہوئی ہیں، مگر جب منسارام نے کہا کہ مجھے جگہ نہ ملے گی تو شاید میرا پڑھنا نہ ہو سکے اور میں امتحان میں بھی شریک نہ ہو سکوں، تو ہیڈماسٹر صاحب کو ہار ماننی پڑی۔ منسارام کے اوّل درجہ میں پاس ہونے کی اُمید تھی۔ ماسٹروں کو یقین تھا کہ اس سکول کی شہرت کو چمکائے گا۔ ہیڈماسٹر صاحب ایسے لڑکے کو کس طرح چھوڑ سکتے تھے؟ اُنھوں نے اپنے دفتر کا کمرہ اُس کے لئے خالی کر دیا۔ اور منسارام وہاں سے آتے ہی اپنا سامان یکّے پر لادنے لگا۔

منشی جی نے کہا۔ ابھی ایسی کیا عجلت ہے، دو چار روز میں چلے جانا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے کوئی اچھا باورچی مقرر کر دوں۔

منسا رام۔ وہاں کا باورچی بہت عمدہ کھانا پکاتا ہے۔

منشی جی۔ اپنی صحت کا خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ پڑھنے کے پیچھے تندرستی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔

منسا رام۔ وہاں نو بجے کے بعد کوئی پڑھنے ہی نہیں پاتا اور سب کو قاعدہ کے ساتھ کھیلنا پڑتا ہے۔

منشی جی۔ بستر کیوں چھوڑ دیتے ہو؟ بچھاؤ گے کیا؟

منسا رام۔ کمبل لئے جاتا ہوں، بستر کی ضرورت نہیں۔

منشی جی۔ کہار جب تک تمہارا سامان رکھ رہا ہے۔ جا کر کچھ کھا لو۔ رات بھی تو تم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

منسا رام۔ وہیں کھا لوں گا۔ باورچی سے کھانا بنانے کو کہہ آیا ہوں۔ یہاں کھانے لگوں گا تو دیر ہوگی۔

گھر میں جیا رام اور سیا رام بھی بھائی کے ساتھ جانے پر مصر ہو رہے تھے۔ نرملا ان دونوں کو بہلا رہی تھی۔ بیٹا، وہاں چھوٹے لڑکے نہیں رہتے سب اپنے ہی ہاتھ سے کرنا پڑتا ——

یکایک رکمنی نے آ کر کہا —— تمہارا پتھر کا کلیجہ ہے، مہارانی! لڑکے نے رات بھی کچھ نہیں کھایا اور اس وقت بھی بغیر کھائے پیئے چلا جا رہا ہے یہاں تم لڑکوں کو لئے باتیں کر رہی ہو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ اسکول نہیں جا رہا

ہے، بن باس لے رہا ہے۔ لوٹ کر پھر نہ آوے گا۔ وہ اُن لڑکوں میں نہیں ہے جو کھیل میں مار کھا کر بھول جاتے ہیں۔ بات اُس کے دل پر پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔

نرملا نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ کیا کروں جی جی؟ وہ کسی کی سُنتے ہی نہیں آپ ذرا جا کر بُلا لیں، آپ کے بُلانے سے آ جائیں گے۔

رُکمنی۔ آخر ہوا کیا، جس پر وہ بھاگا جاتا ہے؟ گھر سے تو اُس کا جی کبھی اُچاٹ نہ ہوتا تھا۔ اُسے تو اپنے گھر کے سوا اور کہیں اچھا ہی نہ لگتا تھا۔ تمہیں نے اُسے کچھ کہا ہوگا یا اُس کی کچھ شکایت کی ہوگی۔ کیوں اپنے لئے کانٹے بو رہی ہو؟ رانی! گھر کو مٹی میں ملا کر تم چین سے نہ بیٹھنے پاؤ گی۔

نرملا نے رو کر کہا۔ میں نے انھیں کچھ کہا ہو تو میری زبان کٹ جائے، ہاں سوتیلی ہونے کے سبب بدنام تو ہوں ہی۔ آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں ذرا جا کر انھیں بلا لائیے۔

رُکمنی نے تیز لہجہ میں کہا۔ تم کیوں نہیں بلا لاتیں؟ کیا چھوٹی ہو جاؤ گی؟ اپنا ہونا تو کیا اسی طرح بیٹھی رہتیں؟

نرملا کی حالت اس پرندہ کی ہو رہی تھی جو سانپ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اُڑنا چاہتا ہے مگر اُڑ نہیں سکتا۔ اُچھلتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ پروں کو پھڑپھڑا کر رہ جاتا ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا۔ مگر وہ باہر نہ جا سکتی تھی۔

اتنے میں دونوں لڑکے روتے ہوئے اندر آ کر بولے۔ بھیا جی، چلے گئے! نرملا بُت بنی کھڑی رہی گویا بجلی ہو گئی ہو۔ چلے گئے، گھر میں آئے تک نہیں؟

مجھ سے ملے تک نہیں! چلے گئے! مجھ سے اتنی نفرت! میں اُن کی کوئی نہ سہی، ان کی بوا تو تھیں۔ اُن سے ملنے تو آنا چاہئے تھا۔ میں یہاں تھی نہ! اندر کیسے قدم رکھتے؟ میں دیکھ لیتی نہ! اسی لئے چلے گئے۔

(۹)

منسارام کے جانے سے گھر سونا ہو گیا۔ دونوں چھوٹے لڑکے اسی اسکول میں پڑھتے تھے۔ نرملا روز اُن سے منسارام کا حال پوچھتی۔ یہ اُمید تھی کہ تعطیل کے روز وہ آئے گا۔ لیکن جب تعطیل کا دن ختم ہو گیا اور وہ نہ آیا تو نرملا کی طبیعت گھبرانے لگی۔ اُس نے اُس کے لئے مونگ کے لڈو بنا رکھے تھے۔ سوموار کو صبح بھنگی کو لڈو دے دے کر اسکول بھیجا۔ نو بجے بھنگی واپس آئی۔ منسارام نے لڈو جیوں کے تیوں لوٹا دئے تھے۔

نرملا نے پوچھا۔ پہلے سے کچھ ہرے ہوئے ہیں ذرے؟

بھنگی۔ ہرے ذرے تو نہیں ہوئے، اور سوکھ گئے ہیں۔

نرملا۔ کیا جی اچھا نہیں ہے کیا؟

بھنگی۔ یہ تو میں نے نہیں پوچھا بہو جی! جھوٹ کیوں بولوں؟ ہاں وہاں کا کہار میرا دیور لگتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ تمہارے بابو جی کی خوراک کچھ نہیں ہے۔ دو پھلکیاں کھا کر اُٹھ جاتے ہیں۔ پھر دن بھر کچھ نہیں کھاتے۔ ہر دم پڑھتے ہیں۔

نرملا۔ تو نے پوچھا نہیں کہ لڈو کیوں لوٹا دیتے ہو؟

بھنگی۔ یہ تو نہیں پوچھا، بہو جی، جھوٹ کیوں بولوں۔ اُنھوں نے کہا کہ اسے لیتی جا۔ یہاں رکھنے کا کچھ کام نہیں۔ میں لیتی آئی۔

نرملا۔ اور کچھ نہیں کہتے تھے؟ پوچھا نہیں کہ کل کیوں نہیں آئے چھٹی تو تھی۔

بھنگی۔ بہو جی! جھوٹ کیوں بولوں، یہ پوچھنے کی تو مجھے سدھ نہ رہی۔ ہاں یہ کہتے تھے کہ اب تو یہاں کبھی نہ آنا، نہ میرے لئے کوئی چیز لانا اور اپنی بہو جی سے کہہ دینا کہ میرے پاس کوئی چٹھی پتر نہ بھیجیں لڑکوں سے بھی میرے پاس کوئی سندیسہ نہ بھیجیں۔ اور ایک بات ایسی کہی بہو جی، کہ میرے مُنہ سے نکل نہیں سکتی پھر رونے لگے۔

نرملا۔ کون بات تھی؟ کہہ تو۔

بھنگی۔ کیا کہوں بہو جی، کہتے تھے کہ میرے جینے کو دھکار ہے۔ یہی کہکر رونے لگے۔

نرملا کے مُنہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ ایسا معلوم ہوا گویا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اُس کا رویاں رویاں رونے لگا۔ وہ وہاں بیٹھی نہ رہ سکی۔ جاکر بستر پر مُنہ ڈھانک کر پڑ رہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بھی جان گئے، یہی آواز اس کے دل میں بار بار گونجنے لگی۔ وہ جان گئے، بھگوان! اب کیا ہوگا؟ جس شبہ کی آگ میں وہ جل رہی تھی وہ اب سو گنے زور سے دہکنے لگی۔ اُسے اپنی کوئی فکر نہ تھی۔ زندگی میں اب آرام کی کیا اُمید تھی جس کی اُسے خواہش ہوتی؟ اُس نے اپنے دل کو اس خیال سے سمجھایا تھا کہ یہ میرے اگلے جنم کے پاپوں کا پرائشچت ہے۔ کون شخص ایسا بیجا ہوگا جو اس حالت میں بہت دن زندہ رہے فرض پر اُس نے اپنی زندگی اور اس کی ساری تمنائیں قربان کر دی تھیں۔ دل روتا رہتا تھا مگر ہونٹوں پر ہنسی کا سوانگ بھرنا پڑتا تھا۔ جس کا مُنہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا تھا اُس کے آگے ہنس ہنس کر باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ جس بدن کا چھونا اُسکو سانپ کے سرد جسم کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اُس سے لپٹ کر اُس کو جتنی نفرت اور

دلی اذیت ہوتی تھی اُسے کون جان سکتا ہے؟ اسوقت اُس کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ لیکن یہ ساری باتیں اپنے ہی تک محدود تھیں اور اپنی فکر کرنا اُس نے ترک کر دیا تھا لیکن یہ مسئلہ اب بہت زیادہ نازک ہو گیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے منسا رام کی دلی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ منسا رام جیسے بیدار مغز اور جری نوجوان پر اس الزام کا جو اثر پڑ سکتا تھا اُس کے خیال ہی سے اُس کی رُوح لرز جاتی تھی۔ اب خواہ اُس پر کتنے ہی شکوک کیوں نہ ہوں، خواہ اُسے خودکشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے مگر وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ منسا رام کی حفاظت کرنے کے لئے بے قرار ہو گئی اُس نے تامل اور حیا کی چادر اُتار کر پھینک دینے کا تہیہ کر لیا۔

وکیل صاحب کھانا کھا کر کچہری جانے کے قبل ایک بار اُس سے ضرور مل لیا کرتے تھے۔ اُن کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ آتے ہی ہونگے، یہ سوچ کر نرملا دروازہ پر کھڑی ہو گئی اور ان کا انتظار کرنے لگی لیکن یہ کیا؟ وہ تو باہر چلے جا رہے ہیں گاڑی تیار ہو کر آ گئی۔ اس کے لئے وہ یہیں سے حکم دیا کرتے تھے۔ تو کیا آج وہ نہ آئیں گے، باہر ہی باہر چلے جائیں گے؟ نہیں، ایسا نہیں ہونے پائیگا۔ اُس نے بھُنگی سے کہا۔ جا کر بابو جی کو بُلا لا۔ کہنا کہ ایک ضروری کام ہے، سُن لیجئے۔

منشی جی جانے کو تیار ہی تھے۔ یہ پیغام پا کر اندر آئے مگر کمرہ میں نہ آ کے دُور ہی سے پُوچھا۔ کیا بات ہے بھئی، جلد کہہ دو، مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ابھی ذرا دیر ہوئی کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا ایک خط آیا ہے کہ منسا رام کو بخار آ گیا ہے پس بہتر ہوگا کہ آپ مکان ہی پر اُس کا علاج کریں۔ اس لئے ادھر

ہی سے ہوتا ہوا کچہری جاؤں گا۔ تمہیں کوئی خاص بات تو نہیں کہنی ہے۔

نرملا پر گویا بجلی گر پڑی۔ آنسوؤں کے جوش اور حلق کی آواز میں سخت مقابلہ ہونے لگا۔ دونوں ہی پہلے نکلنے پر تلے ہوئے تھے۔ دو میں سے کوئی ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ آواز کی کمزوری اور آنسوؤں کی طاقت دیکھ کر یہ تصفیہ کرنا مشکل نہ تھا کہ ایک لمحہ یہی مقابلہ جاری رہا تو سید ان کس کے ہاتھ رہے گا۔ آخر دونوں ساتھ نکلنے لیکن باہر آتے ہی طاقتور نے کمزور کو دبا دیا۔ صرف اتنا منہ سے نکلا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی، آپ تو اُدھر جا ہی رہے ہیں۔

منشی جی۔ میں نے لڑکوں سے پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ کل بیٹھے پڑھ رہے تھے، آج نہ جانے کیا ہو گیا۔

نرملا نے جوش سے کانپتے ہوئے کہا۔ یہ سب آپ ہی کر رہے ہیں!

منشی نے تیوریاں بدل کر کہا۔ میں کر رہا ہوں! میں کیا کر رہا ہوں؟

نرملا اپنے دل سے پوچھئے

منشی جی۔ میں نے تو یہی سوچا تھا کہ یہاں اس کا پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔ وہاں اور لڑکوں کے ساتھ خواہ مخواہ پڑھے گا۔ یہ تو کوئی بُری بات نہ تھی۔ اور مینے کیا کیا؟

نرملا خوب سوچئے! اسی لئے آپ نے اُن کو وہاں بھیجا تھا؟ آپکے دل میں کوئی اور بات نہ تھی؟

منشی جی ذرا ہچکچائے اور اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے مسکرانے کی کوشش کر کے بولے۔ اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ بھلا تمہیں سوجھ۔

نرملا۔ خیر، یہی سہی۔ اب آپ مہربانی کر کے انھیں آج ہی لیتے آئیے گا۔ وہاں

رہنے سے اُن کی بیماری بڑھ جانے کا خوف ہے۔ یہاں جی جی جتنی تیمارداری کر سکتی ہیں، دوسرا نہیں کر سکتا۔

ایک لمحہ کے بعد اُس نے سر نیچا کر کے پھر کہا۔ میرے سبب سے نہ لانا چاہتے ہوں تو مجھے میرے گھر بھیج دیجئے۔ میں وہاں آرام سے رہوں گی۔

منشی جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ باہر چلے گئے اور ایک لمحہ بعد گاڑی اسکول کی طرف چلی۔

دل! تیری ہی کتنی عجیب حالت ہے، کتنی پراسرار، کتنی ناقابل فہم۔ تو کتنی جلد رنگ بدلتا ہے۔ اس فن میں تو ماہر ہے۔ آتشباز کی چرخی کو بھی رنگ بدلتے کچھ دیر لگتی ہے مگر تجھے ایسا کرنے میں اس کا ایک لاکھواں حصہ وقت بھی نہیں لگتا۔ جہاں ابھی محبت تھی وہاں پھر شک نے اپنی جگہ قائم کر لی!

وہ سوچتے جاتے تھے کہ کہیں اُس نے بہانہ تو نہیں کیا ہے!

(۱۰)

منسارام دو روز تک گہری فکر میں پڑا رہا۔ اس کو بار بار اپنی ماں کی یاد آتی۔ نہ کھانا اچھا معلوم ہوتا اور نہ پڑھنے ہی میں طبیعت لگتی۔ اُس کی کایا پلٹ سی ہوگئی۔ دو روز گزر گئے اور بورڈنگ ہاؤس میں رہتے ہوئے بھی اُس نے وہ کام نہ کیا جو اسکول کے ماسٹروں نے گھر سے کر لانے کو دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے بنچ پر کھڑا رہنا پڑا۔ جو بات کبھی نہ ہوئی تھی وہ آج ہوگئی یہ ناقابل برداشت ذلت بھی اُسے برداشت کرنی پڑی!

تیسرے روز وہ انھیں تفکرات میں ڈوبا ہوا اپنے دل کو سمجھا رہا تھا

کیا دُنیا میں صرف میری ہی ماں مری ہے ؟ سوتیلی مائیں تو سبھی اسی قسم کی ہوتی ہیں، میرے ساتھ کوئی نئی بات نہیں ہو رہی ہے۔ اب مجھے مردوں کی طرح دُونی محنت سے اپنا کام کرنا چاہئیے۔ جیسے ماں باپ راضی ہوں، ویسے انھیں راضی رکھنا چاہئیے۔ امسال اگر وظیفہ مل گیا تو مجھے گھر سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ کتنے ہی لڑکے اپنے بل پر بڑے بڑے خطابات حاصل کر لیتے ہیں۔ مشکلات پر فتح پانا اور موقع دیکھ کر کام کرنا ہی انسانوں کا فرض ہے۔ قسمت کے نام پر رونے اور کوسنے سے کیا ہوگا؟

اتنے میں جیا رام آکر کھڑا ہو گیا۔ منسا رام نے پوچھا۔ گھر کا کیا حال ہے، جیا؟ نئی اماں جی تو بہت خوش ہوں گی؟

جیا۔ ان کے دل کا حال تو نہیں جانتا لیکن جب سے تم آئے ہو، انھوں نے ایک وقت بھی کھانا نہیں کھایا۔ جب دیکھو رو یا کرتی ہیں۔ جب بابو جی آتے ہیں تب البتہ ہنسنے لگتی ہیں۔ تم چلے آئے تو میں نے بھی شام کو اپنی کتابیں ٹھیک کیں، یہیں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ بھنگی چڑیل نے جا کر اماں جی سے کہہ دیا۔ بابو جی بیٹھے تھے کہ اُن کے سامنے ہی اماں جی نے آکر میری کتابیں چھین لیں اور رو کر بولیں۔ تم بھی چلے جاؤ گے تو اس گھر میں کون رہے گا اگر میرے سبب تم لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو تو لو، میں ہی کہیں چلی جاتی ہوں۔ میں تو جھلایا ہوا تھا ہی، بگڑ کر بولا۔ آپ کیوں کہیں چلی جائیں گی؟ آپ کا تو گھر ہے، آپ آرام سے رہئیے! غیر تو ہمیں لوگ ہیں، ہم نہ رہیں گے تب تو آپ کو آرام ہی آرام رہے گا۔

منسا رام۔ تم نے خوب کہی، بہت ہی اچھا کیا۔ اس پر اور بھی بگڑی ہوں گی اور جاکر بابوجی سے شکایت کی ہوگی؟

جیا رام۔ نہیں، یہ کچھ نہیں ہوا۔ بیچاری زمین پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ مجھے بھی رلائی آگئی، میں بھی رو پڑا۔ تب انھوں نے آنچل سے میرے آنسو پونچھے اور بولیں۔ جیا، میں ایشور کی ساکھی دے کر کہتی ہوں کہ میں نے تمہارے بھیّا کے بارے میں تمہارے بابوجی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میرے بھاگ میں کلنک لکھا ہوا ہے، وہ بھوگ رہی ہوں۔ پھر اور نہ جانے کیا کیا کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کچھ بابوجی کی بات تھی۔

منسا رام نے بے صبری سے پوچھا۔ بابوجی کے بارہ میں کیا کہا؟ کچھ یاد ہے؟

جیا رام۔ باتیں تو بھئی، مجھے یاد نہیں آتیں۔ میری یادداشت کون بڑی اچھی ہے مگر ان کی باتوں کا مطلب کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں بابوجی کو خوش رکھنے کے لئے یہ سوانگ بھرنا پڑ رہا ہے۔ نہ جانے دھرم ادھرم کی کیسی باتیں کرتی تھیں جو میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ مجھے تو اب اس کا یقین ہوگیا ہے کہ ان کی مرضی تمہیں یہاں بھیجنے کی نہ تھی۔

منسا رام۔ تم ان چالوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتے، یہ بڑی گہری چالیں ہیں۔

جیا رام۔ تمہاری سمجھ میں ہوں گی، میری سمجھ میں تو نہیں ہیں۔

منسا رام۔ جب تم جیامیٹری نہیں سمجھ سکتے تو ان باتوں کو کیا سمجھوگے اُس رات کو جب مجھے کھانا کھانے کے لئے بلانے آئی تھیں اور میں ان کے اصرار پر جانے کو تیار بھی ہوگیا تھا اسوقت بابوجی کو دیکھتے ہی انھوں نے جو رنگ بدلا

وہ کیا میں کبھی بھول سکتا ہوں۔

جیا رام۔ یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ ابھی کل ہی میں یہاں سے گیا تو لگیں تمہارا حال پوچھنے۔ میں نے کہا وہ تو کہتے تھے کہ اب کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ میں نے کبھی جھوٹ تو کہا نہیں کیونکہ تم نے مجھ سے ایسا کہا ہی تھا اتنا سُننا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں دل میں بہت پچھتایا کہ کہاں سے میں نے یہ بات کہدی۔ بار بار یہی کہتی تھیں کہ کیا وہ میرے کارن گھر چھوڑ دیں گے؟ مجھ سے اتنے ناراض ہیں، چلے گئے اور مجھ سے ملے تک نہیں! کھانا تیار تھا، کھانے تک نہیں آئے! ہائے میں کیا بتاؤں، کس مصیبت میں ہوں اتنے میں بابوجی آگئے۔ بس فوراً آنسو پونچھ کر مسکراتی ہوئی ان کے پاس چلی گئیں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آج مجھ سے بڑی منت کی کہ ان کو ساتھ لیتے آنا آج میں تمہیں کھینچ لے چلوں گا۔ دو دن میں وہ کتنی دُبلی ہوگئی۔ تمہیں یہ دیکھ کر ان پر رحم آئے گا۔ تو چلو گے نہ؟

منسا رام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس کے پیر کانپ رہے تھے۔ جیا رام تو حاضری کی گھنٹی سُن کر بھاگا مگر وہ بینچ پر لیٹ گیا اور اتنی گہری سانس لی گویا بہت دیر سے اُس نے سانس نہیں لی تھی۔ اس کی زبان سے دِلی درد میں ڈوبے ہوئے یہ الفاظ نکلے ——— "ہائے ایشور"۔ اِس نام کے سوا اُسے اب اپنی زندگی میں کوئی یار و مددگار نہ نظر آتا تھا۔ اِس ایک فقرے میں کتنی مایوسی کتنا دَرد، کتنی رقّت، کتنی عاجزی بھری ہوئی تھی، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اب سارا بھید اُس کی سمجھ میں آ رہا تھا اور بار بار اس کے دَرد بھرے

دِل سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ ہائے ایشور، اتنا بڑا کلنک!
کیا زندگی میں اس سے سخت تر مصیبت کا قیاس کیا جا سکتا ہے؟ کیا دنیا میں اس سے زیادہ کمینہ پن کا خیال ہو سکتا ہے؟ آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے پر اتنا بڑا کلنک نہ لگایا ہوگا۔ جس کے چال چلن کی سبھی تعریف کرتے تھے جو دوسرے لڑکوں کے لئے معیار سمجھا جاتا تھا، جس نے کبھی ناپاک ارادوں کو اپنے پاس تک نہیں پھٹکنے دیا تھا۔ اسی پر یہ سنگین الزام! منسارام کو ایسا معلوم ہوا گویا اس کا دل شق ہوا جاتا ہے۔
دوسری گھنٹی بھی بج گئی۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں میں گئے۔ مگر منسارام ہتھیلی پر سر رکھے بلا پلک جھپکائے ہوئے زمین کی طرف تاک رہا تھا۔ گویا اس کا سب کچھ پانی میں ڈوب گیا ہو، گویا وہ کسی کو منہ نہ دکھلا سکتا ہو! اسکول میں غیر حاضری ہو جائے گی، جرمانہ ہو جائے گا، اس کی اُسے فکر نہیں۔ جب اس کا سب کچھ لٹ گیا تو اب اِن ذرا ذرا سی باتوں کا کیا خوف؟ اتنا بڑا کلنک لگنے پر بھی اگر جیتا رہوں تو میرے جینے پر لعنت ہے۔
اسی رنج و غم کی حالت میں وہ چلّا اٹھا:۔ ماتاجی، تم کہاں ہو، تمہارا بیٹا جس پر تم جان دیتی تھیں، جسے تم اپنی زندگی کا سہارا سمجھتی تھیں۔ آج سخت مصیبت میں ہے۔ اُسی کا باپ اس کے حلق پر چھری پھیر رہا ہے ہائے تم کہاں ہو؟
منسارام پھر ٹھنڈے دل سے سوچنے لگا۔ مجھ پر یہ شبہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا کیا سبب ہے؟ مجھ میں ایسی کونسی بات اُنھوں نے دیکھی جس سے انھیں

یہ شبہ ہوا؟ وہ میرے باپ ہیں، میرے دشمن نہیں ہیں جو خواہ مخواہ مجھ پر الزام عائد کریں۔ ضرور اُنھوں نے کوئی نہ کوئی بات دیکھی یا سُنی ہے۔ اُن کا مجھ پر کتنا پیار تھا۔ میرے بغیر کھانے نہ جاتے تھے۔ وہی میرے دشمن ہو جائیں یہ بات بلاسبب نہیں ہو سکتی۔

اچھا، اس شک کی ابتدا کس دن ہوئی؟ مجھے بورڈنگ میں ٹھہرانے کی بات تو پیچھے کی ہے۔ جس دن رات کو وہ میرے کمرہ میں آکر میرا امتحان لینے لگے تھے اُسی دن ان کی تیوریاں بدلی ہوئی تھیں۔ اس دن ایسی کونسی بات ہوئی جو اُنھیں بُری لگی ہو؟ میں نئی اماں سے کچھ کھانے کو مانگنے گیا تھا۔ بابوجی اس وقت وہاں بیٹھے تھے۔ ہاں اب یاد آتا ہے، اُسی وقت اُن کا چہرہ تمتا گیا تھا۔ اُسی دن سے نئی اماں نے مجھ سے پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر میں جانتا کہ میرا گھر میں آنا جانا، اماں جی سے کچھ کہنا سُننا اور انھیں پڑھانا لکھانا والد صاحب کو بُرا لگتا ہے تو آج کیوں یہ نوبت آتی؟ اور نئی اماں؟ اُن پر کیا بیت رہی ہوگی؟

منسارام نے اب تک نرملا کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ نرملا کا دھیان آتے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہائے ان کا سادہ اور محبت بھرا دل یہ صدمہ کیسے برداشت کر سکے گا؟ آہ میں کتنے دھوکے میں تھا! میں ان کی محبت کو فریب سمجھتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ انھیں والد صاحب کی بدگمانی دور کرنے کے لئے میرے ساتھ اتنا کڑا برتاؤ کرنا پڑتا ہے۔ آہ، میں نے ان پر کتنا ظلم کیا ہے۔ اُن کی حالت تو مجھ سے بھی ابتر ہو رہی ہوگی۔ میں تو یہاں چلا آیا

مگر وہ کہاں جائیں گی؟ جیا کہتا تھا کہ انھوں نے دو روز سے کھانا نہیں کھایا ہر دم رویا کرتی ہیں۔ کیسے جاکر سمجھاؤں؟ وہ مجھ بدنصیب کے لئے کیوں سر پر مصیبت لے رہی ہیں؟ وہ کیوں بار بار میرا حال پوچھتی ہیں؟ کیوں بار بار مجھے بلاتی ہیں؟ کیسے کہہ دوں کہ اماں! تم سے مجھ کو ذرا بھی شکایت نہیں تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہے! وہ اب بھی بیٹھی رو رہی ہوں گی کتنا بڑا اندھیر ہے؟ بابو جی کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ کیا اسی لئے شادی کی تھی؟ ایک لڑکی کو ہلاک کرنے ہی کے لئے اُسے اپنے گھر لائے تھے۔ اس نازک پھول کو مسل ڈالنے کے لئے ہی توڑا تھا؟ اُن کا اُودھار کیسے ہوگا؟ اس بے گناہ کا منہ کیسے اجالا ہوگا؟ انھیں صرف میرے ساتھ یہ مجستانہ برتاؤ کرنے کے لئے یہ سزا دی جا رہی ہے۔ اُن کی شرافت کا انھیں یہ صلہ مل رہا ہے۔ میں انھیں اس طرح بیرحمانہ وار سہتے ہوئے دیکھ کر بیٹھا رہوں گا؟ اپنی عزت بچانے کے لئے نہ سہی، اُن کی جان بچانے کے لئے مجھے اپنی زندگی کو قربان کرنا پڑے گا۔ اس کے سوا نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ آہ، دل میں کیسے کیسے ارمان تھے، اُن سب کو خاک میں ملا دینا ہوگا۔ ایک عصمت کی دیوی پر شبہ کیا جا رہا ہے اور میری سبب! مجھے اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کرنی ہوگی۔ یہی میرا فرض ہے۔ اسی میں سچی بہادری ہے! ماتا! میں اپنے خون سے اس داغ کو دھو ڈالونگا اسی میں میرا اور تمہارا، دونوں کا بھلا ہے۔

وہ تمام دن انھیں خیالات میں محو رہا۔ شام کو اس کے دونوں بھائی آکر گھر چلنے کے لئے اصرار کرنے لگے۔

سیا رام۔ چلتے کیوں نہیں؟ میرے بھیّا جی! چلے چلو نہ۔
منسا رام۔ مجھے فرصت نہیں ہے کہ تمہارے کہنے سے چلا چلوں۔
جیا رام۔ آخر کل تو اتوار ہی ہے۔
منسا رام۔ اتوار کو بھی کام ہے۔
جیا رام۔ اچھّا کل آؤ گے نہ؟
منسا رام۔ نہیں کل مجھے ایک میچ میں جانا ہے۔
سیا رام۔ امّاں جی مونگ کے لڈو بنا رہی ہیں، نہ چلوگے تو ایک بھی نہ پاؤ گے۔ ہم تم مل کر کھا جائیں گے، جیا! انھیں نہ دیں گے۔
جیا رام۔ بھیّا اگر تم کل نہ گئے تو شاید اماں جی یہیں چلی آویں۔
منسا رام۔ سچ! نہیں، ایسا کیوں کریں گی؟ یہاں آئیں تو بڑی پریشانی ہوگی۔ تم کہہ دینا، وہ کہیں میچ دیکھنے گئے ہیں۔
جیا رام۔ میں جھوٹ کیوں بولنے لگا؟ میں کہہ دوں گا، وہ منہ پھلائے بیٹھے تھے۔ دیکھ لینا انھیں ساتھ لاتا ہوں کہ نہیں۔
سیا رام۔ ہم کہہ دیں گے کہ آج پڑھنے نہیں گئے، پڑے سوتے رہے۔ منسا رام نے ان دونوں سے کل آنے کا وعدہ کر کے گلا چھڑایا۔ جب دونوں چلے گئے تو پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ساری رات اُسے کروٹیں بدلتے گزری۔ تعطیل کا دن بھی بیٹھے ہی بیٹھے گزر گیا۔ اُسے تمام دن یہی خیال ہوتا رہا کہ امّاں جی واقعی نہ چلی آویں۔ کسی گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سنتا تو اس کا دل دھڑکنے لگتا کہیں آ تو نہیں گئیں؟

بورڈنگ ہاؤس میں ایک چھوٹا سا اسپتال تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب شام کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے آجایا کرتے تھے۔ اگر کوئی لڑکا بیمار ہوتا تو اُسے دوا دیتے۔ آج وہ آئے تو منسا رام کچھ سوچتا ہوا اُن کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا وہ منسا رام کو بخوبی جانتے تھے۔ اُسے دیکھ کر تعجب سے بولے۔ یہ تمہاری کیا حالت ہے جی؟ تم تو گلے سے جا رہے ہو۔ کہیں بازار کا چسکا تو نہیں پڑ گیا؟ آخر تمہیں ہوا کیا؟ ذرا یہاں آؤ۔

منسا رام نے مسکرا کر کہا۔ مجھے زندگی کا مرض ہے۔ آپ کے پاس اس کی بھی کوئی دوا ہے؟

ڈاکٹر۔ میں تمہاری تشخیص کرنا چاہتا ہوں، تمہاری تو صورت ہی بدل گئی ہے پہچانے بھی نہیں جاتے۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے منسا رام کا ہاتھ پکڑ لیا اور سینہ، پیٹھ، آنکھیں، زبان سب باری باری سے دیکھیں۔ تب متوحش ہو کر بولے۔ وکیل صاحب سے میں آج ہی ملوں گا۔ تمہیں دق ہو رہا ہے، سارے علامات اُسی کے ہیں۔

منسا رام نے نہایت شوق سے دریافت کیا۔ بھلا کتنے دنوں میں تصفیہ تمام ہو جائے گا، ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر۔ کیسی باتیں کرتے ہو، جی؟ میں وکیل صاحب سے مل کر تمہیں کسی پہاڑی مقام پر بھیجنے کی صلاح دوں گا۔ ایشور نے چاہا تو تم بہت جلد صحت پا جاؤ گے بیماری ابھی ابتدائی حالت پر ہے۔

منسا رام۔ تب تو ابھی سال دو سال کی دیر معلوم ہوتی ہے۔ میں تو اتنا انتظار

نہیں کر سکتا۔ سُنئے، مجھے دق وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی شکایت ہی ہے آپ بابُو جی کو ناحق تردّد میں نہ ڈالئے گا۔ اس وقت میرے سر میں درد ہے، کوئی دوا دیجئے۔ کوئی دوا ایسی ہو جس سے نیند بھی آ جاوے۔ مجھے دو راتوں سے نیند نہیں آتی۔

ڈاکٹر صاحب نے زہریلی دواؤں کی الماری کھولی اور ایک شیشی میں تھوڑی سی دوا نکال کر منسارام کو دی۔ منسارام نے پوچھا، یہ تو کوئی زہر ہے؟ بھلا اسے کوئی پی لے تو مر جاوے؟

ڈاکٹر۔ نہیں، مر تو نہ جاوے پر سر ضرور چکرانے لگے۔

منسارام۔ کوئی ایسی دوا بھی اس میں ہے جس کو پیتے ہی جان نکل جاوے؟

ڈاکٹر۔ ایسی ایک دو نہیں، کتنی ہی دوائیں ہیں۔ یہ جو شیشی دیکھ رہے ہو اسکی ایک بوند بھی پیٹ میں چلی جاوے تو جان نہ بچے۔ آناً فاناً موت ہو جاوے۔

منسارام۔ کیوں ڈاکٹر صاحب، جو لوگ زہر کھا لیتے ہیں انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔

ڈاکٹر۔ بھی زہر دینے میں تکلیف نہیں ہوتی۔ بعض تو ایسے ہیں کہ پیتے ہی آدمی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ شیشی اسی قسم کی ہے۔ اسے پیتے ہی انسان بیہوش ہو جاتا ہے اور پھر اس کو ہوش نہیں آتا۔

منسارام نے سوچا، تب تو جان دینا بہت آسان ہے۔ پھر لوگ کیوں اتنا ڈرتے ہیں؟ یہ شیشی کیسے ملے گی؟ اگر دوا کا نام پوچھ کر شہر کے کسی دوا فروش سے لینا چاہوں تو وہ کبھی نہ دے گا۔ اُونہہ، اس کے ملنے میں کوئی دقت نہیں۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جان نہایت آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ منسارام اتنا خوش ہوا

گویا کوئی انعام مل گیا ہو۔ اس کے دل پر سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ فکر کے بادل جو سر پر منڈلا رہے تھے۔ پھٹ گئے۔ مہینوں کے بعد آج اس کے دل میں ایک قسم کے جوش کا احساس ہوا۔ کئی لڑکے تھیئٹر دیکھنے جارہے تھے، سپرنٹنڈنٹ سے اجازت لے لی تھی۔ منسا رام بھی ان کے ساتھ تھیئٹر دیکھنے چلا گیا ایسا خوش تھا گویا اس سے زیادہ خوش انسان دنیا میں نہیں ہے۔ تھیئٹر میں نقل دیکھ کر تو وہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ بار بار تالیاں بجانے اور رونس مور کی صدا دینے میں سب سے پہلا نمبر اسی کا تھا۔ گانا سن کر وہ مست ہو جاتا تھا اور "او ہو ہو" کہہ کر چلا اٹھتا تھا۔ تماشائیوں کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ تھیئٹر کے ایکٹر بھی اس کی طرف تاکنے لگے تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ کون حضرت اتنے شوقین اور ذکی الحس ہیں۔ اس کے دوستوں کو اس کے چلبلے پن پر تعجب ہو رہا تھا۔ وہ نہایت خاموش اور متین شخص تھا۔ آج وہ کیوں اتنا مسخرا ہو گیا کیوں اس کے مذاق پسندی کی انتہا نہیں ہے؟

دو بجے رات کو تھیئٹر سے لوٹنے پر بھی اس کی مذاق پسندی کم نہیں ہوئی اس نے ایک لڑکے کی چارپائی الٹ دی، کئی لڑکوں کے کمرے کے کواڑ باہر سے بند کر دیئے اور انھیں اندر سے کھٹکھٹاتے ہوئے سنتا رہا۔ یہاں تک کہ بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ کی نیند بھی شور وغل سے اچٹ گئی اور انھوں نے منسا رام کی شرارت پر اظہار افسوس کیا۔ کون جانتا ہے کہ اس کے دل میں کتنی زبردست ہلچل ہو رہی ہے؟ بدگمانی کے بیرحمانہ وار نے اس کی حیا اور خودداری کو پامال کر ڈالا ہے۔ اس کو ذلت اور حقارت کا ذرا بھی خوف

نہیں رہا۔ یہ تفریح نہیں، اُس کے دِل کی رقت بھری فریاد ہے۔ جب اور سب لڑکے سو گئے تو وہ بھی پلنگ پر لیٹ گیا۔ مگر اُسے نیند نہیں آئی۔ ایک لمحہ بعد وہ اٹھ بیٹھا اور اپنی ساری کتابیں باندھ کر صندوق میں رکھ دیں۔ جب مرنا ہی ہے تو پڑھ کر کیا ہوگا؟ جب زندگی میں ایسی ایسی پریشانیاں ہیں، ایسی ایسی اذیتیں ہیں، اُس سے موت کہیں بہتر ہے۔

یہی سوچتے سوچتے سویرا ہوگیا۔ تین رات سے وہ ایک منٹ بھی نہ سویا تھا۔ اس وقت وہ اُٹھا تو اُس کے پیر تھرتھرا رہے تھے اور سر چکرا رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں اور سارے اعضا ڈھیلے ہو رہے تھے۔ دن چڑھتا جاتا تھا اور اُس میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ مُنہ ہاتھ دھو ڈالے۔ یکایک اُس نے بھنگی کو رومال میں کچھ لئے ہوئے ایک کہار کے ساتھ آتے دیکھا۔ اُس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ہائے ایشور، وہ آگئیں۔ اب کیا ہوگا؟ بھنگی تنہا نہیں آئی ہوگی، گھمی ضرور باہر کھڑی ہوگی۔ کہاں تو اُس سے اٹھا نہ جاتا تھا، کہاں بھنگی کو دیکھتے ہی دوڑا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا — اماں جی بھی آئی ہیں کیا رے؟ جب معلوم ہوا کہ اماں جی نہیں آئیں تب اُس کا جی ٹھکانے ہوا۔ بھنگی نے کہا۔ بھیا، تم کل آئے نہیں، بہو جی تمہاری راہ دیکھتی رہ گئیں۔ اُن سے کیوں روٹھے ہو بھیا؟ وہ تو کہتی ہے کہ میں نے ان کی کچھ بھی شکایت نہیں کی ہے۔ مجھ سے آج رو کر کہنے لگیں کہ اُن کے پاس یہ مٹھائی لیتی جا اور کہنا کہ میرے کارن گھر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کہاں رکھ دوں یہ تھالی؟

منارام نے رکھائی سے کہا۔ مقالی اپنے سر پر ٹپک لے۔ چڑیل وہاں سے چلی سے مٹھائی لے کر! خبردار جو پھر کبھی اِدھر آئی! سوغات لے کر چلی ہے! جا کر کہدینا کہ تمہارا گھر ہے، تم رہو۔ یہاں میں بڑے آرام سے ہوں خوب کھاتا اور موج کرتا ہوں سُنتی ہے؟ بابُوجی کے سامنے کہنا سمجھ گئی مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے، اور جو کرنا چاہیں سو کر ڈالیں جس سے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جاوے۔ وہ کہیں تو الہ آباد، لکھنؤ، کلکتہ چلا جاؤں۔ میرے لئے جیسے بنارس ایسے دوسرا شہر! یہاں کیا رکھا ہے؟

بھنگی۔ بھیّا! مٹھائی رکھ لو نہیں تو بہوجی رو رو کر مرجائیں گی۔ سچ مانو رو کر مرجائیں گی!

منارام نے آنسوؤں کے جوش کو روک کر کہا۔ مرجائیں گی۔ میری بلاسے! کونسا مجھے بڑا سکھ دیدیا ہے جس کے لئے پچھتاؤں۔ میرا تو انھوں نے ستیاناس کر دیا۔ کہدینا کہ میرے پاس کوئی سندیسہ نہ بھیجیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں بھنگی۔ بھیّا، تم تو کہتے ہو کہ یہاں خوب کھاتا اور موج کرتا ہوں مگر دیہہ تو آدھی بھی نہیں رہی۔ جیسے آئے تھے اُس کے آدھے بھی نہیں رہے!

منارام۔ یہ تیری آنکھوں کا پھیر ہے، دیکھنا کہ دو چار روز میں موٹا ہو کر کولھو ہو جاتا ہوں یا نہیں۔ اُن سے یہ بھی کہدینا کہ رونا دھونا بند کریں۔ جو میں نے سُنا کہ روتی ہیں اور کھانا نہیں کھاتیں تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔ مجھ گھر سے نکالا ہے تو اب چین سے رہیں۔ چلی ہیں محبت دکھانے۔ میں ایسے تریا چرتر بہت پڑھے بیٹھا ہوں۔

بھنگی چلی گئی۔ منسارام کو اُس سے باتیں کرتے ہی کرتے کچھ سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ یہ تماشا کرنے کے لئے اُسے اپنے جذبات کو جتنا دبانا پڑا تھا وہ اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ اس کی خودداری اُسے پر فریب روش کا جلد سے جلد خاتمہ کر دینے کے لئے مجبور کر رہی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نرملا کیا یہ صدمہ برداشت کرے گی؟ اب تک وہ اپنی موت کا خیال کرتے وقت کسی اور شخص کا خیال نہ کرتا تھا مگر آج یکایک اس کو معلوم ہوا کہ میری زندگی کے ساتھ ایک اور شخص کا رشتۂ زندگی بھی وابستہ ہے۔ نرملا یہی سمجھے گی کہ میری بے اعتنائی نے ان کی جان لی۔ یہ سمجھ کر کیا اس کا نازک دل شق نہ ہو جائے گا؟ اس کی زندگی تو اب مصیبت میں ہے۔ بدگمانی کے سنگین نیچہ میں پھنسی ہوئی عورت کیا اپنے کو قائم سمجھ کر بہت دنوں تک زندہ رہ سکتی ہے؟

منسارام نے پلنگ پر لیٹ کر لحاف اوڑھ لیا۔ پھر بھی سردی سے کلیجہ کانپ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کو شدت سے بخار آ گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ اس غشی کی حالت میں اُس کو طرح طرح کے خواب دکھائی دینے لگے۔ ذرا ذرا دیر بعد چونک پڑتا، آنکھیں کھلی تھیں۔ پھر بیہوش ہو جاتا۔

دفعتاً وکیل صاحب کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔ ہاں، وکیل صاحب ہی کی آواز تھی! اس نے لحاف پھینک دیا اور پلنگ سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا اُس کے دل میں ایک فوری جذبہ پیدا ہوا کہ اسی وقت ان کے سامنے جان دیدوں۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ میں مر جاؤں تو انھیں سچی خوشی ہوگی۔ شاید اسی لئے یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میرے مرنے میں کتنی دیر ہے۔ وکیل صاحب نے

اُس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ گر نہ پڑے، اور پوچھا۔ کیسی طبیعت ہے؟ لیٹے کیوں نہ رہے؟ لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ، تم کھڑے کیوں ہو گئے؟

منسارام۔ میری طبیعت تو بہت اچھی ہے۔ آپ کو ناحق تکلیف ہوئی۔

منشی جی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکے کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ تندرست لڑکا جسے دیکھ کر دل مسرور ہو جاتا تھا، اب سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے! پانچ روز میں وہ اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ اسے پہچاننا مشکل تھا! منشی جی نے اُس کو آہستہ سے پلنگ پر لٹا دیا اور لحاف اچھی طرح اُوڑھا کر سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کہیں لڑکا ہاتھ سے تو نہ نکل جاوے گا؟ یہ خیال کر کے وہ سخت بے پریشان ہو گئے اور اسٹول پر بیٹھ کر زار و قطار رونے لگے

منسارام بھی لحاف میں منہ لپیٹے رو رہا تھا۔ ابھی چند ہی روز قبل اُسے دیکھ کر باپ کا دل غرور سے پھولا نہ تھا مگر آج اُسے اس نازک حالت میں بھی دیکھ کر وہ سوچ رہا ہے کہ اسے گھر لے چلوں یا نہیں؟ کیا یہاں دوا نہیں ہو سکتی؟ میں یہاں چوبیسوں گھنٹے بیٹھا رہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب یہاں موجود ہی ہیں، کوئی دقت نہ ہو گی۔ گھر لے جانے میں انھیں دقت ہی دقت نظر آتی تھی۔ سب سے زیادہ اندیشہ یہ تھا کہ وہاں نرملا اس کے پاس ہر وقت بیٹھی رہے گی اور میں منع نہ کر سکوں گا۔ یہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا!

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ نے آکر کہا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ انھیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ گاڑی ہے، کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ یہاں بخوبی تیمارداری نہیں ہو سکے گی۔

منشی جی۔ ہاں، آیا تو میں اسی خیال سے تھا لیکن ان کی حالت نہایت ہی نازک

معلوم ہوتی ہے۔ ذرا سی غفلت سے سرسام ہو جانے کا اندیشہ ہے۔
سپرنٹنڈنٹ۔ یہاں سے انھیں لے جانے میں تو تھوڑی سی دقت ضرور ہے مگر یہ تو آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ گھر پر جو آرام مل سکتا ہے وہ یہاں کسی طرح نہیں مل سکتا۔ اس کے علاوہ کسی بیمار لڑکے کو یہاں رکھنا خلاف قاعدہ بھی ہے۔
منشی جی۔ کہئے تو میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لے لوں۔ مجھے ان کو یہاں سے اس حالت میں لے جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔
سپرنٹنڈنٹ نے ہیڈ ماسٹر صاحب کا نام سنا تو سمجھے کہ یہ حضرت مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ ذرا تنک کر بولے۔ ہیڈ ماسٹر قاعدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔ میں اتنی بڑی ذمہ داری کیسے لے سکتا ہوں۔
اب کیا ہو؟ کیا گھر لے جانا ہی پڑے گا؟ یہاں رکھنے کا تو یہ بہانہ تھا کہ لے جانے سے بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہاں سے لے جا کر اسپتال میں ٹھہرانے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ ڈاکٹر کی فیس بچانے کے لئے لڑکے کو اسپتال میں پھینک آئے۔ مگر اب لے جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر سپرنٹنڈنٹ صاحب اسوقت رشوت لینے پر تیار ہو جاتے تو شاید دو چار سال کی تنخواہ لے سکتے تھے۔ لیکن قاعدہ کے پابند لوگوں میں اتنی عقل، اتنی ہوشیاری کہاں؟ اگر اسوقت منشی جی کو کوئی آدمی ایسی بات سمجھا دیتا کہ انھیں منا رام کو گھر نہ لے جانا پڑے تو وہ تمام عمر اس کا احسان مانتے۔ سوچنے کا موقع بھی نہ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب شیطان کی طرح سر پر سوار

تھے! مجبور ہو کر منشی جی نے دونوں سائیسوں کو بلایا اور منسا رام کو اٹھانے لگے۔ منسا رام نیم غشی کی حالت میں تھا۔ چونک کر بولا — کیا ہے؟ کون ہے؟

منشی جی۔ کوئی نہیں بیٹا، میں تمہیں گھر لے چلنا چاہتا ہوں۔ آؤ، میں گود میں اٹھا لوں۔

منسا رام۔ مجھے گھر کیوں لے چلتے ہیں؟ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔

منشی جی۔ یہاں تو رہ نہیں سکتے۔ قاعدہ ہی ایسا ہے۔

منسا رام۔ کچھ بھی ہو، میں وہاں نہ جاؤں گا۔ مجھے اور کہیں لے چلئے، کسی درخت کے نیچے، کسی جھونپڑے میں، جہاں چاہے رکھئے مگر گھر نہ لے چلئے۔

سپرنٹنڈنٹ نے منشی جی سے کہا۔ آپ ان باتوں کا خیال نہ کریں۔ یہ تو ہوش میں نہیں ہیں۔

منسا رام۔ کون ہوش میں نہیں ہے؟ میں ہوش میں نہیں ہوں! کسی کو گالیاں دیتا ہوں، دانت کاٹتا ہوں؟ کیوں ہوش میں نہیں ہوں؟ مجھے یہیں پڑا رہنے دیجئے۔ جو کچھ ہونا ہوگا وہ یہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے اسپتال لے چلئے۔ میں وہاں پڑا رہوں گا۔ جینا ہوگا جیوں گا، مرنا ہوگا مروں گا۔ مگر گھر تو کسی طرح بھی نہ جاؤں گا۔

یہ زور دیا کر منشی جی پھر سپرنٹنڈنٹ سے التجا کرنے لگے لیکن یہ قاعدہ کا پابند شخص کچھ سنتا ہی نہ تھا۔ اگر چھوت کی بیماری ہوئی اور کسی دوسرے لڑکے کو چھوت لگ گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اس دلیل کے سامنے منشی جی کی قانونی دلیلیں بھی مات ہو گئیں۔ آخر منشی جی نے منسا رام سے کہا۔ بیٹا،

تمہیں گھر چلنے سے کیوں انکار ہو رہا ہے؟ وہاں تو سبھی طرح کا آرام رہے گا
منشی جی نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی مگر خوف تھا کہ کہیں سچ مچ منسا رام چلنے پر راضی نہ ہو جاوے۔ وہ منسا رام کو اسپتال میں رکھنے کا کوئی حیلہ تلاش کر رہے تھے اور اس کی ساری ذمہ داری منسا رام ہی کے سر ڈالنا چاہتے تھے۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کے سامنے کی بات تھی۔ وہ اس بات کی شہادت دے سکتے تھے کہ منسا رام اپنی ہی ضد سے اسپتال جا رہا ہے۔ منشی جی کا اس میں ذرا بھی قصور نہیں ہے۔

منسا رام نے جھلا کر کہا۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ میں گھر نہیں جاؤں گا۔ مجھے اسپتال لے چلئے اور گھر کے سب آدمیوں کو منع کر دیجئے کہ مجھے دیکھنے نہ آویں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے، بالکل بیمار نہیں ہوں۔ آپ مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں اپنے پیروں چل سکتا ہوں۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دیوانہ وار دروازے کی طرف چلا مگر پیر لڑکھڑا گئے اگر منشی جی نے نہ سنبھال لیا ہوتا تو اس کو سخت چوٹ آتی۔ دونوں نوکروں کی مدد سے منشی جی اس کو گاڑی کے پاس لائے اور اندر بٹھا دیا۔ گاڑی ہسپتال کی طرف چلی۔ وہی ہوا جو منشی جی چاہتے تھے۔ اس غم میں بھی ان کا دل مطمئن تھا۔ لڑکا اپنی خوشی سے اسپتال جا رہا ہے، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ گھر سے اس کو کچھ بھی محبت نہیں ہے؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منسا رام بے گناہ ہے؟ وہ اس پر بلا وجہ شک کر رہے تھے۔ لیکن ذرا ہی دیر بعد اس اطمینان کی جگہ ان کے دل میں پشیمانی کا احساس ہوا۔ وہ اپنے پیارے بیٹے کو گھر نہ لے جا کر اسپتال لے جا رہے تھے۔ ان کے عالیشان محل میں

اُن کے لڑکے کے لئے بھی جگہ نہ تھی، اِس حالت میں بھی جبکہ اس کے جینے مرنے کا سوال تھا۔ کتنا اندھیر ہے!

ایک لمحہ کے بعد یکایک منشی جی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا۔ کہیں شیارام ان کے خیالوں کو تاڑ تو نہیں گیا؟ اِس لئے تو اس کو گھر سے نفرت ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو غضب ہو جائے گا۔

(اِس بات کے خیال ہی سے منشی جی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اُن کا دل دھڑکنے لگا۔ قلب میں ایک دھکا سا لگا اگر اس بخار کا یہی سبب ہے تو ایشور ہی مالک ہے۔ اسوقت ان کی حالت بہت ہی قابلِ رحم تھی۔ وہ آگ، جو انھوں نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو سینکنے کے لئے جلائی تھی، اب اُن کے گھر میں لگی جا رہی ہے۔ اِس رنج و غم، پشیمانی اور اندیشے سے اُن کا دل گھبرا اٹھا۔ ان کے مخفی گریہ کی آواز باہر نکل سکتی تو سُننے والے رو پڑتے ان کے آنسو باہر نکل سکتے تو ان کا سلسلہ بندھ جاتا۔ انھوں نے لڑکے کے زرد و افسردہ چہرہ کی طرف ایک بار محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، رنج سے بیقرار ہو کر اسے سینہ سے لگایا اور اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی)

سامنے اسپتال کا پھاٹک دکھائی دے رہا تھا

(۱۱)

منشی طوطا رام شام کو کچہری سے گھر پہنچے تو نرملا نے پوچھا۔ اُنھیں دیکھا؟ کیا حال ہے؟ منشی جی نے دیکھا کہ نرملا کے چہرہ پر رنج یا فکر کا نام و نشان بھی نہیں ہے، اُس کا بناؤ سنگار اور دنوں سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہوا ہے۔

مثلاً وہ گلے میں ہار نہ پہنتی تھی مگر آج وہ بھی گلے میں پڑا ہوا تھا۔ جھومر سے بھی اس کو بہت رغبت نہ تھی مگر آج وہ بھی باریک ریشمی ساڑی کے نیچے سیاہ سیاہ بالوں کے اوپر چراغ فانوس کی طرح چمک رہا تھا۔ منشی جی نے منہ پھیر کر کہا۔ بیمار ہے، اور کیا حال بتاؤں؟

نرملا۔ تم تو انھیں یہاں لانے گئے تھے؟

منشی جی نے جھنجھلا کر کہا۔ وہ یہاں نہیں آیا تو کیا میں جبراً اٹھا لاتا؟ کتنا سمجھایا کہ بیٹا، گھر چلو، وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پاوے گی مگر گھر کا نام سن کر اس کو جیسے دوگنا بخار ہو جاتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں یہاں مر جاؤں گا لیکن گھر نہ جاؤں گا۔ آخر مجبور ہو کر اسپتال پہنچا آیا اور کیا کرتا؟

رکمنی جی آکر برآمدے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ بولی — وہ جنم کا مٹی ہے یہاں کسی طرح نہ آوے گا اور یہ بھی دیکھ لینا کہ وہاں اچھا بھی نہ ہوگا۔

منشی جی نے دبی آواز میں کہا۔ تم دو چار دن کے لئے وہاں چلی جاؤ۔ تو بڑا اچھا ہو۔ بہن تمہارے رہنے سے اُسے تسکین ہوتی رہے گی۔ میری بہن، میری یہ بات مان لو۔ اکیلے وہ رو رو کر جان دیدیگا۔ بس "اماں، ہائے اماں کی رٹ لگا لگا کر رویا کرتا ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں، میرے ساتھ ہی چلی چلو۔ اُس کی حالت اچھی نہیں۔ بہن وہ صورت ہی نہیں رہی۔ دیکھیں ایشور کیا کرتے ہیں۔

یہ کہتے کہتے منشی جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن رکمنی نے استقلال سے کہا۔ میں جانے کو تیار ہوں۔ میرے وہاں رہنے سے اگر میرے بچہ کی جان

بچ جاوے تو میں سر کے بَل دوڑی جاوں گی۔ لیکن میرا کہنا گرو با نو تو بھیا وہ وہاں اچھا نہ ہو گا۔ میں اُسے خوب جانتی ہوں، اُسے کوئی بیماری نہیں ہے۔ صرف گھر سے نکالے جانے کا رنج ہے۔ یہی رنج بخار کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ تم ایک نہیں لاکھ دوا کرو، سول سرجن ہی کو کیوں نہ دکھلاؤ، مگر اس کو کوئی دوا اثر نہ کرے گی۔

منشی جی۔ بہن، اُسے گھر سے نکالا کس نے ہے؟ میں نے صرف اس کی پڑھائی کے خیال سے اُسے وہاں بھیجا تھا۔

رُکمنی۔ تم نے چاہے جس خیال سے بھیجا ہو مگر یہ بات اس کو لگ گئی ہے میں تو اب کسی گنتی میں نہیں ہوں، مجھے کسی بات میں بولنے کا کوئی اختیار نہیں ہے مالک تم، مالکن تمہاری عورت۔ میں تو صرف تمہاری روٹیوں پر پڑی ہوں۔ ابھاگن بدھوا ہوں۔ میری کون سنے گا اور کون پرواہ کرے گا؟ مگر بغیر بولے رہا نہیں جاتا۔ منسا تبھی اچھا ہو گا جب گھر آوے گا، جب تمہارا دل ویسا ہی ہو جاوے گا جو پہلے تھا۔

یہ کہہ کر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔ اُن کی کمزور مگر تجربہ کار آنکھوں کے سامنے جو تماشے ہو رہے تھے، ان کا بھید وہ خوب سمجھتی تھی اور اُن کا سارا غصہ بیگناہ زرملا ہی پر اُترتا تھا۔ اسوقت بھی وہ یہ کہتے کہتے رُک گئی کہ جب تک یہ لکشمی اِس گھر میں رہیں گی، اِس گھر کی حالت بگڑتی ہی جاوے گی مگر اُس کے ظاہرانہ کہنے پر بھی اس کا مطلب منشی جی سے چھپا نہیں رہا۔ اُس کے چلے جانے پر منشی جی نے سر جھکا لیا اور سوچنے لگے۔ انھیں اپنے اوپر اسوقت اتنا

غصہ آرہا تھا کہ دیوار سے سر ٹپک کر اپنی زندگی کا خاتمہ کردیں۔ انھوں نے کیوں شادی کی تھی۔ شادی کی کیا ضرورت تھی؟ ایشور نے انھیں ایک نہیں تین بچے دیئے تھے۔ ان کی عمر بھی پچاس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر انھوں نے کیوں شادی کی؟ کیا اسی بہانے ایشور کو انھیں تباہ کرنا منظور تھا؟ انھوں نے سر اٹھا کر ایک بار نرملا کی متبسم مگر پرسکون صورت دیکھی اور اسپتال چلے گئے۔ نرملا کے متبسم حسن نے ان کی دلی تسکین کر دی تھی۔ آج کئی روز کے بعد انھیں یہ تسکین ملی تھی۔ پر محبت دل کیا اس حالت میں اتنا پرسکون رہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دل کا صدمہ ظاہری جذبات سے نہیں چھپایا جا سکتا اپنے دل کی کمزوری پر اس وقت انھیں بہت ہی غصہ آیا۔ انھوں نے بلا سبب ہی بدگمانی کو دل میں جگہ دے کر اتنی بے انصافی کی۔ منسارام کی طرف سے بھی ان کا دل صاف ہوگیا۔ ہاں اس کے بجائے اب ایک نیا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ کیا منسارام بھانپ تو نہیں گیا؟ کیا اسی لئے تو گھر آنے سے انکار نہیں کر رہا؟ اگر وہ تاڑ گیا ہے تو بڑا غضب ہو جاوے گا۔ اس خیال ہی سے ان کا دل گھبرا اٹھا۔ ان کے بدن کی ساری ہڈیاں گویا اس فریاد و فغاں پر پانی ڈالنے کے لئے بیقرار ہو گئیں۔ انھوں نے کوچوان سے گھوڑا تیز کرنے کے لئے کہا۔ آج کئی دنوں کے بعد ان کے دل پر چھائی ہوئی کالی گھٹا پھٹ گئی تھی۔ اور نور کی شعاعیں اندر سے نکلنے کے لئے بیتاب ہو رہی تھیں۔ انھوں نے باہر سر نکال کر دیکھا کہ کوچوان سو تو نہیں رہا ہے۔ گھوڑے کی رفتار انھیں اتنی سست کبھی نہ معلوم ہوئی تھی

اسپتال پہنچ کر وہ دوڑے ہوئے منارام کے پاس گئے۔ دیکھا تو ڈاکٹر صاحب اس کے سامنے متفکر کھڑے تھے۔ منشی جی کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ منہ سے آواز نہ نکل سکی، بھرائی ہوئی آواز میں بڑی مشکل سے بولے کیا حال ہے ڈاکٹر صاحب؟ یہ کہتے کہتے وہ رو پڑے اور جب ڈاکٹر صاحب کو ان کے سوال کا جواب دینے میں ایک لمحہ کی تاخیر ہوئی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ انھوں نے پلنگ پر بیٹھ کر بیہوش پڑے کو گود میں اٹھا لیا اور بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگے۔ منارام کا جسم بخار سے جل رہا تھا۔ اس نے ایک بار آنکھیں کھولیں آہ، کتنی خوفناک اور ساتھ ہی کتنی عاجزی بھری نگاہ تھی۔ منشی جی نے اسے گلے سے لگا کر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔ کیا حال ہے صاحب؟ آپ خاموش کیوں ہیں۔

ڈاکٹر نے شکست آمیز لہجہ میں کہا۔ حال جو کچھ ہے وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ ۱۰۶ ڈگری کا بخار ہے اور میں کیا بتلاؤں؟ ابھی بخار کا زور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ میرے کئے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کر رہا ہوں۔ ایشورہ تک ہے۔ جب سے آپ گئے ہیں میں ایک منٹ کے لئے یہاں سے نہیں ہلا۔ کھانا تک نہیں کھا سکا۔ حالت اتنی نازک ہے کہ ایک منٹ میں کیا ہو جاوے گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مہلک بخار ہے۔ مریض کو بالکل ہوش نہیں ہے۔ رہ رہ کر سرسام کا دورہ ہو جاتا ہے۔ کیا گھر میں ان کو کسی نے کچھ کہا ہے؟ بار بار اماں جی! تم کہاں ہو؟ یہی آواز منہ سے نکلتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ دفعتاً منارام اٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک

دھکے سے منشی جی کو پلنگ کے نیچے دھکیل کر دیوانگی کے لہجہ میں بولا۔ کیوں دھمکاتے ہیں؟ آپ مار ڈالئے، مار ڈالئے۔ تلوار نہیں ملتی۔ رسّی کا پھندا ہے یا وہ بھی نہیں ہے؟ مَیں اپنے گلے میں لگاؤں گا۔ ہائے اماں جی، تم کہاں ہو؟ یہ کہتے کہتے وہ پھر بیہوش ہو کر گر پڑا۔

منشی جی ایک لمحہ تک منسارام کے افسردہ چہرہ کی طرف غمناک نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور بہت ہی التجا آمیز اصرار سے بولے۔ ڈاکٹر صاحب! اِس لڑکے کو بچا لیجئے۔ ایشور کے لئے بچا لیجئے۔ ایشور کے لئے بچا لیجئے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا۔ میں امیر نہیں ہوں مگر آپ جو کچھ کہیں گے وہ حاضر کروں گا۔ اِسے بچا لیجئے۔ آپ بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کو بلائیے اور ان کی رائے لیجئے۔ میں سارا صرفہ دیدوں گا۔ اس کی یہ حالت اب نہیں دیکھی جاتی۔ ہائے، میرا ہونہار بیٹا!

ڈاکٹر صاحب نے دردناک لہجہ میں کہا۔ بابو صاحب، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں ان کے لئے اپنی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر رہا ہوں اب آپ دیگر ڈاکٹروں سے مشورہ کے لئے کہتے ہیں۔ مَیں ابھی ڈاکٹر لاہری ڈاکٹر بھاٹیا اور ڈاکٹر ناتھ کو بلاتا ہوں۔ لیکن میں آپ کو بے فائدہ تشفی نہیں دینا چاہتا۔ حالت بہت نازک ہے۔

منشی جی نے روتے ہوئے کہا — نہیں، ڈاکٹر صاحب! یہ لفظ مُنہ سے نہ نکالئے۔ حالت اس کے دشمنوں کی نازک ہے! ایشور مجھ پر اتنا قہر نہ کریگے آپ کلکتہ اور بمبئی کے ڈاکٹروں کو تار دیجئے۔ مَیں زندگی بھر آپکی غلامی کروں گا

یہی میرا چراغ خاندان ہے! یہی میری زندگی کا سہارا ہے! میرا دل چھٹا جا رہا ہے۔ کوئی ایسی دوا دیجئے کہ اسے ہوش آجاوے۔ میں ذرا اپنے کانوں سے اس کی باتیں سنوں، یہ جان سکوں کہ اسے کیا تکلیف ہو رہی ہے ہائے میرا بچہ! ڈاکٹر۔ آپ ذرا دل کو تسکین دیجئے۔ آپ بزرگ آدمی ہیں۔ یوں ہائے ہائے کرنے سے اور ڈاکٹروں کی فوج جمع کرنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ ہوش ہو کر بیٹھئے۔ میں شہر کے لوگوں کو بلا رہا ہوں۔ دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں۔ آپ تو خود ہی بدحواس ہوئے جاتے ہیں۔

منشی جی۔ اچھا ڈاکٹر صاحب، میں اب نہ بولوں گا، زبان تک نہ کھولوں گا۔ آپ جو چاہیں کریں، بچہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ہی اسے بچا سکتے ہیں! میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ ذرا اسے ہوش آجاوے، مجھے پہچان لے اور میری باتیں سمجھنے لگے۔ کیا کوئی ایسی دوا نہیں؟ کوئی ایسی سنجیونی بوٹی نہیں؟ بس میں اس سے دو چار باتیں کر لیتا۔

یہ کہتے کہتے منشی جی پھر جوش میں آکر منسارام سے بولے۔ بیٹا ذرا آنکھیں کھولو، کیسا جی ہے؟ میں تمہارے پاس بیٹھا رو رہا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔

ڈاکٹر۔ پھر آپ نے واہیات باتیں شروع کر دیں۔ ارے صاحب، آپ بچے نہیں ہیں، بزرگ آدمی ہیں، ذرا صبر سے کام لیجئے۔

منشی جی۔ اچھا، ڈاکٹر صاحب! اب نہ بولوں گا، خطا ہوئی۔ آپ جو چاہیں کریں میں نے سب کچھ آپ پر چھوڑ دیا۔ کوئی ایسی تدبیر نہیں ہے۔ جس سے میں اس کو

اتنا سمجھا سکوں کہ میرا دل صاف ہے۔ آپ ہی کہہ دیجئے، ڈاکٹر صاحب! کہہ دیجئے کہ تمہارا بدنصیب باپ بیٹھا رو رہا ہے، اُس کا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے۔ اُسے کچھ وہم ہوا تھا، وہ اب دور ہو گیا۔ بس اتنا ہی کہہ دیجئے۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں خاموش بیٹھا ہوں، زبان تک نہیں کھولتا۔ مگر آپ اتنا ضرور کہہ دیجئے۔

ڈاکٹر۔ ایشور کے لئے بابو صاحب! ذرا صبر کیجئے ورنہ مجھے مجبور ہو کر آپ سے کہنا پڑے گا کہ آپ گھر تشریف لیجائیے۔ میں ذرا دفتر میں جا کر ڈاکٹر صاحبان کو خط لکھ رہا ہوں۔ آپ یہاں خاموش بیٹھے رہیئے گا۔

بے رحم ڈاکٹر! نوجوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر کون باپ ہے جو صبر سے کام لے گا؟ منشی جی بہت سنجیدہ مزاج شخص تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت ہائے ہائے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مگر پھر بھی اسوقت چپ چاپ بیٹھنا اُن کے لئے ناممکن تھا۔ اگر اتفاقاً یہ بیماری ہوتی تو وہ صبر کر سکتے تھے، دوسروں کو سمجھا سکتے تھے اور خود ڈاکٹروں کو بلا سکتے تھے۔ مگر کیا یہ جانتے ہوئے بھی وہ صبر کر سکتے تھے کہ یہ سب آگ میری ہی لگائی ہوئی ہے؟ کوئی باپ اتنے سخت دل کا ہو سکتا ہے؟ ان کا رواں رواں اس وقت اُن پر لعنت کر رہا تھا۔ اُنھوں نے سوچا کہ مجھ میں یہ بدگمانی پیدا ہی کیوں ہوئی؟ میں نے کیوں بلا چشم دید ثبوت کے ایسا فرض کر لیا؟ اچھا مجھے اُس حالت میں کیا کرنا چاہیئے تھا؟ جو کچھ اُنھوں نے کیا۔ اُس کے سوا وہ اور کیا کرتے! اسے وہ نہ تجویز کر سکے دراصل شادی کے جھگڑے میں پڑنا ہی، اپنے پیروں میں کلہاڑی مارنا تھا

ہاں، یہی سارے فساد کی بنیاد ہے!

مگر میں نے یہ کوئی انوکھی بات نہیں کی، سبھی عورت مرد شادی کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی لُطف سے بسر ہوتی ہے۔ لُطف ہی کی خواہش سے تو ہم شادی کرتے ہیں! اسی محلّے میں صدہا اشخاص نے دوسرا، تیسرا، چوتھا، یہاں تک کہ ساتواں بیاہ کیا ہے اور مجھ سے بھی کہیں زیادہ عمر میں۔ وہ جب تک جئے، آرام ہی سے جئے۔ یہ بھی نہیں ہوا کہ سبھی بیوی سے پہلے مر گئے ہوں۔ دو دو تین تین شادیاں کرنے پر بھی کتنے ہی پھر بلا عورت کے ہو گئے۔ اگر میرے جیسی حالت سب کی ہوتی تو بیاہ کا نام ہی کون لیتا؟ میرے والد صاحب ہی نے پچپن سال کی عمر میں بیاہ کیا تھا اور میری پیدائش کے وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ تھی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تب اور اب میں کچھ فرق ہو گیا ہے۔ پہلے عورتیں پڑھی لکھی نہ ہوتی تھیں۔ شوہر خواہ کیسا ہی ہو، اُسے قابل پرستش سمجھتی تھیں، یا یہ بات ہو کہ مرد سب کچھ دیکھ سن کر بھی بیحیائی سے کام لیتا ہو۔ ضرور یہی بات ہے۔ جب جوان مرد بوڑھی عورت کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا تو جوان عورتیں کیوں کسی بڈھے سے خوش رہنے لگیں؟ لیکن میں تو کچھ ایسا بڈھا نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کوئی چالیس سال سے زیادہ کا نہیں بتلا سکتا۔ کچھ بھی ہو، جوانی ڈھل جانے پر جوان عورت سے بیاہ کر کے کچھ نہ کچھ بیحیائی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عورت قدرتاً حیادار ہوتی ہے۔ فاحشہ عورتوں کی بات تو دوسری ہے۔ مگر عموماً عورت مرد سے کہیں زیادہ پاکباز ہوتی ہے۔ جوڑ کا شوہر پا کر وہ چاہے غیر شخص سے ہنسی مذاق کرے مگر اس کا دل صاف رہتا ہے۔ بے جوڑ بیاہ ہو جانے

سے وہ چاہے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے مگر اس کا دل مغموم رہتا ہے۔ وہ پختہ دیوار ہے، اس میں سیری کا اثر نہیں ہوتا، یہ خام دیوار ہے اور اسی وقت تک کھڑی رہتی ہے جب تک اس پر سیری نہ چلائی جاوے۔

اسی طرح سوچتے سوچتے منشی جی کو ایک جھپکی آگئی۔ دلی خیالات نے فوراً خواب کی صورت اختیار کرلی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی پہلی بیوی منارام کے سامنے کھڑی کہہ رہی ہے ——— سوامی یہ تم نے کیا کیا؟ جس بچہ کو مینے اپنا خون پلا پلا کر پالا اس کو تم نے اتنی بیدردی سے مار ڈالا۔ ایسے اچھے چال چلن والے لڑکے پر تم نے اتنا بڑا کلنک لگا دیا! اب بیٹھے کیا بسورتے ہو؟ تم نے اس سے ہاتھ دھولیا۔ تمہارے بے درد ہاتھوں سے چھین کر اس کو اپنے ساتھ لئے جاتی ہوں۔ تم تو اتنے شکی کبھی نہ تھے، کیا بیاہ کرتے ہی شک کو بھی گلے باندھ لائے؟ اس ننھے دل پر اتنی کڑی چوٹ! اتنا بڑا کلنک اٹھا کر جینے والے کوئی بے حیا ہوں گے، میرا بیٹا نہیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے لڑکے کو گودی میں اٹھا لیا اور چلی۔ منشی جی نے روتے ہوئے اس کی گودی سے منارام کو چھین لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تو اُن کی آنکھیں یکدم کھل گئیں اور ڈاکٹر مدھری، ڈاکٹر بھاٹیا وغیرہ نصف درجن ڈاکٹر صاحبان ان کے سامنے کھڑے ہوئے نظر آئے۔

(۱۲)

تین روز گذر گئے اور منشی جی گھر نہ آئے۔ رکمنی دونوں وقت شفاخانہ جاتی اور منارام کو دیکھ آتی تھی۔ دونوں لڑکے بھی جاتے تھے۔ مگر ملا کیسے جاتی؟ اس کے پیروں میں تو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں! وہ منارام کی علالت کی

کیفیت معلوم کرنے کے لئے بیقرار رہتی۔ اگر کسی سے کچھ پوچھتی تھی تو طعن و تشنیع میں جواب ملتا تھا اگر لڑکوں سے کوئی بات دریافت کرتی تو وہ بے سر پیر کی باتیں کرنے لگتے تھے، ایک مرتبہ خود جا کر دیکھنے کے لئے اُس کا دل بے چین ہو رہا تھا۔ اس کو یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ بدگمانی نے کہیں منشی جی کی شفقت پدری کو مفقود نہ کر دیا ہو یا مبادا ان کا بخل تو منسا رام کے صحت ہونے میں ہارج نہیں ہو رہا۔ ڈاکٹر لوگ کسی کے عزیز نہیں ہوتے؟ انھیں تو اپنی فیس سے مطلب خواہ مردہ دوزخ میں جاوے یا بہشت میں! اس کے دل میں زبردست خواہش ہوتی تھی کہ وہ خود اسپتال جا کر اور ڈاکٹر کو ایک ہزار کی تھیلی دے کر کہے کہ اس کو آپ رام کر دیجئے، یہ تھیلی آپکی نذر ہے۔ مگر اس کے پاس نہ تو اتنے روپئے تھے نہ اُس کے دل میں اتنی ہمت تھی۔ اب بھی اگر وہ وہاں پہنچ سکتی تو منسا رام صحت پا جاتا۔ اُس کی جیسی تیمارداری ہونی چاہئے ویسی نہیں ہو رہی ہے ورنہ کیا تین روز تک بخار ہی نہ اُترتا؟ یہ جسمانی بخار نہیں، دلی بخار ہے اور دل کی تسکین ہی سے اس کا زور گھٹ سکتا ہے۔ اگر وہ وہاں تمام رات بھی بیٹھی رہ سکتی اور منشی جی کو ذرا بھی بدگمانی نہ ہوتی تو شاید منسا رام کو یقین ہو جاتا کہ باپ کا دل میری طرف سے صاف ہے اور پھر اُس کے صحت ہونے میں دیر نہ لگتی لیکن کیا ایسا ہوگا؟ منشی جی اُس کو وہاں دیکھ کر مطمئن ہو سکیں گے؟ کیا اب بھی اُن کے دل میں کدورت ہے؟ یہاں سے جاتے وقت تو ایسا معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ اُس کے وہاں جاتے ہی منشی جی کے دل میں پھر شک پیدا ہو جاوے اور وہ بیٹے کی جان سے کر ہی چھوڑیں۔

اسی کشمکش و پنج کی حالت میں تین روز گزر گئے۔ نہ گھر میں چولھا جلا اور نہ کسی نے کچھ کھایا۔ لڑکوں کے لئے بازار سے پوریاں منگالی جاتی تھیں۔ رکمنی اور نرملا بھوکی ہی سو جاتی تھیں، انھیں کھانے کی خواہش ہی نہ ہوتی تھی۔

چوتھے روز جیارام اسکول سے لوٹا تو اسپتال ہوتا ہوا مکان آیا۔ نرملا نے پوچھا ——— کیوں بھیا، اسپتال بھی گئے تھے؟ آج کیا حال ہے؟ تمہارے بھیا اچھے یا نہیں؟

جیارام رونی صورت بنا کر بولا۔ اماں جی، آج تو وہ کچھ بولتے ہی نہ تھے چپ چاپ چارپائی پر پڑے زور زور سے ہاتھ پیر پٹک رہے تھے۔

نرملا کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ گھبرا کر پوچھا ——— تمہارے بابو جی وہاں نہ تھے؟

جیارام۔ تھے کیوں نہیں، آج وہ بہت روتے تھے۔

نرملا کا دل دھڑکنے لگا۔ پوچھا ——— ڈاکٹر لوگ وہاں نہ تھے۔

جیارام۔ ڈاکٹر بھی کھڑے تھے اور آپس میں کچھ صلاح کر رہے تھے۔ سب سے بڑا سول سرجن انگریزی میں کہہ رہا تھا کہ مریض کے بدن میں کچھ تازہ خون ڈالنا چاہیئے۔ اس پر بابو جی نے کہا کہ میرے جسم سے جتنا خون چاہیئے لے لیجئے۔ سول سرجن نے ہنس کر کہا کہ آپکے خون سے کام نہیں چلے گا۔ کسی جوان آدمی کا خون چاہیئے۔ آخر اس نے پچکاری سے کوئی دوا بھیا کے خون میں ڈال دی۔ چار انگل سے کم کی سوئی نہ رہی ہوگی مگر بھیا نے ہے تک نہیں کی۔ میں نے تو مارے ڈر کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

بڑے بڑے زبردست منصوبے جوش کی حالت ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ کہاں تو نرملا ڈر سے سوکھی جاتی تھی۔ کہاں اس کے چہرہ پر مصمم ارادہ کی جھلک آگئی۔ اُس نے اپنے جسم کا تازہ خون دینے کا تہیہ کر لیا۔ اگر ان کے خون سے منسارام کی جان بچ جاوے تو وہ اپنے خون کا آخری قطرہ دینے کے لئے بخوشی تیار تھی! اب جس کا جو جی چاہے، سمجھے۔ وہ کسی کی پرواہ نہ کرے گی۔ اُس نے جیارام سے کہا — تم لپک کر ایک تانگہ بلا لو، مَیں اسپتال جاؤں گی۔

جیارام۔ وہاں تو اسوقت بہت سے آدمی ہوں گے، ذرا رات ہو جانے دیجئے

نرملا۔ نہیں، تم ابھی یکہ بلا لو۔

جیارام۔ کہیں بابو جی خفا نہ ہوں۔

نرملا۔ خفا ہونے دو، تم ابھی جاکر سواری لاؤ۔

جیارام۔ میں کہدوں گا کہ اماں نے خود ہی مجھ سے سواری منگائی تھی۔

نرملا۔ ہاں، کہدینا۔

جیارام تو اُدھر تانگہ لانے گیا اِس طرف اتنے عرصہ میں نرملا نے سر میں کنگھی کی، بال باندھے، کپڑے بدلے گہنے پہنے، پان کھایا اور دروازہ پر آکر تانگہ کا انتظار کرنے لگی۔

رُکمنی اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے اِس طرح تیار ہو کر آتے دیکھ کر بولی۔ کہاں جاتی ہو، بہو؟

نرملا۔ ذرا اسپتال تک جاتی ہوں۔

رُکمنی۔ وہاں جاکر کیا کرو گی؟

نرملا۔ کچھ نہیں، کردل گی کیا؟ کرنے والے تو بھگوان ہیں، دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔
رکمنی۔ میں کہتی ہوں تم نہ جاؤ۔
نرملا نے عاجزی سے کہا۔ ابھی چلی آؤنگی، دیدی جی! جیارام کہہ رہا ہے کہ اسوقت اُن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ دل نہیں مانتا، آپ بھی چلئے نہ؟
رکمنی۔ میں دیکھ آئی ہوں۔ اتنا ہی سمجھ لو کہ اب باہری خون پہنچنے ہی پر جینے کی امید ہے۔ کون اپنا تازہ خون دے گا اور کیوں دے گا؟ اُس میں بھی تو جان جوکھم کا ڈر ہے۔
نرملا۔ اسی لئے تو میں جاتی ہوں، میرے خون سے کیا کام نہ چلے گا؟
رکمنی۔ چلے گا کیوں نہیں، جوان ہی کا خون تو چاہیئے۔ مگر تمہارے خون سے منّا کی جان بچے، اس سے یہ کہیں اچھا ہے کہ اُسے پانی میں بہا دیا جاوے۔
تانگہ آگیا۔ نرملا اور جیارام دونوں جا بیٹھے۔ تانگہ روانہ ہوگیا۔ رُکمنی دروازہ پر کھڑی دیر تک روتی رہی۔ آج پہلے بار اس کو نرملا پر رحم آیا اس کا بس چلتا تو وہ نرملا کو باندھ رکھتی۔ رحم اور ہمدردی کا جوش اُسے کہاں لئے جاتا ہے، اِسے وہ مخفی طریقہ پر دیکھ رہی تھی۔ آہ، اس میں بدنصیبی کا ہاتھ ہے، یہ تباہی کا راستہ ہے؟
نرملا اسپتال پہنچی تو چراغ جل چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحبان اپنی اپنی رائے دے کر رخصت ہوگئے تھے۔ منا رام کا بخار کم ہوگیا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے دروازہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ آسمان کی کھلی فضا کی طرف لگی ہوئی تھی گویا وہ کسی دیوتا کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے،

اس کا اسے کچھ علم نہ تھا۔

دفعتاً نرملا کو دیکھتے ہی وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی محویت غائب ہوگئی اس کا مٹا ہوا ہوش عود کر آیا۔ اُسے اپنی حالت کا علم ہوگیا، گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ کر نرملا کو دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

یکایک منشی جی تیز لہجہ میں بولے "تم یہاں کیا کرنے آئیں؟" نرملا ساکت رہ گئی یا وہ بتلائے کہ کیا کرنے آئی۔ اتنے سادہ سوال کا بھی وہ کیا کوئی جواب نہ دے سکی؟ وہ کیا کرنے آئی؟ اتنا مشکل سوال کس کے سامنے آیا ہوگا؟ گھر کا لڑکا بیمار ہے، اُسے دیکھنے آئی۔ یہ بات کیا بلا دریافت کے معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ پھر یہ سوال کیوں؟

وہ مبہوت سی کھڑی رہی گویا بالکل بدحواس ہوگئی ہو۔ اُس نے دونوں لڑکوں سے منشی جی کے دکھ درد کی باتیں سُن کر یہ قیاس کیا تھا کہ اب اُن کا دل صاف ہوگیا ہے۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ وہ محض خیال تھا! اگر وہ جانتی کہ آنسوؤں کی بارش نے بھی شک کی آگ نہیں بجھائی تو وہ وہاں کبھی نہیں جاتی۔ وہ کڑھ کڑھ کر مر جاتی مگر گھر سے باہر قدم نہ رکھتی۔

منشی جی نے پھر وہی سوال کیا۔ تم یہاں کیوں آئیں؟

نرملا نے بے خوفی سے جواب دیا۔ آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟

منشی جی کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ وہ طیش میں آکر پلنگ سے اُٹھے اور نرملا کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ تمہارے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب میں بلاؤں تب آنا، سمجھ گئیں؟

ارے، یہ کیا ہوا؟ منسارام جو پلنگ سے ہل بھی نہ سکتا تھا، اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور نرملا کے پیروں پر گر کر روتے ہوئے بولا "اماں جی، اِس ابھاگے کے لئے آپ کو ناحق اتنی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کی محبت کبھی نہ بھولوں گا۔ ایشور سے میری یہی بنتی ہے کہ میرا دوسرا جنم آپ ہی کے بطن سے ہو کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ دے سکوں۔ ایشور جانتا ہے کہ میں نے آپ کو سوتیلی ماں نہیں سمجھا۔ میں آپ کو اپنی ماں سمجھتا رہا۔ آپ کی عمر مجھ سے بہت زیادہ نہ ہو مگر آپ میری ماں کی جگہ پر تھیں، اور میں نے آپ کو ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا ...... اب نہیں بولا جاتا اماں جی، معاف کیجئے، یہ آخری ملاقات ہے۔"

نرملا نے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا ـــــ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ دو چار دن میں اچھے ہو جاؤ گے۔

منسارام نے کمزور آواز میں کہا۔ اب جینے کی خواہش نہیں اور نہ بولنے کی طاقت ہی ہے۔ یہ کہتے کہتے منسارام کمزوری کے سبب وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ نرملا نے شوہر کی طرف بے خوفی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹروں نے کیا صلاح دی ہے؟

منشی جی۔ سب کے سب بھنگ کھا گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تازہ خون چاہیے

نرملا تازہ خون مل جاوے تو جان بچ سکتی ہے؟

منشی جی نے نرملا کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ میں ایشور نہیں ہوں اور نہ ڈاکٹروں کو ایشور سمجھتا ہوں۔

نرملا۔ تازہ خون تو ایسی نایاب چیز نہیں۔

منشی جی۔ آسمان کے تارے بھی تو نایاب ہیں۔ مُنہ کے سامنے خندق کیا چیز ہے۔
نرملا۔ میں اپنا خون دینے کو تیار ہوں۔ ڈاکٹر کو بلائیے۔
منشی جی نے حیرت سے کہا۔ تم!
نرملا۔ ہاں، کیا میرے خون سے کام نہ چلے گا؟
منشی جی۔ تم اپنا خون دو گی؟ نہیں، تمہارے خون کی ضرورت نہیں۔ اس میں جان کا خطرہ ہے۔
نرملا۔ میری جان اور کس دن کام آوے گی؟
منشی جی نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ نہیں نرملا، اُس کی قیمت اب میری نگاہوں میں بہت بڑھ گئی ہے۔ آجتک وہ میری نفس پرستی کی چیز تھی، آج سے وہ میری عقیدت کی چیز ہے! میں نے تمہارے ساتھ سخت نا انصافی کی ہے، مجھے معاف کرو۔

(۱۳)

جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ کسی کی کچھ نہ چلی۔ ڈاکٹر صاحب نرملا کے جسم سے خون نکالنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ منارام اپنی پاکیزگی کی آخری جھلک دکھلا کر اس عالم وہم و خیال سے رخصت ہو گیا، شاید اتنی دیر تک اس کی جان نرملا ہی کے انتظار میں اٹک رہی تھی۔ اُسے بیگناہ ثابت کئے بغیر وہ جسم کو کیسے چھوڑ دیتی؟ اب اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ منشی جی کو نرملا کے بیگناہ ہونے کا یقین ہو گیا مگر کب؟ جب کمان سے تیر نکل چکا تھا۔ جب مسافر پا برکاب ہو چکا تھا!
اِس صدمہ سے منشی جی کو جینا دوبھر ہو گیا۔ اُس روز سے پھر اُن کے ہونٹوں پر ہنسی نہ آئی۔ زندگی بیکار معلوم ہونے لگی۔ وہ کچہری جاتے مگر مقدمات کی

پیروی کے لئے نہیں بلکہ محض دل بہلانے کے لئے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ میں وہاں سے اکتا کر چلے آتے۔ کھانے بیٹھتے تو لقمہ منہ میں نہ جاتا۔ نرملا اچھے سے اچھے کھانے پکاتی مگر منشی جی دو چار نوالوں سے زیادہ نہ کھا سکتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کھانا منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ منسا رام کے کمرہ کی طرف جاتے ہی ان کا دل پاش پاش ہو جاتا تھا۔ جہاں ان کی امیدوں کا چراغ جلتا رہتا تھا وہاں اب تاریکی تھی! اُن کے دو بیٹے اب بھی تھے مگر پھولنے پھلنے والا درخت گر پڑا تو ننھے پودوں کا کیا اعتبار؟ یوں تو جوان، بڈھے، سبھی مرتے ہیں مگر رنج اس بات کا تھا کہ انھوں نے خود لڑکے کی جان لی جس وقت یہ بات یاد آ جاتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سینہ شق ہو جائے گا اور ان کا دل باہر نکل پڑے گا!

نرملا کو شوہر سے سچی ہمدردی تھی۔ حتی الامکان وہ انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی اور گذری باتوں کا بھول کر بھی ذکر نہ کرتی تھی۔ منشی اُس سے منسا رام کے متعلق کچھ کہتے ہوئے شرماتے تھے۔ اُن کی کبھی کبھی ایسی خواہش ہوتی کہ یکبار نرملا سے اپنے دل کی ساری باتیں کھول کر کہدوں مگر ندامت سے زبان بند ہو جاتی تھی۔ اس طرح ان کو وہ تسکین بھی نہ ملتی تھی جو اپنا دکھ کہہ ڈالنے سے، دوسروں کو اپنے دُکھ میں شریک کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ مواد فاسد باہر نہ نکل کر اندر ہی اندر اپنا زہر پھیلاتا جاتا تھا، روز بروز بدن گھلتا جا رہا تھا!

اِدھر کچھ دنوں سے منشی جی اور اُن ڈاکٹر صاحب میں جنھوں نے منسا رام کا علاج کیا تھا، دوستانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بیچارے کبھی کبھی آکر منشی جی کی تشفی کیا کرتے۔ کبھی کبھی اپنے ساتھ ہوا کھلانے کے لئے کھینچ لیجاتے۔ ان کی بیوی بھی

دو چار مرتبہ نرملا سے ملنے آئی تھی۔ نرملا بھی کئی بار ان کے گھر جا چکی تھی۔ مگر جب وہ وہاں سے واپس آتی تو کئی دن تک اُداس رہتی۔ اُن دونوں کی خوش گذران زندگی دیکھ کر اُسے اپنی حالت پر رنج ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ڈاکٹر صاحب کو کُل دو سو روپئے ماہوار ملتے تھے مگر اسی قدر میں دونوں کی بآرام بسر ہوتی تھی۔ گھر میں صرف ایک مہری تھی، خانہ داری کا بہت سا کام ڈاکٹر صاحب کی بیوی کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا تھا اس کے بدن پر گہنے بھی بہت کم تھے مگر ان دونوں میں وہ محبت تھی جسے دولت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ شوہر کو دیکھ کر بیوی بشاش ہو جاتی تھی اور بیوی کو دیکھ کر شوہر کا چہرہ شگفتہ ہو جاتا تھا۔ نرملا کے مکان میں دولت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ گہنوں کے بوجھ سے اس کا جسم دبا جاتا تھا۔ اُسکو گھر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کرنا پڑتا تھا۔ مگر نرملا امیر ہونے پر بھی بہت مغموم تھی اور سُدھا غریب ہونے پر بھی خوش و خرم۔ سُدھا کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی جو نرملا کے پاس نہ ہو جس کے سامنے اُسے اپنی امارت ہیچ معلوم ہوتی تھی حتیٰ کہ وہ سُدھا کے گھر گہنے پہن کر جاتے ہوئے شرماتی تھی۔

ایک روز نرملا ڈاکٹر صاحب کے گھر گئی تو اُسے بہت اُداس دیکھ کر سُدھا نے پُوچھا — بہن، آج بہت اُداس ہو۔ وکیل صاحب کی طبیعت تو اچھی ہے نہ؟

نرملا۔ کیا کہوں سدھا، ان کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ کہتے نہیں بنتا۔ نہ جانے ایشور کو کیا منظور ہے۔

سُدھا۔ ہمارے باوجی تو کہتے ہیں کہ انھیں کہیں تبدیل آب و ہوا کے لئے جانا ضروری ہے، ورنہ کوئی مہلک عارضہ لاحق ہو جاویگا۔ دو کئی بار وکیل صاحب سے

کہہ بھی چکے ہیں مگر وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ میں تو بہت اچھا ہوں، مجھے کوئی شکایت نہیں۔ آج تم بھی کہنا۔

نرملا۔ جب ڈاکٹر صاحب کی نہیں سُنتے تو میری کیا سُنیں گے۔

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ بات جو اِدھر مہینوں سے اُسے پریشان کر رہی تھی، اُس کے منہ سے نکل پڑی۔ اب تک اُس نے چھپا رکھا تھا مگر اب نہ چھپا سکی۔ بولی — بہن، مجھے تو کچھ اچھے آثار نظر نہیں آتے۔ دیکھیں بھگوان کیا کرتے ہیں۔

سُدھا۔ تم آج اُن سے کافی زور دے کر کہنا کہ کہیں تبدیل آب و ہوا کے لئے چلیئے دو چار مہینے باہر رہنے سے بہت سی باتیں بھول جاؤ گی۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ شاید مکان تبدیل کر دینے سے بھی ان کا رنج کچھ گھٹ جاوے گا۔ تم کہیں باہر جا بھی تو نہ سکو گی۔ یہ کونسا مہینہ ہے؟

نرملا۔ آٹھواں مہینہ جا رہا ہے۔ یہ اندیشہ تو مجھے اور بھی ہلاک کئے ڈالتا ہے۔ میں نے تو اس کے لئے ایشور سے کبھی بنتی نہیں کی تھی۔ یہ بلا میرے سر نہ جانے کیوں ڈالدی۔ میں بڑی بدنصیب ہوں بہن، بیاہ کے ایک ماہ قبل باپ کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے مرتے ہی میرے سر پر سنیچر سوار ہوا۔ جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو پختہ ہو چکی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے بے رُخی کا برتاؤ کیا۔ بیچاری اماں کو ہار مان کر میرا بیاہ یہاں کرنا پڑا۔ اب چھوٹی بہن کا بیاہ ہونے والا ہے۔ دیکھیں اس کی ناؤ کس گھاٹ جاتی ہے۔

سُدھا۔ جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو ہوئی تھی ان لوگوں نے انکار کیوں کر دیا تھا؟

نرملا۔ یہ تو وہی جانیں۔ باپ ہی نہ رہا تو سونے کی گٹھری کون دیتا؟
سُدھا۔ یہ تو کمینہ پن ہے، کہاں کے رہنے والے تھے؟
نرملا۔ لکھنؤ کے۔ نام تو یاد نہیں مگر آبکاری کے کوئی بڑے افسر تھے۔
سُدھا نے متانت سے پوچھا — ان کا لڑکا کیا کرتا تھا؟
نرملا۔ کچھ نہیں، کہیں پڑھتا تھا مگر بڑا ہونہار تھا۔
سُدھا نے سر نیچا کر کے کہا۔ اُس نے اپنے باپ سے کچھ نہ کہا؟ وہ تو جوان تھا، کیا اپنے باپ کو مجبور نہ کر سکتا تھا؟
نرملا۔ اب میں کیا جانوں بہن، سونے کی گٹھری کسے اچھی نہیں لگتی؟ جو پنڈت ہمارے یہاں سے سندیسہ لے کر گیا تھا اُس نے تو کہا تھا کہ لڑکا ہی انکار کر رہا ہے۔ لڑکے کی ماں البتہ دیوی تھی۔ اس نے اُن دونوں باپ بیٹے کو سمجھایا مگر اس کی ایک نہ چلی۔
سُدھا۔ میں تو اس لڑکے کو پاتی تو خوب آڑے ہاتھوں لیتی۔
نرملا۔ میرے نصیب میں تو جو لکھا تھا وہ ہو چکا، بیچاری کرشنا پر نہ جانے کیا بیتے گی؟
شام کے وقت نرملا کے چلے جانے پر، جب ڈاکٹر صاحب باہر سے آئے تو سُدھا نے کہا — کیوں جی! تم اس آدمی کو کیا کہو گے جو ایک جگہ بیاہ طے کر لینے کے بعد پھر لالچ سے کسی دوسری جگہ بیاہ کرے؟
ڈاکٹر سنہا نے بیوی کی طرف حیرت سے دیکھ کر کہا۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اور کیا؟

سُدھا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ بھاری کمینہ پن ہے؟
سِنہا۔ ہاں، یہ کہنے سے بھی مجھے انکار نہیں۔
سُدھا۔ کس کا قصور زیادہ ہے، لڑکے کا یا لڑکے کے باپ کا؟
سِنہا کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا کہ سدھا کے اِن سوالوں کا مطلب کیا ہے، تعجب سے بولے — جیسی حالت ہو، اگر وہ باپ کے تابع ہو تو باپ ہی کا قصور سمجھو۔
سُدھا۔ تابع ہونے پر بھی کیا جوان آدمی کا کوئی فرض نہیں ہے؟ اگر اُس کو اپنے لئے نئے کوٹ کی ضرورت ہو تو وہ باپ کی مخالفت پر بھی اُسے رو دھو کر بنوا ہی لیتا ہے۔ کیا ایسی اہم بات کے متعلق وہ اپنی آواز کو باپ کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتا؟ یہ کہو کہ لڑکا اور لڑکے کا باپ دونوں ہی قصوروار ہیں مگر زیادہ لڑکا! بڈھا آدمی سوچتا ہے کہ مجھے تو سارا خرچ برداشت کرنا پڑے گا پس لڑکی والوں سے جتنا اَینٹھ سکوں اتنا ہی اچھا، مگر لڑکے کا فرض ہے کہ اگر وہ خودغرضی کے ہاتھوں بالکل بک نہیں گیا ہے تو اپنی اخلاقی قوت سے کام لے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو میں کہوں گی وہ حریص بھی ہے اور بزدل بھی۔ بدقسمتی سے ایسا ہی ایک شخص میرا شوہر ہے۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مَیں کن الفاظ میں اُسے ملامت کروں۔
سِنہا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ وہ..... وہ..... وہ دوسری بات تھی لین دین کا سبب نہیں تھا، بالکل دوسری بات تھی لڑکی کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں ہم لوگ کیا کرتے؟ یہ بھی سُننے میں آیا تھا کہ لڑکی میں کوئی

نقص ہے۔ وہ باتیں دوسری بات تھی۔ مگر تم سے یہ داستان کس نے کہی؟
سدھا۔ کہہ دو نہ، کہ وہ لڑکی کانی تھی، کبڑی تھی، آوارہ تھی یا نائن کے پیٹ کی تھی! اتنی کسر کیوں چھوڑ رکھی۔ بھلا سنوں تو کہ اس لڑکی میں کیا نقص تھا؟
سہا۔ میں نے دیکھا تو تھا نہیں سننے میں آیا تھا کہ اس میں کوئی نقص ہے۔
سدھا۔ سب سے بڑا نقص یہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ کوئی بھاری رقم نہ دے سکتی تھی۔ اتنا قبول کرتے ہوئے کیوں جھینپتے ہو؟ میں کچھ تمہارے کان تو نہ کاٹ لوں گی! اگر دو چار فقرے کہوں تو اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دینا۔ زیادہ بکواس کروں تو چھڑی سے کام لے سکتے ہو۔ عورت ذات ڈنڈے ہی سے ٹھیک رہتی ہے۔ اگر اس لڑکی میں کوئی عیب تھا تو میں کہوں گی کہ لکشمی بھی عیب سے نہیں۔ تمہاری قسمت کھوٹی تھی، بس اور کیا؟ تمہیں تو میرے پالے پڑنا تھا۔
سہا۔ تم سے کس نے کہا کہ وہ ایسی تھی اور ویسی تھی؟ جیسے تم نے کسی سے سن کر مان لیا ویسے ہی ہم لوگوں نے بھی سن کر مان لیا۔
سدھا۔ میں نے سن کر نہیں مان لیا، اپنی آنکھوں دیکھا: زیادہ کیا تعریف کروں میں نے ایسی خوبصورت عورت کبھی نہیں دیکھی تھی۔
سہا نے بیقرار ہو کر پوچھا۔ کیا وہ یہیں کہیں ہے؟ سچ بتاؤ اس کو کہاں دیکھا؟ کیا تمہارے گھر آئی تھی؟
سدھا۔ ہاں میرے گھر آئی تھی، اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار آ چکی ہے۔ میں بھی اس کے یہاں کئی بار جا چکی ہوں۔ وکیل صاحب کی بیوی وہی لڑکی ہے جس کو آپ نے نقص کے سبب چھوڑ دیا تھا۔

سنہا۔ سچ؟
سُدھا۔ بالکل سچ! آج اگر اُسے معلوم ہوجاوے کہ آپ وہی حضرت ہیں تو شاید پھر اِس مکان میں قدم نہ رکھے۔ ایسی نیک مزاج، گھر کے کاموں میں ایسی ہوشیار اور ایسی شکل صورت والی عورتیں اِس شہر میں دو ہی چار ہونگی۔ تم میری تعریف کرتے ہو، میں تو اس کی لونڈی ہونے کے قابل بھی نہیں ہوں! گھر میں ایشور کا دیا ہوا سب کچھ ہے مگر جب جوڑا ہی ٹھیک نہیں تو اور سب چیزوں کا ہونا کس کام کا؟ آفریں ہے اُس کے ضبط و تحمل کو کہ اُس بوڑھے کھوسٹ وکیل کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہی ہے۔ میں نے تو کب کا زہر کھا لیا ہوتا۔ مگر دل کی بات کہنے ہی پر تھوڑا ظاہر ہوتی ہے بلکہ خود ہی ظاہر ہوجاتی ہے۔ وہ ہنستی ہے، بولتی ہے، گہنے کپڑے پہنتی ہے مگر اس کا ایک ایک رونگٹا رویا ہی کرتا ہے۔
سنہا۔ وکیل صاحب کی خوب شکایت کرتی ہوگی؟
سُدھا۔ شکایت کیوں کرے گی؟ کیا وہ اُس کے شوہر نہیں ہیں؟ اب تو دُنیا میں اس کے لئے جو کچھ ہے وہ وکیل صاحب ہی ہیں۔ وہ بڈھے ہوں یا مریض مگر ہیں تو اس کے شوہر! شریف عورتیں شوہر کی ہجو نہیں کرتیں، یہ بدذاتوں کا کام ہے وہ اُن کی حالت دیکھ کر کُڑھتی ہے مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی۔
سنہا۔ ان وکیل صاحب کو کیا سوجھی تھی جو اِس عمر میں بیاہ کرنے چلے؟
سُدھا۔ ایسے آدمی نہ ہوں تو غریب کنواریوں کی ناؤ کون پار لگائے؟ تم اور تمہارے جیسے لوگ بلا بھاری گٹھری لئے بات نہیں کرتے تو پھر یہ بیچاری کس کے گھر جا دیں؟ تم نے یہ بڑا بھاری اَنیائے کیا ہے اور تمہیں اس کا پرائشچت (کفارہ)

کرنا پڑے گا۔ ایشور اس کا سہاگ امر کرے، مگر وکیل صاحب کو کہیں کچھ ہو گیا تو بیچاری کی زندگی غارت ہو جاوے گی۔ آج تو وہ بہت روتی تھی۔ تم لوگ واقعی بڑے بے رحم ہو! میں تو اپنے سوہن کا بیاہ کسی غریب لڑکی سے کروں گی۔

ڈاکٹر صاحب نے آخری جملہ نہیں سنا۔ وہ گہری فکر میں ڈوب گئے۔ اُن کے دل میں یہ سوال بار بار پیدا ہو کر انھیں پریشان کرنے لگا کہیں وکیل صاحب کو کچھ ہو گیا تو؟ آج انھیں اپنی خود غرضی کی خوفناک صورت نظر آئی۔ واقعی یہ ان کا قصور تھا۔ اگر انھوں نے باپ سے باصرار کہا ہوتا کہ میں اور کہیں بیاہ نہ کروں گا تو کیا وہ ان کی مرضی کے خلاف ان کا بیاہ کر دیتے؟

دفعتاً سدھا نے کہا —— اگر کہو تو کل نرملا سے تمہاری ملاقات کرا دوں وہ بھی ذرا تمہاری صورت دیکھ لے۔ وہ کچھ بولے گی تو نہ مگر شاید وہ ایک ہی نظر سے تمہاری اتنی ملامت کر دے گی کہ تم تمام عمر نہ بھولو گے۔ بولو، کل ملا دوں؟ تمہارا مختصر حال بھی بتلا دوں گی۔

سنہا نے کہا —— نہیں سدھا، تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں، کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔

سدھا۔ جو کانٹا بویا ہے اس کا پھل کھاتے کیوں اتنا ڈرتے ہو؟ جس کی گردن پر کٹار چلائی ہے اُسے ذرا تڑپتا ہوا بھی تو دیکھو۔ میرے دادا جی نے پانچ ہزار دئے نہ؟ ابھی چھوٹے بھائی کے بیاہ میں پانچ چھ ہزار اور مل جاویں گے۔ پھر تو تمہارے برابر دولتمند دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہوگا! گیارہ ہزار بہت ہوتے ہیں۔ باپ رے باپ! گیارہ ہزار! اُٹھا اُٹھا کر رکھنے لگے تو مہینوں لگ جائیں! اگر لڑکے اُڑانے بھی لگیں تو

تین پشتوں کو کافی ہو! کہیں سے گفتگو درپیش ہے یا نہیں؟

اس طعن آمیز کلام سے ڈاکٹر صاحب اس قدر نادم ہوئے کہ سر تک نہ اٹھا سکے۔ ان کی ساری گویائی سلب ہو گئی۔ ذرا سا منہ نکل آیا گویا طمانچے پڑ گئے ہوں، اسی وقت کسی نے ڈاکٹر صاحب کو باہر سے پکارا۔ بیچارے جان لے کر بھاگے۔ عورت طعنہ زنی میں کتنی ہوشیار ہوتی ہے، اس کا آج انھیں پتہ چل گیا۔

رات کو ڈاکٹر صاحب لیٹتے ہوئے سدھا سے بولے۔ نرملا کی تو کوئی بہن اور ہے نہ؟

سُدھا۔ ہاں، آج اس کا ذکر تو کرتی تھی۔ اس کی فکر ابھی سے دامنگیر ہے۔ نرملا پر تو جو کچھ بیتنی تھی، بیت چکی، بہن کی فکر میں پڑی ہوئی ہے۔ ماں کے پاس تو اب اور بھی کچھ نہیں رہا۔ مجبوراً کسی ایسے بوڑھے بابا کے گلے میں وہ بھی منڈھ دی جاوے گی۔

سنہا نرملا تو اب اپنی ماں کی مدد کر سکتی ہے؟

سُدھا نے تیز لہجہ میں کہا۔ تم بھی کبھی کبھی بالکل بے سر پیر کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ نرملا بہت کرے گی تو دو چار سو روپئے دیدے گی، اور کیا کر سکتی ہے؟ وکیل صاحب کا یہ حال ہو رہا ہے، اُسے بھی تو ابھی پہاڑ سی عمر کاٹنی ہے! پھر کون جانے اس کے گھر کا کیا حال ہے؟ ادھر چھ مہینے سے بیچارے گھر بیٹھے ہیں۔ روپئے آسمان سے تھوڑا ہی برستے ہیں۔ دس بیس ہزار ہوں گے بھی تو بنک میں ہوں گے، کچھ نرملا کے پاس تو رکھے نہ ہونگے۔ ہمارا دو سو ماہوار کا خرچ ہے تو کیا ان کا چار سو ماہوار کا بھی نہ ہوگا؟

سدھا تو سو گئی مگر ڈاکٹر صاحب بہت دیر تک کروٹیں بدلتے رہے۔ پھر

کچھ سوچ کر اٹھے اور میز پر جا کر ایک خط لکھنے لگے ——

(۱۴)

تینوں باتیں ایک ساتھ ہی ہوئیں۔ نرملا کے لڑکی پیدا ہوئی۔ کرشنا کا بیاہ طے ہوا اور منشی طوطا رام کا مکان نیلام ہو گیا۔ لڑکی کا پیدا ہونا تو معمولی بات تھی اگرچہ نرملا کی نگاہوں میں یہ اس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ تھا۔ بقیہ دونوں واقعے غیر معمولی تھے۔ کرشنا کا بیاہ ایسے باثروت خاندان میں کیونکر طے ہوا؟ اُسکی ماں کے پاس تو جہیز کے نام پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی اور ادھر بُوڑھے سنہا صاحب جواب پنشن لے کر مکان آ گئے تھے، اپنی برادری میں بڑے ہی لالچی مشہور تھے۔ وہ اپنے لڑکے کا بیاہ ایسے مفلس گھرانے میں طے کرنے پر کیسے رضامند ہوئے، کسی کو یکایک اِس کا یقین نہ آتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر منشی جی کے مکان کا نیلام ہو جانا تھا لوگ منشی کو اگر لکھ پتی کروڑ پتی نہیں تو کم از کم بڑا آدمی ضرور خیال کرتے تھے۔ اُن کا مکان کیسے نیلام ہوا؟ بات یہ تھی کہ منشی جی نے ایک مہاجن سے کچھ روپئے قرض لے ایک گاؤں رہن رکھا تھا، انھیں امید تھی کہ سال چھ مہینے میں یہ روپئے ادا کر دیں گے اور پھر دس پانچ برس میں اس گاؤں پر بھی پورا قبضہ کر لیں گے۔ کیونکہ زمیندار اصل اور سود کے کچھ روپئے ادا نہ کر سکے گا۔ اسی امید پر منشی جی نے یہ معاملہ کیا تھا۔ گاؤں بہت بڑا تھا، چار پانچسو روپیہ کا سالانہ منافع تھا۔ مگر دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ منشی جی اپنے کو بہت کچھ سمجھانے پر بھی کچہری کا کام نہ کر سکے۔ لڑکے کے سوگ نے اُن میں کوئی کام کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رکھی تھی۔ کون ایسا بیدرد باپ ہے جو لڑکے کے حلق پر تلوار پھیر کر بھی اپنے دل کو مطمئن کر سکے؟

مہاجن کے پاس جب سال بھر تک سود نہ پہنچا اور نہ اس کے بار بار بلانے پر منشی جی اُس کے پاس ہی گئے، یہاں تک آخری مرتبہ انھوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں، ساہو جی چاہے جو کریں، تو ساہو جی کو بھی غصہ آگیا۔ اُس نے نالش کر دی۔ منشی جی جواب دہی کرنے بھی نہ گئے۔ یک طرفہ ڈگری ہوگئی یہاں مکان میں روپئے کہاں رکھے تھے؟ اتنے ہی دنوں میں منشی جی کی ساکھ بھی زائل ہو گئی تھی۔ وہ روپیہ کا بندوبست نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ کہ مکان نیلام پر چڑھ گیا نرملا زچہ خانہ میں تھی۔ یہ خبر سُنی تو کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ زندگی میں اور کوئی سکھ نہ ہونے پر بھی روپئے پیسے کی فکر سے آزاد تھی۔ دولت اگر انسانی زندگی کے لئے بہترین شے نہیں تو قریب قریب بہترین ضرور ہے۔ اب دیگر ضروریات کے ساتھ اس کی فکر بھی اس کے سر پر سوار ہوئی۔ اُس نے دایہ سے کہلا بھیجا کہ میرے سب گہنے فروخت کر کے مکان کو بچا لیجے مگر منشی جی نے یہ بات کسی طرح نہ منظور کی۔

اس روز سے منشی جی اور بھی متفکر رہنے لگے۔ جس امارت کا لطف اٹھانے کے لئے انھوں نے بیاہ کیا تھا وہ اب ماضی کی محض یادگار تھی۔ وہ اب پشیمانی سے نرملا کو اپنا مُنہ تک نہ دکھلا سکتے تھے۔ انھیں اب اپنی اس بے انصافی کا اندازہ ہو رہا تھا جو انھوں نے نرملا کے ساتھ کی تھی۔ اور لڑکی کی ولادت نے تو بقیہ کسر بھی پوری کر دی، سب چوپٹ ہی ہوگیا!

بارھویں روز زچہ خانہ سے نکل کر نرملا نوزائیدہ بچّہ کو گود میں لئے شوہر کے پاس گئی۔ وہ اِس ناداری کی حالت میں بھی اتنی خوش تھی گویا اُسے کوئی فکر نہیں ہے۔ ننھی بچّی کو سینہ سے لگا کر وہ اپنے سارے تفکّرات بھول گئی تھی۔ لڑکی کی

کشادہ اور پُرمسرت آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل شگفتہ ہو رہا۔ مامتا کے اس ظہور میں اُس کے سارے دُکھ درد دور ہو گئے تھے۔ وہ لڑکی کو شوہر کی گود میں دے کر خوش ہو جانا چاہتی تھی مگر منشی جی لڑکی کو دیکھ کر سہم گئے۔ انھیں اُس کو گود میں لینے کا حوصلہ نہ ہوا مگر اُنھوں نے ایک بار اُسے دکھ بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ لڑکی کی صورت منسا رام کے بالکل مشابہ تھی!

نرملا نے ان کے دلی خیالات کی کچھ اور ہی تعبیر کی۔ اُس نے سوگنے پیار کے ساتھ لڑکی کو سینہ سے لگا لیا، گویا اُن سے کہہ رہی تھی:۔ اگر تم اس کے بوجھ سے دبے جاتے ہو تو آج سے میں اس پر تمہارا سایہ بھی نہ پڑنے دوں گی جس دُرِ بے بہا کو میں نے اتنی ریاضت کے بعد پایا ہے اس کی تحقیر کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں پھٹ جاتا؟ وہ اُسی وقت لڑکی کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے اپنے کمرہ میں چلی گئی اور دیر تک روتی رہی۔ اُس نے شوہر کی اس بے دلی کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی ورنہ وہ شاید ان کو اتنا بے درد نہ خیال کرتی۔ اُس کے سر پر ذمہ داری کا اتنا زبردست بار کہاں تھا جو اس کے شوہر پر آ پڑا تھا؟ کیا وہ سمجھنے کی کوشش کرتی تو اتنا بھی اس کی سمجھ میں نہ آتا؟

منشی جی کو ایک ہی لمحہ میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ماں کا دل محبت میں اتنا محو رہتا ہے کہ مستقبل کی فکر و پریشانی سے اس کو ذرا بھی ہراس نہ ہوتا۔ اُسے اپنے دل میں ایسی طاقت کا احساس ہوتا ہے جو تمام تکالیف کو دُور کر دینے کی کفیل ہوتی ہے۔ منشی جی فوراً دوڑے ہوئے مکان میں گئے اور بچہ کو گود میں لے کر بولے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ منسا بھی ایسا ہی تھا، بالکل ایسا ہی!

نرملا۔ دیدی جی بھی تو یہی کہتی ہیں۔
منشی جی۔ بالکل وہی بڑی بڑی آنکھیں اور سُرخ سُرخ ہونٹ ہیں۔ ایشور نے مجھے میرے منسارام کو اِس شکل میں دیا۔ وہی پیشانی ہے۔ وہی منہ، وہی ہاتھ پیر۔ ایشور! تمہاری لیلا اَپار ہے!
اتفاقاً اسی وقت رکمنی بھی آگئی اور منشی جی کو دیکھتے ہی بولی۔ —— دیکھو بابو، منسارام ہے کہ نہیں؟ وہی آیا ہے۔ کوئی لاکھ کہے میں نہ مانوں گی۔ صاف منسارام ہے! سال بھر کے قریب ہو بھی تو گیا۔
منشی جی۔ بہن۔ ایک ایک عضو ملتا ہے۔ بس، بھگوان نے مجھے میرا منسارام دے دیا (بچہ سے) کیوں ری، تو منسارام ہی تو ہے؟ چھوڑ کر جانے کا نام نہ لینا ورنہ پھر کھینچ لاؤں گا۔ دیکھو بہن کیسا ٹکر ٹکر تاک رہی ہے!
اُسی لمحہ میں منشی جی نے دوبارہ آرزوؤں کا محل بنانا شروع کیا۔ نفس نے انھیں پھر دنیا کی طرف راغب کیا۔ انسانی زندگی! تو کتنی ناپائدار ہے مگر تیرے منصوبے کتنے وسیع! وہی طوطا رام جو تارک الدنیا ہو رہے تھے، جو رات دن موت کو بلاتے رہتے، تنکے کا سہارا پاکر کنارے پر پہنچنے کے لئے اپنی پوری طاقت سے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔
مگر تنکے کا سہارا پاکر کوئی کنارہ پر پہنچا ہے؟

(۱۵)

اگرچہ نرملا کو اپنے ہی گھر کے جھنجھٹ سے فرصت نہ تھی۔ مگر کرشنا کے بیاہ کی خبر پاکر وہ کسی طرح نہ رک سکی۔ اس کی ماں نے باصرار طلب کیا تھا۔ سب سے

بڑی ترغیب یہ تھی کہ کرشنا کا بیاہ اُسی گھر میں ہو رہا تھا جہاں خود نرملا کا بیاہ پہلے طے ہوا تھا۔ تعجب یہی تھا کہ اس مرتبہ کسی جہیز کے بغیر بیاہ کرنے پر کیسے راضی ہو گئے۔ نرملا کو کرشنا کے متعلق بہت تشویش رہتی تھی کہ میری طرح وہ بھی کسی کے گلے منڈھ دی جاویں گی۔ وہ بہت چاہتی تھی کہ اماں کی کچھ مدد کر دوں جس سے کرشنا کے لئے کوئی اچھا لڑکا مل سکے۔ لیکن ادھر وکیل صاحب کی بیکاری اور مہاجن کی نالش کے سبب اس کا ہاتھ بھی تنگ تھا۔ ایسی حالت میں اس خبر سے اس کو بہت اطمینان ہوا۔ روانگی کی تیاری کر دی۔ وکیل صاحب اسٹیشن تک پہنچانے گئے۔ ننھی بچی سے انھیں بڑی محبت تھی۔ اُسے چھوڑتے ہی نہ تھے۔ حتیٰ کہ نرملا کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ مگر شادی کے ایک ماہ قبل ہی سے اُن کا خسرال میں جا کر رہنا نرملا کو مناسب نہ معلوم ہوا۔

نرملا نے اپنی ماں سے ابتک اپنی مصیبت کا حال بیان نہ کیا تھا۔ جو بات ہو گئی اُس کا رونا رو کر ماں کو بھی رولانے سے کیا فائدہ؟ پس اس کی ماں سمجھتی تھی کہ نرملا نہایت آرام سے ہے۔ اب جو نرملا کی صورت دیکھی تو گویا اُس کے دل کو دھکا سا لگا۔ لڑکیاں سسرال سے پھل کر نہیں آتیں، پھر نرملا جیسی لڑکی جس کے لئے آسائش کے سبھی سامان موجود تھے۔ اُس نے کتنی ہی لڑکیوں کو سیاچاندن کر خسرال جاتے اور پورا چاندن کر واپس آتے دیکھا تھا۔ دل میں سوچ رکھا تھا کہ نرملا کا رنگ نکھر گیا ہوگا، جسم بھر کر سڈول ہو گیا ہوگا اور اس کے ہر عضو کا رنگ روپ کچھ اور ہی ہو گیا ہوگا۔ اب جو دیکھا تو اس کا آدھا بدن بھی نہ رہ گیا تھا۔ نہ شباب کی شوخی تھی اور نہ وہ متبسم جلوہ جو دل کو کھینچ لیتا ہے وہ خوبصورتی

وہ نزاکت جو آرام و آسائش کی زندگی کا نتیجہ ہے، یہاں نام کو نہ تھی۔ چہرہ زرد اعضا سُست، حالت گری ہوئی، نرملا اُنیس سال ہی کی عمر میں بڈھی ہو گئی تھی! جب ماں بیٹیاں رو دھو کر فارغ ہو گئیں تو ماں نے پوچھا — کیوں ری! کیا وہاں کھانے کو نہ ملتا تھا؟ اِس سے کہیں اچھی تو تو یہیں تھی۔ وہاں تجھے کیا تکلیف ہوئی؟

کرشنا نے ہنس کر کہا۔ وہاں مالکہ تھیں کہ نہیں! مالکہ کو جو دُنیا بھر کے تفکرات رہتے ہیں! کھانا کب کھائیں؟

نرملا۔ نہیں اماں، وہاں کی آب و ہوا میرے موافق نہیں طبیعت بھاری ہا کرتی ہے

ماں۔ وکیل صاحب شادی میں آویں گے نہ؟ اسوقت پوچھوں گی کہ آپنے پھول سی لڑکی لے جا کر اس کی یہ گت بنا ڈالی! اچھا اب یہ بتا کہ تو نے یہاں روپئے کیوں بھیجے تھے؟ میں نے تو تجھ سے کبھی نہ مانگے تھے۔ لاکھ گئی گزری ہوں مگر بیٹی کا دھن کھانے کی نیت نہیں!

نرملا نے حیرت سے پوچھا — کس نے روپئے بھیجے تھے، اماں؟ میں نے تو نہیں بھیجے۔

ماں۔ جھوٹ نہ بول! تو نے پانچ سَو کے نوٹ نہیں بھیجے تھے؟

کرشنا۔ بھیجے نہیں تھے تو کیا آسمان سے گر پڑے تھے؟ تمہارا نام صاف لکھا تھا، مُہر بھی وہیں کی تھی۔

نرملا۔ تمہارے پیر چھو کر کہتی ہوں کہ میں نے روپئے نہیں بھیجے۔ یہ کب کی بات ہے؟

ماں۔ ارے یہی دو ڈھائی مہینے ہوئے ہونگے۔ مگر تو نے نہیں بھیجے تو آئے کہاں سے؟

نرملا۔ یہ میں کیا جانوں؟ مگر بینے روپئے نہیں بھیجے۔ ہمارے یہاں تو جب سے جوان بیٹا مرا ہے، کچہری ہی نہیں جاتے۔ میرا ہاتھ تو آپ ہی تنگ تھا، روپئے کہاں سے آتے؟
ماں۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہاں اور کوئی تیرا قریبی رشتہ دار تو نہیں ہے؟ وکیل صاحب نے تجھ سے چھپا کر تو نہیں بھیجے؟
نرملا۔ نہیں اماں مجھے تو یقین نہیں۔
ماں۔ اس کا پتہ لگانا چاہئے۔ بینے سارے روپئے کرشنا کے گہنے کپڑے میں خرچ کر ڈالے۔ یہی بڑی مشکل ہوئی۔
دونوں لڑکیوں میں کسی بات پر جھگڑا شروع ہوا اور کرشنا اس کا پنڈار کے اُدھر چلی گئی تو نرملا نے ماں سے کہا۔ اس بیاہ کی بات سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ یہ کیسے ہوا، اماں؟
ماں۔ یہاں جو سُنتا ہے وہی تعجب کرتا ہے۔ جن لوگوں نے ٹے شدہ شادی سے انکار کر دیا تھا اور وہ بھی محض تھوڑے روپئے کے لالچ سے، وہ اب بغیر کچھ لئے کیسے بیاہ کرنے پر تیار ہو گئے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انھوں نے خود ہی خط بھیجا۔ میں نے صاف لکھ دیا کہ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے، صرف کنیا ہی سے آپ کی خدمت کر سکتی ہوں۔
نرملا۔ اس کا کچھ جواب نہیں دیا؟
ماں۔ شاستری جی خط لے کر گئے تھے۔ وہ تو یہ کہتے تھے کہ اب منشی جی کچھ لینے کے خواہشمند نہیں ہیں، اپنی سابق وعدہ خلافی پر کچھ نادم بھی ہیں۔ منشی جی سے تو اتنی فیاضی کی امید نہ تھی مگر سنتی ہوں کہ اُن کے بڑے صاحبزادے نہایت شریف آدمی ہیں،

انھوں نے کہہ سُن کر باپ کو راضی کیا ہے۔
نرملا۔ پہلے تو وہ حضرت بھی تیلی چاہتے تھے نہ؟
ماں۔ ہاں، مگر اب تو شاستری جی کہتے تھے کہ جہیز کے نام سے چڑھتے ہیں۔ سُنا ہے کہ یہاں بیاہ نہ کرنے پر پچھتاتے بھی تھے۔ روپے کے لئے بات بگاڑی تھی اور روپے بھی خوب ملے مگر خوبصورت پسند نہیں۔
نرملا کے دل میں اس شخص کو دیکھنے کی زبردست خواہش ہوئی جو اُس سے بے رخی کرکے اب اس کی بہن کا اودھار کرنا چاہتا تھا۔ یہ کفارہ سہی، مگر کتنے ایسے انسان ہیں جو اس کفارہ کے لئے بھی تیار ہوں؟ اُن سے باتیں کرنے کے لئے، ملائم الفاظ میں اُن کی ملامت کرنے کے لئے اور اپنے حُسن بینظیر کی جھلک سے انھیں اور بھی جلانے کے لئے نرملا کا دل بیچین ہوگیا۔ رات کو دونوں بہنیں ایک ہی کمرہ میں سوئیں۔ محلہ میں کن کن لڑکیوں کا بیاہ ہوگیا، کن کن کے بچے ہوئے کس کس کا بیاہ دھوم دھام سے ہوا، کس کس کو خاطر خواہ شوہر ملے، کون کتنے اور کیسے گہنے چڑھاوے میں لایا۔ انھیں مسئلوں پر دونوں میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کرشنا بارہا چاہتی تھی کہ بہن کے گھر کا کچھ حال دریافت کروں مگر نرملا اُسے اس کا موقع نہ دیتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ جو باتیں پوچھے گی اُس کے بتلانے میں مجھے تامل ہوگا۔ آخر ایک بار کرشنا پوچھ ہی بیٹھی ——
جیجا بھی آئیں گے نہ؟
نرملا۔ آنے کو کہا تو ہے۔
کرشنا۔ اب تو تم سے خوش رہتے ہیں نہ، یا اب بھی وہی حال ہے؟ میں تو سُنا کرتی

تھی کہ دوبارہ شادی کرنے والے لوگ اپنی بیوی کو جان سے زیادہ عزیز
رکھتے ہیں مگر یہاں بالکل اُلٹی ہی بات دیکھی۔ آخر کس بات پر بگڑتے رہتے ہیں؟

نرملا۔ اب میں کسی کے جی کی بات کیا جانوں؟

کرشنا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ تمہاری رکھائی سے وہ چڑتے ہونگے۔ تم تو یہیں
سے جلی ہوئی گئی تھیں، وہاں بھی انھیں کچھ کہا ہوگا؟

نرملا۔ یہ بات نہیں ہے کرشنا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جو میرے دل میں اُن کی
طرف سے ذرا بھی میل ہو۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی خدمت کرتی ہوں
اگر اُن کے بجائے کوئی دیوتا بھی ہوتا تو بھی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتی
انھیں بھی مجھ سے محبت ہے، برابر میرا منہ دیکھتے رہتے ہیں لیکن جو بات اُن کے
اور میرے قابو سے باہر ہے اس کے لئے وہ کیا کر سکتے ہیں اور میں کیا کر سکتی ہوں؟
نہ وہ جوان ہو سکتے ہیں، نہ میں بوڑھی ہو سکتی ہوں۔ جوان بننے کے لئے وہ نہ جانے
کتنے کشتہ جات کھاتے رہتے ہیں، میں بھی بوڑھی ہو جانے کے لئے دودھ گھی،
سب ترک کئے بیٹھی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ میرے دُبلے ہونے ہی سے عمر کا فرق
کچھ کم ہو جاوے۔ مگر نہ انھیں مقوی چیزوں سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ مجھے
فاقوں سے! جب سے منسا رام کا انتقال ہو گیا ہے اُنکی حالت اور بھی ابتر ہو گئی ہے۔

کرشنا۔ منسا رام کو تو تم بھی بہت پیار کیا کرتی تھیں؟

نرملا۔ وہ لڑکا ہی ایسا تھا۔ ایسی بڑی بڑی دو رسے دار آنکھیں میں نے کسی کی نہیں
دیکھیں۔ کنول سا چہرہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جری ایسا تھا کہ موقع پر آگ میں
بھی کود پڑتا! کرشنا! میں تجھ سے سچ کہتی ہوں کہ جب وہ میرے پاس آکر بیٹھ

جاتا تھا تو میں اپنے کو بھول جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ یہ ہر دم سامنے بیٹھا رہے اور میں دیکھا کروں۔ میرے دل میں پاپ کا نام بھی نہ تھا۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی میں نے اُس کی طرف کسی اور نیت سے دیکھا ہے تو میری آنکھیں پھوٹ جاویں۔ مگر نہ جانے کیوں اُسے اپنے پاس دیکھ کر میرا دل پھولا نہ سماتا تھا۔ اسی لئے میں نے پڑھنے کا سوانگ رچا ورنہ وہ گھر میں آتا ہی نہ تھا۔ یہ میں جانتی ہوں کہ اگر اس کے دل میں پاپ ہوتا تو میں اُس کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔

کرشنا۔ ارے بہن، چُپ رہو، کیسی باتیں مُنہ سے نکالتی ہو؟

نرملا۔ ہاں یہ بات سُننے میں بُری معلوم ہوتی ہے اور ہے بھی بُری۔ مگر انسانی فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ تو ہی بتا، ایک پچاس برس کے مرد سے تیرا بیاہ ہو جاوے تو تو کیا کرے گی؟

کرشنا۔ بہن، میں تو زہر کھا کر سو رہوں، مجھے تو اس کا مُنہ بھی نہ دیکھتے بنے۔

نرملا۔ تو بس یہی سمجھ لے۔ اُس لڑکے نے کبھی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا مگر بڈھے شکی تو ہوتے ہی ہیں، تمہارے جیجا اس لڑکے کے دشمن ہو گئے اور آخر اس کی جان ہی لے کر چھوڑا۔ جس روز سے اُسے معلوم ہو گیا کہ باپ کے دل میں میری طرف سے شبہ ہے اُسی روز سے اس کو بخار چڑھا جو جان لے کر ہی اُترا ہائے، وہ آخری وقت کا نظارہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ میں اسپتال گئی تھی، وہ بخار میں بیہوش پڑا تھا، اُٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ مگر جیسے ہی میری آواز سُنی کہ چونک کر اٹھ بیٹھا اور اماں اماں کہہ کر میرے پیروں پر گر پڑا! (روکر) کرشنا! اُسوقت ایسا جی چاہتا تھا کہ اپنی جان نکال کر اُسے دے دوں۔ میرے

پیروں پر ہی اُس کو غش آگیا۔ پھر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں! ڈاکٹر نے اُس کے جسم میں تازہ خون پہنچانا تجویز کیا تھا۔ یہی سُن کر میں دوڑی گئی تھی۔ لیکن جب تک ڈاکٹر لوگ وہ عمل شروع کریں، اُس کی جان ہی ہوا ہو گئی۔

کرشنا۔ تازہ خون پہنچ جانے سے اس کی جان بچ جاتی؟

نرملا۔ کون جانتا ہے؟ مگر میں تو اپنے خون کا آخری قطرہ تک دے ڈالنے پر آمادہ تھی۔ اس حالت میں بھی اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اگر وہ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر میرے پاؤں پر نہ گر پڑتا، اگر پہلے ہی کچھ خون بدن میں پہنچ جاتا تو شاید بچ بھی سکتا۔

کرشنا۔ تو تم نے اُس کو اسی وقت بتا کیوں نہیں دیا تھا؟

نرملا۔ ارے پگلی! تو ابھی تک بات نہیں سمجھی۔ وہ میرے پاؤں پر گر کر اور اس بیٹے کا رشتہ دکھلا کر اپنے باپ کے دل سے وہ شبہ دور کر دینا چاہتا تھا۔ صرف اسی لئے وہ اُٹھا تھا۔ میری تکلیف رفع کرنے کے لئے اُسنے جان دی اور اس کی وہ خواہش پوری ہو گئی۔ تمہارے جیجا اُسی دن سے سیدھے ہو گئے۔ اب تو ان کی حالت پر مجھے رحم آتا ہے۔ بیٹے کا غم ان کی جان لے کر چھوڑے گا۔ مجھ پر شک کر کے میرے ساتھ جو ناانصافی کی ہے اب اس کی تلافی کر رہے ہیں۔ اب کے ان کی شکل دیکھ کر تو ڈر جائے گی۔ بوڑھے بابا بن گئے ہیں۔ کمر بھی جھک گئی ہے۔

کرشنا۔ بڈھے اتنے شکی کیوں ہوتے ہیں۔ بہن؟

نرملا۔ یہ جا کر بڈھوں سے پوچھ!

کرشنا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ اُن کے دل میں ہر دم ایک چور سا بیٹھا رہتا ہوگا کہ

میں اس نوجوان عورت کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ اسی لئے ذرا ذراسی بات پر انھیں شک ہونے لگتا ہے۔

نرملا۔ جانتی تو ہے، پھر مجھ سے کیوں پوچھتی ہے؟

کرشنا۔ اسی لئے۔ بیچارہ عورت سے دبتا بھی ہوگا۔ دیکھنے والے سمجھتے ہوں گے کہ یہ بہت پیار کرتا ہے۔

نرملا۔ تو نے اتنے ہی دنوں میں اتنی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟ ان باتوں کو جانے دے، بتا، تجھے اپنا دُلھا پسند ہے؟ اُس کی تصویر تو دیکھی ہوگی؟

ایک لمحہ میں کرشنا نے تصویر لا کر نرملا کے ہاتھ میں رکھ دی۔ نرملا نے مسکرا کر کہا۔ تو بڑی خوش نصیب ہے۔

کرشنا۔ اماں جی نے بھی بہت پسند کیا۔

نرملا۔ تجھے پسند ہے کہ نہیں۔ یہ بتلا! دوسروں کی بات نہ کہ

کرشنا (شرماتی ہوئی) صورت تو بُری نہیں ہے، مزاج کا حال ایشور جانے۔ شاستری جی تو کہتے تھے کہ ایسے نیک مزاج اور نیک چلن لڑکے کم ہوں گے۔

نرملا۔ یہاں سے تیری تصویر بھی گئی تھی؟

کرشنا۔ گئی تو تھی، شاستری جی ہی تو لے گئے تھے۔

نرملا۔ انھیں پسند آئی۔

کرشنا۔ اب کسی کے دل کی بات، کیا جانوں؟ شاستری جی تو کہتے تھے کہ بہت خوش ہوئے تھے۔

نرملا۔ اچھا بتا، تجھے کیا تحفہ دوں؟ ابھی سے بتلا دے کہ منگوا رکھوں

کرشنا۔ جو تمہارا جی چاہے، دینا۔ انھیں کتابوں سے بہت رغبت ہے، عمدہ عمدہ کتابیں منگوا دینا۔

نرملا۔ اُن کے لئے نہیں پوچھتی، تیرے لئے پوچھتی ہوں۔

کرشنا۔ اپنے ہی لئے تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔

نرملا۔ (تصویر کی طرف دیکھتی ہوئی) کپڑے سب کھدر کے معلوم ہوتے ہیں۔

کرشنا۔ ہاں کھدر کے بڑے پریمی ہیں، سنتی ہوں میٹھیر کھدر لاد کر دیہاتوں میں بیچنے جایا کرتے ہیں۔ لکچر دینے میں بھی ہوشیار ہیں۔

نرملا۔ تب تو تجھے بھی کھدر پہننا پڑے گا۔ تجھے تو موٹے کپڑوں سے چڑھ ہے۔

کرشنا۔ جب انھیں موٹے کپڑے پسند ہیں تو مجھے کیوں چڑھ ہوگی؟ میں نے تو چرخہ چلانا سیکھ لیا ہے۔

نرملا۔ سچ! سوت کات لیتی ہے؟

کرشنا۔ ہاں بہن! تھوڑا تھوڑا کات لیتی ہوں۔ جب وہ کھدر کے اتنے شائق ہیں تو چرخہ بھی ضرور چلاتے ہونگے۔ میں نہ چلا سکوں گی تو مجھے کتنی شرم معلوم ہوگی۔

اس طرح باتیں کرتے دونوں بہنیں سو گئیں۔ تقریباً دو بجے رات کو بچی روئی تو نرملا کی آنکھ کھلی۔ دیکھا تو کرشنا کا پلنگ خالی پڑا تھا۔ نرملا کو تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے کرشنا کہاں چلی گئی۔ شاید پانی پینے گئی ہو۔ مگر پانی تو سرہانے رکھا ہوا ہے، پھر کہاں گئی؟ اس نے دو تین بار اس کا نام لے کر پکارا۔ مگر کرشنا کا پتہ نہ تھا۔ تب تو نرملا گھبرا اٹھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے اندیشے ہونے لگے۔ دفعتاً اُسے خیال آیا کہ شاید اپنے گھر میں نہ چلی گئی ہو۔ بچی کے

سوجانے پردہ اُٹھا کر کرشنا کے کمرہ کے دروازہ پر گئی۔ اس کا خیال ٹھیک تھا کرشنا اپنے کمرہ میں، سارا گھر سو رہا تھا اور وہ بیٹھی چرخہ چلا رہی تھی۔ اتنی محویت سے شاید اُس نے تھیٹر بھی نہ دیکھا ہوگا۔ نرملا دنگ رہ گئی۔ اندر جا کر بولی — یہ کیا کر رہی ہے، رے! یہ چرخہ چلانے کا وقت ہے؟

کرشنا چونک کر اٹھ بیٹھی اور شرم سے سر جھکا کر بولی — نہاری نیند کیسے کھل گئی؟ پانی بھی تو میں نے وہیں رکھ دیا تھا۔

نرملا۔ میں کہتی ہوں کہ دن کو تجھے وقت نہیں ملتا جو رات کے پچھلے پہر میں چرخہ لے کر بیٹھی ہے؟

کرشنا۔ دن میں تو فرصت ہی نہیں ملتی۔

نرملا (سوت دیکھ کر) سوت تو بہت باریک ہے۔

کرشنا۔ کہاں بہن، یہ سوت تو موٹا ہے۔ میں باریک سوت کاٹ کر اُن کے لئے ایک صافہ بنوانا چاہتی ہوں، یہی میری بھینٹ ہوگی۔

نرملا۔ بات تو تو نے خوب سوچی ہے، اس سے زیادہ قیمتی چیز اُن کی نگاہوں میں اور کیا ہوگی؟ اچھا! اٹھا سوت! کل کاتنا۔ کہیں بیمار ہو جائے گی تو یہ سب دھرا رہ جائے گا۔

کرشنا۔ نہیں میری بہن! تم جا کر سوؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔

نرملا نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ لیٹنے چلی گئی مگر نیند نہیں آئی۔ کرشنا کا یہ اشتیاق و حوصلہ دیکھ کر اس کا دل کسی نامعلوم تحریک سے متحرک ہو اُٹھا۔ آہ! اس وقت اس کا دل کتنا شیدا ہو رہا ہے! محبت نے اسے کتنا مست بنا رکھا ہے! اس وقت

اپنے بیاہ کی یاد آئی جس روز تلک گیا تھا اُسی روز سے اس کی ساری شوخی، ساری زندہ دلی، رخصت ہوگئی تھی! وہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی اپنی قسمت کو روتی تھی اور ایشور سے بنتی کرتی تھی کہ جان نکل جاوے! جس طرح مجرم سزا کا انتظار کرتا ہے اُسی طرح وہ بیاہ کے دن کو دیکھ رہی تھی، جس بیاہ میں اس کی ساری تمناؤں کا خون ہو جاوے گا۔ جس بیاہ کے منڈپ بنے ہوئے ہون کنڈ کے اندر اُس کی تمام اُمیدیں جل کر خاک سیاہ ہو جاویں گی!

(۱۶)

مہینہ گذرتے دیر نہ لگی۔ بیاہ کا سُبھ مہورت آ پہنچا۔ مہمانوں سے مکان بھر گیا منشی طوطا رام ایک روز قبل ہی آ گئے اور ان کے ساتھ نرملا کی سکھی بھی آئی۔ بڑی نے تو زیادہ اصرار نہ کیا تھا مگر اُسے خود ہی آنے کا حوصلہ تھا۔ نرملا کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ دُھا کے بڑے بھائی کے درشن کروں گی اور بشرطِ ممکن ان کی خیر اندیشی کا شکریہ ادا کروں گی۔

سدُھا نے ہنس کر کہا۔ تم اُن سے بول سکو گی؟

نرملا۔ کیوں، بولنے میں کیا ہرج ہے؟ اب تو دوسرا ہی رشتہ ہو گیا۔ اور میں نہ بول سکوں گی تو تم تو موجود ہی ہو۔

سُدھا۔ نہ بھئی، مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ میں غیر مرد سے نہیں بول سکتی۔ نہ جانے کیسے آدمی ہوں۔

نرملا۔ آدمی تو بُرے نہیں ہیں، اور تمہیں ان سے کچھ بیاہ تو کرنا نہیں، ذرا سا بولنے میں کیا ہرج ہے؟ ڈاکٹر صاحب یہاں ہوتے تو میں تمہیں اجازت دلا دیتی

سُدھا۔ جو لوگ دل کے فیاض ہوتے ہیں، کیا ان کا چال چلن بھی اچھا ہوتا ہے؟ پرائی عورت کو تاکنے میں تو کسی مرد کو تامل نہیں ہوتا۔

نرملا۔ اچھا نہ بولنا، میں خود ہی باتیں کروں گی۔ تاک لیں گے۔ جتنا تاکتے بنے گا۔ بس اتنے پر راضی ہوئیں۔ اتنے میں کرشنا آکر بیٹھ گئی۔ نرملا نے مسکرا کر کہا۔ سچ بتا کرشنا! تیرا دل اسوقت کیوں اُچاٹ ہو رہا ہے؟

کرشنا۔ جیجا بلا رہے ہیں، پہلے جا کر سن آؤ پھر غپ شپ کر لینا۔ بہت بگڑ رہے ہیں۔

نرملا۔ کیا ہے؟ تو نے کچھ پوچھا نہیں؟

کرشنا۔ کچھ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں، یہاں دُبلے ہو گئے ہیں۔

نرملا۔ تو ذرا بیٹھ کر اُن کا دِل بہلا دیتی، یہاں دوڑی کیوں چلی آئی؟ یہ کہو کہ ایشور نے اپنا فضل کیا ورنہ ایسا ہی مرد تجھے بھی ملتا۔ ذرا بیٹھ کر باتیں تو کر! بڈھے بڑی لچھے دار باتیں کرتے ہیں، جوان لوگ اتنا بڑھ بڑھ کر باتیں نہیں کرتا۔

کرشنا۔ نہیں بہن، تم جاؤ! مجھ سے تو وہاں نہیں بیٹھا جاتا۔

نرملا چلی گئی تو سدھا نے کرشنا سے کہا۔ اتنی بارات آگئی ہوگی دروازہ چار کیوں نہیں ہوتا؟

کرشنا۔ کیا جانے بہن، شاستری جی سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔

سدھا۔ سُنا ہے کہ دُلہا کی بھاوج بہت کڑے مزاج کی عورت ہے۔

کرشنا۔ کیسے معلوم ہوا؟

سدھا۔ میں نے سُنا ہے؟ اسی لئے آگاہ کئے دیتی ہوں۔ چار باتیں غم کھا کر رہنا ہوگا۔

کرشنا۔ میری جھگڑنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ جب میری طرف سے کوئی شکایت ہی نہ ہوگی تو کیا خواہ مخواہ بگڑیں گی؟

سُدھا۔ ہاں سُنا تو ایسا ہی ہے، جھوٹ موٹ لڑا کرتی ہیں۔

کرشنا۔ میں تو سو بات کی ایک بات جانتی ہوں۔ عاجزی پتھر کو موم کر دیتی ہے۔

دفعتاً شور مچا کہ بارات آرہی ہے۔ دونوں اُٹھ کر کھڑکی کے سامنے جا بیٹھیں ایک لمحہ میں نرملا بھی وہاں آگئی۔ اُس کے دل میں دُھا کے بڑے بھائی کو دیکھنے کی بڑی خواہش ہو رہی تھی!

سُدھا نے کہا۔ کیسے پتہ چلے گا کہ بڑے بھائی کون ہیں؟

نرملا۔ شاستری جی سے پُوچھو تو معلوم ہو۔ ہاتھی پر تو کرشنا کے سُسر جی ہیں اچھا ڈاکٹر صاحب یہاں کیسے آپہنچے؟ وہ گھوڑے پر کیا ہیں، دیکھتی نہیں ہو؟

سُدھا۔ ہاں، ہیں تو وُہی۔

نرملا۔ اُن لوگوں سے دوستی ہوگی۔ کوئی رشتہ تو نہیں ہے؟

سُدھا۔ اب ملاقات ہو تو پوچھو، مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔

نرملا۔ پالکی میں جو صاحب بیٹھے ہوئے ہیں وہ تو دُھا کے بھائی جیسے نہیں دکھائی دیتے

سدھا۔ بالکل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارے جسم میں پیٹ ہی پیٹ ہے۔

نرملا۔ دوسرے ہاتھی پر کون بیٹھا ہوا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔

سُدھا۔ کوئی ہو، دُھا کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اس کی عمر نہیں دیکھتی ہو۔ چالیس کے اوپر ہوگی۔

نرملا۔ شاستری جی تو اس وقت دروازہ چار کی فکر میں ہیں ورنہ اُن سے پُوچھتی۔

اتفاقاً حجام آگیا۔ صندوقوں کی کنجیاں نرملا ہی کے پاس تھیں۔ اسوقت دوار
چار کے لئے کچھ روپیوں کی ضرورت تھی۔ ماں نے بھیجا۔ یہی حجام پنڈت
موٹے رام جی کے ساتھ تلک لے کر گیا تھا۔ نرملا نے کہا۔ کیا ابھی روپئے چاہئیں؟
حجام۔ ہاں بہن جی، چل کر دید یجئے۔
نرملا۔ اچھا چلتی ہوں۔ پہلے یہ بات بتلا کہ تو دلہا کے بڑے بھائی کو پہچانتا ہے؟
حجام۔ پہچانتا کاہے نہیں، وہ کیا سامنے ہیں!
نرملا۔ کہاں؟ میں تو نہیں دیکھتی۔
حجام۔ ارے وہ کیا گھوڑے پر سوار ہیں، وہی تو ہیں۔
نرملا نے تعجب سے کہا۔ کیا کہتا ہے؟ گھوڑے پر دلہا کے بھائی ہیں؟
پہچانتا ہے کہ انکل سے کہہ رہا ہے؟
حجام۔ ارے بہن جی، کیا اتنا بھول جاؤں گا۔ ابھی تو کلیوا (ناشتہ) کا سامان
دئے چلا آتا ہوں۔
نرملا۔ ارے یہ تو ڈاکٹر صاحب ہیں۔ میرے پڑوس میں رہتے ہیں۔
حجام۔ ہاں ہاں، وہی تو ڈاکٹر صاحب ہیں۔
نرملا نے سدھا کی طرف دیکھ کر کہا۔ سنتی ہو بہن، اس کی باتیں؟
سدھا نے ہنسی ضبط کرکے کہا۔ جھوٹ بولتا ہے۔
حجام۔ اچھا سرکار، جھوٹ ہی سہی۔ اب بڑوں کے منہ کون لگے؟ ابھی
شاستری جی سے پوچھوا دوں گا تب تو مانئے گا۔
حجام کے جانے میں دیر ہوئی تو موٹے رام خود صحن میں جاکر شور مچانے لگے۔

اِس گھر کی مَرجاؤ (عزت) رکھنا ایشور ہی کے ہاتھ ہے۔ نائی گھنٹے بھر سے آیا ہوا ہے اور ابھی تک روپئے نہیں ملے۔

نرملا۔ ذرا یہاں چلے آئیگا، شاستری جی! کتنے روپئے چاہئیں؟ نکالدوں۔

شاستری جی گنگناتے اور زور زور سے ہانپتے ہوئے اوپر گئے اور ایک لمبی سانس لے کر بولے۔ کیا ہے؟ یہ باتوں کا وقت نہیں ہے، جلدی سے روپئے نکال دو۔

نرملا۔ لیجئے، نکال تو رہی ہوں۔ اب کیا منہ کے بل گر پڑوں؟ پہلے یہ بتائیے کہ دُھا کے بڑے بھائی کون ہیں؟

شاستری۔ رام رام، اتنی سی بات کے لئے مجھے آسمان پر چڑھا دیا۔ نائی کیا نہ جانتا تھا؟

نرملا۔ نائی تو کہتا ہے کہ وہ جو گھوڑے پر سوار ہیں وہی ہیں۔

شاستری جی۔ تو پھر اور کسے بتا دے؟ وہی تو ہیں ہی!

نائی۔ گھڑی بھر سے کہہ رہا ہوں، بہن جی مانتی ہی نہیں۔ نرملا نے سدھا کی طرف محبت، مذاق اور مصنوعی حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا۔ اچھا تو تمہیں ابتک میرے ساتھ یہ تریا چرتر کر رہی تھیں۔ میں جانتی تو تمہیں یہاں بلاتی ہی نہیں۔ آہ بڑا گہرا پیٹ ہے تمہارا!! تم مہینوں سے میرے ساتھ یہ شرارت کرتی چلی آ رہی ہو اور کبھی بھول کر بھی اس بات کے متعلق ایک لفظ تمہاری زبان سے نہیں نکلا۔ میں تو دو چار روز ہی میں اُبل پڑتی۔

سُدھا۔ تمہیں معلوم ہو جاتا تو تم میرے یہاں آتی ہی کیوں؟

نرملا۔ اُف غضب ایسے ڈاکٹر صاحب سے کئی بار باتیں کر چکی ہوں۔ بہتیں پر یہ سارا پاپ پڑے گا۔ دیکھی کرشنا تو نے اپنی جیٹھانی کی شرارت؟ یہ ایسی جعلساز ہیں۔ ان سے ڈرتی رہنا۔
کرشنا میں تو ایسی دیوی کے پیر دھو دھو کر ماتھے پر لگاؤنگی۔ دھنیہ بھاگ کہ ان کے درشن ہوئے!
نرملا۔ اب سمجھ گئی، روپئے بھی تمہیں نے بھجوائے ہونگے۔ اب سر ہلایا تو سچ کہتی ہوں مار بیٹھوں گی۔
سُدھا۔ اپنے گھر بلا کر مہمان کا نرادر نہیں کیا جاتا۔
نرملا۔ دیکھو تو ابھی کیسی کیسی خبر لیتی ہوں۔ میں نے تمہاری دلجوئی کے لئے ذرا سا لکھدیا تھا اور تم سچ مچ آپہنچیں۔ بھلا وہاں کے لوگ کیا کہتے ہوں گے؟
سُدھا۔ سب سے کہہ کر آئی ہوں۔
نرملا۔ اب تمہارے پاس کبھی نہ آوں گی۔ اتنا تو اشارہ کر دیتیں کہ ڈاکٹر صاحب سے پردہ رکھنا۔
سُدھا۔ اُن کے دیکھ لینے ہی سے کون برائی ہو گئی؟ نہ دیکھتے تو اپنی قسمت کو روتے کیسے؟ جانتے کیسے کہ لالچ میں پڑ کر کیسی چیز کھو دی؟ اب تو تمہیں دیکھ کر لالہ صاحب ہاتھ مل کر رہ جاتے ہیں۔ منہ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر اپنی غلطی پر پچھتاتے ہیں۔
نرملا۔ اب تمہارے گھر کبھی نہ جاوں گی۔
سُدھا۔ اب پنڈ نہیں چھوٹ سکتا۔ میں نے کون تمہارے گھر کی راہ نہیں دیکھی ہے۔
دروازہ چار ختم ہو گیا۔ مہمان بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ منشی طوطا رام کے

پاس ہی ڈاکٹر سنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ نرملا نے کوٹھے پر چق کی اوٹ سے انھیں بیٹھے دیکھا، وہ اپنا دل تھام کر رہ گئی۔ ایک صحت، شباب اور زینت کا دیوتا تھا اور دوسرا...... اس بارہ میں کچھ نہ کہنا ہی مناسب ہے۔

نرملا نے ڈاکٹر صاحب کو سیکڑوں بار دیکھا تھا مگر آج اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوئے وہ کبھی نہ ہوئے تھے۔ بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ بلا کر خوب فضیحت کروں۔ ایسے ایسے طعنے دوں کہ وہ بھی یاد کریں، رُلا رُلا کر چھوڑ دوں مگر سہم کر رہ جاتی تھی۔ بارات جنواسہ چلی گئی تھی۔ کھانے کی تیاری ہو رہی نرملا کھانوں کے تھال سجانے میں مصروف تھی کہ دفعتاً مہری نے آکر کہا ——

بیٹی! تمہیں سدھا رانی بلا رہی ہیں، تمہارے کمرہ میں بیٹھی ہیں۔

نرملا نے تھال چھوڑ دیا اور گھبرائی ہوئی سدھا کے پاس گئی مگر اندر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔ ڈاکٹر سنہا کھڑے تھے!

سدھا نے مسکرا کر کہا —— لو بہن، بلا دیا۔ اب جتنا چاہو ڈانٹ لو۔ میں ... دروازہ روکے کھڑی ہوں، بھاگ نہیں سکتے

ڈاکٹر صاحب نے متانت سے کہا —— بھاگتا کون ہے؟ یہاں تو سر جھکائے کھڑے ہیں!

نرملا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اسی طرح ہمیشہ مہربانی کی نظر رکھئے گا، بھول نہ جائیے گا۔ یہی میری بینتی ہے۔

(۱۷)

کرشنا کے بیاہ کے بعد سدھا چلی گئی لیکن نرملا مائکہ میں رہ گئی۔ وکیل صاحب

بار بار لکھتے تھے مگر وہ نہ جاتی تھی۔ وہاں جانے کو اُس کا جی ہی نہ چاہتا تھا۔ وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اُسے کھینچے لے جاوے۔ یہاں ماں کی خدمت اور چھوٹے بھائیوں کی دیکھ بھال میں سکا وقت بڑے مزہ سے کٹ جاتا تھا۔ وکیل صاحب خود آتے تو شاید وہ جانے پر راضی ہو جاتی مگر اس بیاہ میں محلہ کی عورتوں نے اُن کی وہ دُرگت کی تھی کہ بیچارے آنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ سُدھا نے بھی کئی مرتبہ خط لکھا مگر نرملا نے اُس سے بھی حیلہ حوالہ کر دیا۔ آخر ایک روز سُدھا نے نوکر کو ساتھ لیا اور خود آ دھمکی۔

جب دونوں مل بھینٹ چکیں تو سُدھا نے کہا ـــــ تمہیں تو وہاں جاتے ہوئے گویا خوف معلوم ہوتا ہے۔

نرملا۔ ہاں بہن، خوف تو معلوم ہوتا ہے۔ بیاہ کی گئی ہوئی تین سال میں آئی ہوں، اب کے تو وہاں عمر ہی ختم ہو جاوے گی۔ پھر کون بلاتا ہے اور کون آتا ہے؟

سُدھا۔ آنے کو کیا ہوا، جب جی چاہے چلی آنا۔ وہاں وکیل صاحب بیچین ہو رہے ہیں۔

نرملا۔ بہت بیچین، رات کو شاید نیند نہ آتی ہو؟

سُدھا۔ بہن، تمہارا کلیجہ پتھر کا ہے۔ اُن کی حالت دیکھ ترس آتا ہے۔ کہتے تھے کہ گھر میں کوئی پُوچھنے والا نہیں، نہ کوئی لڑکا نہ بالا کس سے جی بہلاویں؟ جب سے دوسرے مکان میں اُٹھ آئے ہیں بہت ملول رہتے ہیں۔

نرملا۔ لڑکے تو ایشور کے دیئے دو دو ہیں۔

سُدھا۔ اُن دونوں کی تو بڑی شکایت کرتے تھے۔ جیا رام تو اب بات ہی

نہیں سُنتا، ترکی بترکی جواب دیتا ہے۔ رہا چھوٹا، وہ بھی اُسی کے کہنے میں ہے بیچارے بڑے لڑکے کو یاد کر کے رویا کرتے ہیں۔

نرملا۔ جیا رام تو شریر نہ تھا وہ شرارت کب سے سیکھ گیا؟ میری تو کوئی بات نہ ٹالتا تھا۔ اشارہ پر کام کرتا تھا۔

سُدھا۔ کیا جانے بہن، سُنا، کہا کرتا ہے کہ آپ ہی نے بھیا کو زہر دے کر مار ڈالا ہے، آپ ہتیارے ہیں۔ کئی بار تم سے بیاہ کرنے پر طعنے دے چکا ہے ایسی ایسی باتیں کہتا ہے کہ وکیل صاحب رو دیتے ہیں! ارے اور تو کیا کہوں! ایک پتھرا اٹھا کر مارنے دوڑا تھا۔

نرملا نے گہری سوچ میں پڑ کر کہا۔ یہ لڑکا تو بڑا شیطان نکلا۔ اُس سے یہ کس نے کہا کہ اس کے بھائی کو اُنھوں نے زہر دیا؟

سُدھا۔ وہ تمہیں سے ٹھیک ہوگا۔

نرملا کو یہ نئی فکر پیدا ہوئی۔ اگر جیا کا یہی رنگ ہے، اپنے باپ سے لڑنے پر تیار رہتا ہے تو مجھ سے کیوں دبنے لگا؟ وہ رات کو بڑی دیر تک ایسی فکر میں ڈوبی رہی۔ منا رام کی آج اُسے بہت یاد آئی۔ اُس کے ساتھ زندگی آرام سے گزر جاتی۔ اِس لڑکے کا جب اپنے باپ کے سامنے ہی یہ حال ہے تو اُن کے بعد اس کے ساتھ کیسے نباہ ہوگا؟ مکان ہاتھ سے نکل ہی گیا، کچھ نہ کچھ قرض بھی ہوگا ہی۔ آمدنی کا یہ حال! اشور ہی بیڑا پار لگائیں! آج پہلی بار نرملا کو بچی کی فکر پیدا ہوئی اس بیچاری کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔ اشور نے یہ مصیبت بھی سر پر ڈالدی مجھے تو اس کی ضرورت نہ تھی۔ پیدا ہی ہونا تھا تو کسی بھاگوان کے گھر پیدا ہوتی۔ بچی

اس کے سینہ سے لپٹی ہوئی سو رہی تھی۔ ماں نے اس کو اور بھی لپٹا لیا، گویا کوئی اس کے ہاتھ سے اُسے چھینے لئے جاتا ہے!

نرملا کے پاس ہی سُدھا کا پلنگ بھی تھا۔ نرملا تو بحرِ تفکّر میں غرق ہو رہی تھی اور سدھا خواب شیریں کا لطف اٹھا رہی تھی! کیا اُسے اپنے بچّہ کی فکر ستاتی ہے موت تو بڈھے اور جوان کا امتیاز نہیں کرتی پھر سُدھا کو کیوں کوئی فکر نہیں ستاتی؟ اُسے تو کبھی مستقبل کی فکر سے اُداس نہیں دیکھا۔

دفعتاً سُدھا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نرملا کو ابھی تک جاگتے دیکھا تو بولی۔

ارے ابھی تم سوئیں نہیں؟

نرملا۔ نیند ہی نہیں آتی۔

سُدھا۔ آنکھیں بند کرو، نیند آپ ہی آجاوے گی۔ میں تو پلنگ پر لیٹتے ہی مرسی جاتی ہوں۔ وہ جاگتے بھی ہیں تو خبر نہیں ہوتی۔ نہ جانے مجھے کیوں اتنی نیند آتی ہے۔ شاید کوئی عارضہ ہے۔

نرملا۔ ہاں بڑا بھاری عارضہ ہے۔ اسے راج روگ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ علاج شروع کر دیں۔

سُدھا۔ تو آخر جاگ کر کیا سوچوں؟ کبھی کبھی مائکہ کی یاد آجاتی ہے تو اُس روز ذرا دیر سے آنکھ لگتی ہے۔

نرملا۔ ڈاکٹر صاحب کی یاد نہیں آتی؟

سُدھا۔ کبھی نہیں۔ اُن کی یاد کیوں آئے؟ جانتی ہوں کہ ٹینس کھیل کر آئے ہوں گے۔ کھانا کھایا ہوگا اور آرام سے لیٹے ہوں گے۔

نرملا۔ تو سوہن بھی جاگ اُٹھا۔ جب تم جاگیں تو بھلا وہ کیوں سونے لگا ؟

سُدھا۔ ہاں بہن! اس کی عجیب عادت ہے۔ میرے ساتھ سوتا ہے اور میرے ساتھ جاگتا ہے۔ اُس جنم کا کوئی سادھو ہے۔ دیکھو اس کے ماتھے پر تلک کا کیسا نشان ہے۔ بازوؤں پر بھی ایسے ہی نشانات ہیں۔ ضرور کوئی سادھو ہے۔

نرملا۔ سادھو تو چندن تلک نہیں لگاتے، اس جنم کا کوئی مکا پجاری ہوگا کیوں رے! تو کہاں کا پجاری تھا؟ بتا!

سُدھا۔ اس کا بیاہ میں بچی سے کروں گی

نرملا۔ چلو بہن، گالی دیتی ہو۔ بہن سے بھی بھائی کا بیاہ ہوتا ہے؟

سُدھا۔ میں تو کروں گی خواہ کوئی کچھ کہے، ایسی خوبصورت بہو اور کہاں پاؤں گی؟ ذرا دیکھو تو بہن! اس کا بدن کچھ گرم ہے یا مجھی کو معلوم ہوتا ہے؟

نرملا نے سوہن کا ماتھا چھو کر کہا —— نہیں نہیں، بدن گرم ہے! یہ بخار کب آ گیا؟ دودھ تو پی رہا ہے نہ؟

سُدھا۔ ابھی سویا تھا تب تو بدن سرد تھا۔ شاید سردی لگ گئی، اُڑھا کر سلائے دیتی ہوں۔ سویرے تک ٹھیک ہو جاوے گا۔

سویرا ہوا تو سوہن کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس کی ناک جاری ہو گئی اور بخار بھی تیز ہو گیا۔ آنکھیں چڑھ گئیں اور سر جھک گیا نہ وہ ہاتھ پیر ہلاتا تھا اور نہ ہنستا بولتا تھا۔ بس چپ چاپ پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت کسی کا بولنا اچھا نہیں لگتا۔ کچھ کچھ کھانسی بھی آنے لگی۔ اب تو سدھا گھبرائی۔ نرملا کی بھی رائے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب کو بلایا جائے

مگر اس کی بوڑھی ماں نے کہا۔ ڈاکٹر حکیم کا یہاں کچھ کام نہیں۔ صاف تو دیکھ رہی ہوں کہ بچہ کو نظر لگ گئی ہے۔ بھلا ڈاکٹر آکر کیا کرے گا؟

سُدھا۔ اماں! بھلا یہاں نظر کون لگا دیگا؟ ابھی تک تو باہر کہیں گیا بھی نہیں۔

ماں۔ نظر کوئی لگاتا نہیں بیٹی۔ کسی کسی آدمی کی نظر ہی بد ہوتی ہے۔ وہ آپ ہی آپ لگ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ماں باپ تک کی نظر لگ جاتی ہے۔ جب سے آیا ہے، ایکبار بھی نہیں رویا۔ ننھے بچوں کی یہی گت ہوتی ہے۔ میں تو اسے ہمکتے ہی دیکھ کر ڈر رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ برا ہونے والا ہے۔ آنکھیں نہیں دیکھتی ہو کتنی چڑھ گئی ہیں یہی نظر کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

بڑھیا مہری اور پڑوس کی مہراجن نے اس بات کی تائید کی۔ بس مہنگو اوجھا بلا لیا گیا۔ مہنگو نے آکر بچہ کا منہ دیکھا اور ہنس کر بولا ——— مالکن! یہ ڈیٹھ ہے اور کچھ نہیں۔ ذرا پتلی پتلی تیلیاں تو منگوا لیجئے۔ بھگوان نے چاہا تو سانجھ تک بچہ ہنسنے کھیلنے لگے گا۔

سرکنڈے کے پانچ ٹکڑے لائے گئے۔ مہنگو نے انھیں برابر کرکے ایک تاگے سے باندھ دیا اور کچھ زیر لب کہتے ہوئے انھیں سے ڈھیلے ہاتھوں کے ساتھ پانچ بار سوہن کا سر سہلایا۔ اب جو دیکھا تو پانچوں تیلیاں گھٹ بڑھ گئی تھیں سب عورتیں یہ تماشا دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ اب نظر لگنے میں کس کو شبہ ہوسکتا تھا؟ مہنگو نے پھر بچہ کو تیلیوں سے سہلانا شروع کیا۔ اب کے تیلیاں برابر ہو گئیں۔ صرف ذرا سا فرق رہ گیا۔ یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ نظر کا اثر اب تھوڑا سا اور باقی رہ گیا تھا۔ مہنگو سب کو تسلی دے کر شام کو پھر آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

لڑکے کی حالت دن میں اور ابتر ہوگئی۔ کھانسی شدت سے آنے لگی۔ شام کیوقت مہنگو نے آکر پھر تیلیوں کا تماشا کیا۔ اسوقت پانچوں تیلیاں برابر نکلیں۔ عورتیں بے فکر ہوگئیں لیکن سوہن کو ساری رات کھانستے گزری۔ یہاں تک کہ کئی بار اُس کی آنکھیں الٹ گئیں۔ سُدھا اور نرملا دونوں نے بیٹھ کر سویرا کیا۔ خیر رات بخیریت تمام ہوگئیں۔ اب بوڑھی ماں جی نیا رنگ لائیں۔ مہنگو نظر نہ اُتار سکا اس لئے کسی مولوی سے پھونک ڈلوانا ضروری ہوگیا۔ سُدھا پھر بھی اپنے شوہر کو مطلع نہ کر سکی۔ مہری سوہن کو چادر میں لپیٹ کر ایک مسجد میں لے گئی اور پھونک ڈلوالائی شام کو بھی پھونک ڈالی گئی مگر سوہن نے سر نہ اٹھایا۔ رات ہوگئی۔ سُدھا نے آج دل میں ارادہ کر لیا کہ رات خیریت سے گزری تو علی الصباح شوہر کو تار دونگی مگر رات خیریت سے نہ گذرنے پائی۔ آدھی رات ہوتے ہوتے بچہ ہاتھ سے نکل گیا۔ سُدھا کا سرمایۂ حیات دیکھتے دیکھتے اُس کے ہاتھوں سے چھین گیا!

وہی جس کے بیاہ کا دو روز پہلے کھیل ہو رہا تھا آج سارے گھر کو رُلا رہا ہے جس کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر ماں کی چھاتی پھول اٹھتی تھی۔ اُسی کو دیکھ کر آج ماں کی چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ سارا گھر سُدھا کو سمجھاتا تھا مگر اُس کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ صبر نہ ہوتا تھا۔ سب سے بڑا رنج اِس بات کا تھا کہ شوہر کو کونسا مُنہ دکھاؤں گی کہ انھیں خبر تک نہ دی۔

رات ہی کو تار دیدیا گیا اور دوسرے روز ڈاکٹر سنہا نو بجتے بجتے موٹر پر آپہنچے۔ سُدھا نے اُنکے آنے کی خبر پائی تو اور بھی زار و قطار رونے لگی۔ بچہ کی نعش کو دریا میں ڈال دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کئی بار اندر آئے مگر سُدھا اُن کے

پاس نہ گئی۔ اُن کے سامنے کیسے جائے؟ اُنھیں کونسا مُنہ دکھائے؟ اُسنے اپنی حماقت سے اُن کی زندگی کے انمول جواہر کو چھین کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ اب اُن کے پاس جاتے ہوئے اس کی چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ بچّہ کو اس کی گودی میں دیکھکر باپ کی آنکھیں چمک اُٹھتی تھیں۔ بچّہ ہمک کر باپ کی گود میں چلا جاتا تھا۔ ماں پھر بلاتی تو باپ کے سینہ سے لپٹ جاتا تھا اور لاکھ لاڈ پیار سے بُلانے پر بھی باپ کی گود نہ چھوڑتا تھا۔ ماں کہتی تھی بڑا مطلبی ہے۔ آج وہ کسے گود میں لے کر شوہر کے آگے جائے گی؟ اس کی سونی گود دیکھ کر کہیں وُہ چلّا کر رو نہ پڑیں! شوہر کے سامنے جانے کی بہ نسبت اُسے مرجانا کہیں سہل معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی نرملا کو نہ چھوڑتی تھی کہ کہیں شوہر کا سامنا نہ ہو جاوے۔

نرملا نے کہا۔ بہن! اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب اُن سے کب تک بھاگتی پھروگی؟ رات ہی کو چلے جائیں گے، اماں کہتی تھیں۔

سُدھا نے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا ــــ کونسا مُنہ لے کر اُن کے پاس جاؤں؟ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اُن کے سامنے جاتے ہی میرے پاؤں نہ گھومنے لگیں اور میں گر نہ پڑوں۔

نرملا۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں، تمہیں سنبھالے رہوں گی

سُدھا۔ مجھے چھوڑ بھاگ تو نہ آؤ گی؟

نرملا۔ نہیں نہیں! بھاگوں گی نہیں۔

سُدھا۔ میرا کلیجہ تو ابھی سے گڑا آتا ہے۔ میں اتنی سخت مصیبت پڑنے پر بھی جیتی ہوں، مجھے یہی تعجب ہو رہا ہے۔ سوہن کو وہ بہت پیار کرتے تھے۔ بہن!

نہ جانے اُن کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ میں اُنھیں ڈھارس کیا دوں، خود ہی روتی رہوں گی۔ کیا رات ہی کو چلے جائیں گے؟

نرملا۔ ہاں، اماں جی کہتی تھیں، رخصت نہیں لی ہے۔ دونوں سہیلیاں مردانہ کمرہ کی طرف چلیں لیکن کمرہ کے دروازہ پر پہنچ کر سدھا نے نرملا کو رخصت کر دیا تنہا کمرہ میں داخل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب گھبرا رہے تھے کہ نہ جانے سدھا کی کیا حالت ہوگی۔ انواع و اقسام کے اندیشے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ جانے کو تیار تو بیٹھے تھے مگر دل نہ چاہتا تھا زندگی سُونی سی معلوم ہوتی تھی۔ دل ہی دل میں کُڑھ رہے تھے۔ اگر ایشور کو اتنی جلد یہ چیز دے کر چھین لینی تھی تو دی کیوں تھی؟ اُنھوں نے تو کبھی اولاد کے لئے ایشور سے التجا نہ کی تھی۔ وہ تمام عمر بے اولاد رہ سکتے تھے مگر اولاد پا کر اُس سے محروم ہو جانا انھیں ناقابل برداشت معلوم ہوتا تھا۔ کیا واقعی انسان ایشور کے ہاتھوں کھلونا ہے؟ یہی انسانی زندگی کی اہمیت ہے! وہ صرف بچوں کا گھروندا ہے جس سے بننے کا کوئی سبب ہے نہ بگڑنے کا! پھر بچوں کو بھی تو اپنے گھروندے سے؛ اپنی کاغذی کشتیوں سے اپنے لکڑی کے گھوڑوں سے محبت ہوتی ہے۔ اچھے کھلونے کو وہ جان کے پیچھے چھپا رکھتے ہیں۔ اگر ایشور بچہ ہی ہے تو عجیب بچہ ہے!

مگر عقل سلیم تو ایشور کی ایسی شکل کو قبول نہیں کرتی۔ لامحدود خلقت کا خالق شریر بچہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اُسے ان تمام اوصاف سے متصف کرتے ہیں جو ہماری عقل کے پرے ہیں۔ کھلاڑی پن تو اُن زبردست اوصاف میں نہیں! کیا

ہنستے کھیلتے بچوں کی جان لے لینا کوئی کھیل ہے؟ کیا ایشور ایسے شیطانی کھیل کھیلتا ہے؟

دفعتاً سدھا بے پاؤں کمرہ میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اُس کے پاس جا کر بولے —— تم کہاں تھیں سدھا؟ میں تمہاری راہ دیکھ رہا تھا!

سدھا کی آنکھوں میں کمرہ تیرتا ہوا معلوم ہوا۔ شوہر کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اُس نے ان کے سینہ پر سر رکھ دیا اور رونے لگی۔ لیکن اس رونے میں اُسے بیحد صبر و تسکین کا احساس ہو رہا تھا۔ شوہر کے سینہ سے لپٹی ہوئی وہ اپنے دل میں ایک عجیب طاقت و تازگی پیدا ہوتی ہوئی محسوس کرتی تھی گویا ہوا سے ہلتا ہوا چراغ آنچل کی اوٹ میں آگیا ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے اہلیہ کے اشک آلود رخساروں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا —— سدھا! تم اتنا چھوٹا دل کیوں کرتی ہو؟ سوہن اپنی زندگی میں جو کچھ کرنے آیا تھا اُسے کر چکا تھا۔ پھر وہ کیوں بیٹھا رہتا؟ جیسے کوئی درخت پانی اور دھوپ سے بڑھتا ہے مگر ہوا کے تند جھونکوں میں سے مضبوط ہوتا ہے۔ اِسی طرح محبت میں بھی رنج کی چوٹ ہی سے ارتقاء ہوتا ہے۔ خوشی میں ساتھ ہنسنے والے بہت مل جاتے ہیں۔ رنج میں جو ساتھ روئے وہی ہمارا سچا دوست ہے۔ جن دوستوں کو ساتھ مل کر رونا نہیں نصیب ہوا وہ محبت کے مزے کیا جانیں؟ سوہن کی موت نے آج ہماری دوئی کو بالکل مٹا دیا۔ آج ہی ہم نے ایک دوسرے کا سچا روپ دیکھا ہے۔ سدھا نے

سسکتے ہوئے کہا۔ میں نظر کے دھوکے میں تھی، ہائے تم اس کا مُنہ بھی نہ دیکھ پائے نہ جانے اِن دنوں اتنی سمجھ اُسے کہاں سے آگئی تھی۔ جب مجھے روتے دیکھتا تو اپنی تکلیف بھول کر مُسکرا دیتا۔ تیسرے ہی روز میرے لاڈلے کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ کچھ دوا دارو بھی نہ کرنے پائی۔

یہ کہتے کہتے سُدھا کے آنسو پھر اُمنڈ آئے۔ ڈاکٹر سنہا نے اُسے سینہ سے لگا کر رقت بھری آواز میں کہا — پیاری! آج تک کوئی ایسا بچہ یا بوڑھا نہ مَرا ہوگا جس کے گھر والوں کی دوا دارُو والی خواہش پوری ہوگئی ہو۔

سُدھا۔ نرملا نے میری بڑی مدد کی۔ مَیں تو ایک آدھ جھپکی لے بھی لیتی تھی مگر اس کی آنکھیں نہیں جھپکیں۔ رات رات بھر لئے بیٹھی یا ٹہلاتی رہتی تھی اُس کا احسان کبھی نہ بھولوں گی۔ کیا تم آج ہی جا رہے ہو؟

ڈاکٹر۔ ہاں رُخصت لینے کا موقع نہ تھا۔ سول سرجن شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔

سُدھا۔ یہ سب ہمیشہ شکار ہی کھیلا کرتے ہیں؟

ڈاکٹر۔ بادشاہوں کا اور کام ہی کیا ہے!

سُدھا۔ میں تو آج نہ جانے دوں گی۔

ڈاکٹر۔ جی تو میرا بھی نہیں چاہتا۔

سُدھا۔ تو نہ جاؤ، تار دیدو۔ مَیں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ نرملا کو بھی لیتی چلوں گی۔

سُدھا وہاں سے لوٹی تو اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا۔ شوہر کی محبت آمیز گفتگو نے اس کے تمام رنج و غم کو دور کر دیا تھا۔ محبت میں بیحد تسکین ہے بیحد تسکین ہے اور بیحد طاقت ہے!

(۱۸)

جب ہم پر کوئی بھاری مصیبت آپڑتی ہے تو اُس سے ہمیں صرف رنج ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمیں دوسروں کے طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ عوام کو ہمارے متعلق رائے زنی کا وہ اچھا موقع مل جاتا ہے جس کے وہ متلاشی رہتے ہیں۔ بنارام کیا مرا گویا لوگوں کو آوازے کسنے کا بہانہ مل گیا۔ اندر کی بات کون جانے؟ ظاہری بات تو یہ تھی کہ یہ سب سوتیلی ماں کی کرتوت ہے۔ چاروں طرف یہی چرچا تھا۔ ایشور نہ کرے، لڑکوں کو سوتیلی ماں سے پالا پڑے۔ جس کو اپنا بنا ہوا گھر اجاڑنا ہو، اپنے پیارے بچوں کی گردنوں پر چھری پھیرنی ہو، وہ بچوں کے ہوتے اپنی دوسری شادی کرے۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ سوت کے آنے پر گھر نہ تباہ ہوگیا ہو، وہی باپ جو بچوں پر جان دیتا ہے، سوت کے آتے ہی انھیں بچوں کا دشمن ہوجاتا ہے۔ اُس کی مت ہی بدل جاتی ہے! ایسی دیوی نے جنم ہی نہیں لیا جس نے سوت کے بچوں کو اپنا سمجھا ہو۔

مشکل یہ تھی کہ لوگ ایسی رائے زنی کرنے ہی پر قانع نہ ہوتے تھے۔ کچھ ایسے بھلے لوگ بھی تھے جنھیں اب جیا رام اور سیا رام سے خاص محبت ہوگئی تھی۔ وہ دونوں لڑکوں سے بڑی ہمدردی ظاہر کرتے، حتےٰ کہ دو چار عورتیں تو ان کی ماں کے مزاج اور برتاؤ کو یاد کرکے آنسو بہانے لگتی تھیں، ہائے، ہائے بیچاری کیا جانتی تھی کہ اس کے مرتے ہی اُس کے لاڈلوں کی یہ دُرگت ہوگی! اب دُودھ مکھن کا ہے کو ملتا ہوگا؟

جیا رام کہتا —— ملتا کیوں نہیں!

عورت کہتی ــــ ملتا ہے! ارے بیٹا، ملتا بھی کسی طرح کا ہوتا ہے۔ پانی ملا، دودھ ٹکے سیر کا منگا کر رکھدیا، پیو چاہے نہ پیو، کون پوچھتا ہے؟ نہیں تو بیچاری نوکر سے دودھ دُہا کر منگاتی تھی۔ وہ تو چہرہ ہی کہے دیتا ہے۔ دودھ کی صورت، چھپی نہیں رہتی۔ وہ صورت ہی نہیں رہی۔

جیارام کو اپنی ماں کے وقت کے دودھ کا ذائقہ تو یاد تھا نہیں جو اس الزام کی تردید کرتا، اور نہ اسوقت کی اپنی صورت ہی یاد تھی، ناچار خاموش ہو جاتا تھا۔ خیرخواہوں کا اثر بھی ہونا قدرتی تھا۔ جیارام کو اپنے گھر والوں سے نفرت ہوتی جاتی تھی۔ منشی جی مکان نیلام ہو جانے کے بعد دوسرے مکان میں اُٹھ گئے تو کرایہ کی فکر ہوئی۔ نرملا نے مکھن منگانا بند کر دیا۔ جب وہ آمدنی نہ رہی تو وہ خرچ کیسے رہتا دونوں کہار علیحدہ کر دیئے گئے۔ جیارام کو پڑھانے والے ماسٹر کو بھی جواب دیدیا گیا جیارام کو یہ قطع و برید ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ جب نرملا میکہ چلی گئی تو منشی جی نے دودھ بھی بند کر دیا۔ نوزائیدہ لڑکی کی فکر ابھی سے اُن کے سر پر سوار ہو گئی تھی!

جیارام نے بگڑ کر کہا ــــ دودھ بند کر دینے سے تو آپ کا محل بن رہا ہوگا، کھانا بھی بند کر دیجئے۔

منشی جی۔ دودھ پینے کا شوق ہے تو جا کر دوہا کیوں نہیں لاتے؟ پانی کے پیسے تو مجھ سے نہ دیئے جائیں گے۔

جیارام۔ میں تو دودھ دہانے جاؤں، کوئی اسکول کا لڑکا دیکھے تب؟

منشی جی۔ تب کچھ نہیں، کہدینا کہ اپنے لئے دودھ لئے جاتا ہوں۔ دودھ لانا کوئی عیب نہیں ہے۔

جیا رام۔ عیب نہیں ہے؟ آپ ہی کو کوئی دودھ لاتے دیکھ لے تو آپ کو شرم نہ آئے گی؟

منشی جی۔ بالکل نہیں۔ میں نے تو انھیں ہاتھوں سے پانی کھینچا ہے، اناج کی گٹھریاں اٹھائی ہیں! میرے باپ لکھ پتی نہیں تھے۔

جیا رام۔ میرے باپ تو غریب نہیں ہیں، میں کیوں دودھ لانے جاؤں؟ آخر کہاروں کو کیوں جواب دے دیا؟

منشی جی۔ کیا تمہیں اتنا بھی نہیں سوجھتا کہ میری آمدنی اب پہلی سی نہیں رہی؟ اتنے نادان تو نہیں ہو!

جیا رام۔ آخر آپ کی آمدنی کیوں کم ہو گئی؟

منشی جی۔ جب تمہیں عقل ہی نہیں ہے تو کیا سمجھاؤں؟ یہاں زندگی سے تنگ آگیا ہوں، مقدمے کون لے؟ اور لے بھی تو تیار کون کرے؟ وہ دل ہی نہیں رہا اب تو زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ سارے ارمان رتن کے ساتھ چلے گئے۔

جیا رام۔ اپنے ہی ہاتھوں نہ؟

منشی جی نے چیخ کر کہا۔ — ارے احمق! وہ ایشور کی مرضی تھی۔ اپنے ہاتھوں کوئی اپنا گلا کاٹتا ہے؟

جیا رام۔ ایشور تو آپ کا بیاہ کرنے نہ آیا تھا؟

منشی جی اب ضبط نہ کر سکے، سرخ سرخ آنکھیں نکال کر بولے — کیا تم آج لڑنے کے لئے کمر باندھ کر آئے ہو؟ آخر کس برتے پر؟ میری روٹیاں تو نہیں چلاتے جب اس قابل ہو جانا تو مجھے نصیحت کرنا۔ تب میں سن لوں گا۔ ابھی تم کو مجھے نصیحت

کرنے کا حق نہیں ہے۔ کچھ دنوں ادب اور تمیز سیکھو۔ تم میرے صلاح کار نہیں ہو کہ میں جو کام کروں اُس میں تم سے صلاح لوں، میری پیدا کی ہوئی دولت ہے۔ اُسے جس طرح چاہوں خرچ کر سکتا ہوں۔ تم کو زبان کھولنے کا بھی اختیار نہیں ہے اگر پھر تم نے مجھ سے ایسی بے ادبی کی تو نتیجہ بُرا ہوگا۔ جب منسا رام سارتن کھو کر میری جان نہ نکلی تو تمہارے بغیر میں مرنہ جاؤں گا سمجھ گئے!

ایسی بُری طرح ڈانٹے جانے پر بھی جیا رام وہاں سے نہ ٹلا۔ بے خوفی سے بولا۔ تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہمیں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو مگر زبان نہ ہلائیں؟ مجھ سے تو یہ نہ ہوگا۔ بھائی صاحب کو ادب و تمیز کا جو انعام ملا اُس کی مجھے حاجت نہیں۔ مجھ میں زہر کھا کر جان دینے کی جرأت نہیں! ایسے ادب کو دور ہی سے سلام کرتا ہوں۔

منشی جی۔ تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟

جیا رام۔ لڑکے اپنے بزرگوں ہی کی نقل کرتے ہیں۔

منشی جی کا غصہ فرو ہو گیا۔ جیا رام پر اُس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ اس کا اُنھیں یقین ہو گیا۔ اُٹھ کر ٹہلنے چلے گئے۔ آج انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ گھر جلد ہی تباہ ہونے والا ہے۔

اُس روز سے باپ بیٹے میں کسی نہ کسی بات پر ہمیشہ کھٹ پٹ ہو جاتی منشی جی جیوں جیوں طرح دیتے تھے، جیا رام اور بھی شیر ہوتا جاتا تھا۔ ایک روز جیا رام نے رکمنی سے یہاں تک کہہ ڈالا ــــ باپ ہے یہ سمجھ کر درگزر کرتا ہوں ورنہ میرے ایسے ساتھی ہیں کہ چاہوں تو سر بازار پٹوا دوں۔ رکمنی نے منشی جی

کہہ دیا۔ منشی جی نے ظاہر اتو لاپروائی دکھائی مگر اُن کے دل میں اندیشہ پیدا ہوگیا۔ شام کو ہوا خوری کرنا چھوڑ دیا۔ یہ نئی فکر لاحق ہوگئی۔ اسی خوف سے نرملا کو بھی نہ بلاتے تھے کہ یہ شیطان اُس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا۔ جیا رام ایک بار دبی زبان سے کہہ بھی چکا تھا کہ دیکھیوں اب کے کیسے اس گھر میں آتی ہیں۔ دُور ہی سے نہ دھتکاروں تو جیا رام نام نہیں۔ بوڑھے میاں کر کیا سکیں گے؟

منشی جی بھی خوب سمجھ گئے تھے کہ میں اس کا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی غیر شخص ہوتا تو اس کو پولیس اور قانون کے شکنجہ میں کستے اپنے لڑکے کو کیا کریں؟ سچ کہا ہے کہ آدمی مرتا ہے تو اپنے لڑکوں ہی سے!

ایک دن ڈاکٹر سنہا نے جیا رام کو بلا کر سمجھانا شروع کیا۔ جیا رام ان کا ادب کرتا تھا، چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے آخر میں دریافت کیا کہ تم جانتے کیا ہو تو وہ بولا ــــ صاف صاف کہدوں نہ، بُرا تو نہ مانئے گا؟

سنہا نہیں، جو کچھ تمہارے دل میں ہو صاف صاف کہدو۔

جیا رام تو سُنئے، جب سے بھیا مرے ہیں، مجھے باپ کی صورت دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں نے ان کو ہلاک کیا ہے اور کسی روز موقع پا کر ہم دونوں بھائیوں کو بھی ہلاک کر ڈالیں گے۔ اگر اُن کی یہ خواہش نہ ہوتی تو شادی ہی کیوں کرتے؟

ڈاکٹر صاحب نے بڑی مشکل سے ہنسی روک کر کہا ــــ تمہیں ہلاک کرنے کے لئے انھیں شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

بلا شادی کے بھی تو وہ ہلاک کر سکتے تھے۔

جیا رام۔ کبھی نہیں۔ اس وقت تو ان کا دل ہی کچھ اور تھا۔ اب مُنہ تک نہیں دیکھنا چاہتے۔ اُن کی یہی مرضی ہے کہ اُن دونوں آدمیوں کے سوا گھر میں اور کوئی نہ رہے۔ اب جو لڑکے ہوں گے اُن کے راستے سے ہم لوگوں کو ہٹا دینا چاہتے ہیں یہی ان دونوں کا منشا رہے۔ ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بھگا دینا چاہتے ہیں۔ اسی لئے آج کل مقدمے نہیں لیتے۔ ہم دونوں بھائی آج مر جائیں تو پھر دیکھئے کیسی بہار ہوتی ہے۔

ڈاکٹر۔ اگر تمہیں بھگانا ہی ہوتا تو کوئی الزام لگا کر گھر سے نکال نہ دیتے؟

جیا رام۔ اس کے لئے پہلے ہی سے تیار بیٹھا ہوں۔

ڈاکٹر۔ میں بھی سُنوں وہ کیا تیاری کی ہے۔

جیا رام۔ جب موقع آئے گا، دیکھ لیجئے گا۔

یہ کہہ کر جیا رام چلتا ہوا۔ ڈاکٹر سہانے بہت پکارا مگر اس نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں! کئی روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی جیا رام سے پھر ملاقات ہو گئی ڈاکٹر صاحب سینما دیکھنے کے شائق تھے اور جیا رام کی تو جان ہی سینما تھی ڈاکٹر صاحب نے سینما پر رائے زنی کرتے ہوئے جیا رام کو باتوں میں لگا لیا اور اپنے گھر لائے۔ کھانے کا وقت آگیا تھا، دونوں کھانے پر بیٹھے۔ جیا رام کو یہاں کھانا بہت لذیذ معلوم ہوا۔ بولا ــــ میرے یہاں تو جب سے مہراجی علیحدہ ہوا کھانے کا مزہ ہی جاتا رہا۔ بوا جی پکا دیشنوی کھانا بناتی ہیں۔ جبراً کھا لیتا ہوں مگر در اصل کھانے کی طرف دیکھنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔

ڈاکٹر۔ میرے یہاں تو جب گھر میں کھانا پکتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ مزیدار ہوتا ہے۔ تمہاری بُوا جی پیاز لہسن نہ چھوتی ہوں گی؟

جیارام۔ ہاں صاحب اُبال کر رکھ دیتی ہیں۔ لالہ جی کو اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کھاتا ہے یا نہیں۔ اِسی لئے تو مہراج کو علیحدہ کر دیا ہے۔ اگر روپئے نہیں ہیں تو روز گہنے کہاں سے بنتے ہیں؟

ڈاکٹر۔ یہ بات نہیں ہے، جیارام! ان کی آمدنی واقعی بہت کم ہو گئی ہے۔ تم انھیں بہت دِق کرتے ہو؟

جیارام (ہنس کر) میں انھیں دق کرتا ہوں۔ مجھ سے قسم لے لیجئے کہ جو کبھی اُن سے بولتا بھی ہوں۔ مجھے بدنام کرنے کا اُنھوں نے بیڑا اُٹھا لیا ہے۔ بے سبب، بے وجہ، پیچھے پڑے رہتے ہیں، یہاں تک کہ میرے دوستوں سے بھی اُنھیں چڑھ ہے۔ آپ ہی سوچئے کہ دوستوں کے بغیر کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ میں کوئی لُقّہ نہیں ہوں کہ لُقّوں کی صحبت کروں۔ مگر آپ دوستوں ہی کے پیچھے مجھے روزانہ تنگ کیا کرتے ہیں۔ کل تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میرے دوست میرے گھر آئیں گے، کسی کو اچھا لگے یا بُرا۔ جناب کوئی ہو مگر ہر وقت کی دھونس نہیں سہہ سکتا

ڈاکٹر۔ مجھے تو بھئی، اُن پر بہت رحم آتا ہے۔ یہ وقت اُن کے آرام کرنے کا تھا۔ ایک تو بڑھاپا، اُس پہ بیٹے کی جوانمرگی کا غم۔ صحت بھی اچھی نہیں۔ ایسا آدمی کیا کر سکتا ہے؟ وہ جو کچھ تھوڑا بہت کرتے ہیں، وہی بہت ہے۔ تم ابھی اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی نیک اطواری سے تو انھیں خوش رکھ سکتے ہو بوڑھوں کو خوش رکھنا بہت مشکل کام نہیں۔ یقین مانو کہ تمہارا ہنس کر

بولنا ہی اُنھیں خوش کرنے کو کافی ہے۔ اتنا پوچھنے میں تمھارا کیا خرچ ہوتا ہے کہ بابو آپ کا مزاج کیسا ہے؟ وہ تمھاری یہ بےرخی دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کئی مرتبہ رو چکے ہیں۔ مان لو کہ انھوں نے شادی کرنے میں غلطی کی۔ اسے وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تم اپنے فرض سے کیوں مُنہ موڑتے ہو؟ وہ تمھارے باپ ہیں، تمھیں اُن کی خدمت کرنی چاہیئے۔ ایک بات بھی ایسی مُنہ سے نہ نکالنی چاہیئے جس سے اُن کا دل دُکھے۔ انھیں یہ خیال کرنے کا موقع ہی کیوں دو کہ سب میری کمائی کھانے والے ہیں، بات پوچھنے والا کوئی نہیں؟ میری عمر تم سے کہیں زیادہ ہے، جیا رام! مگر آج تک میں نے اپنے والد صاحب کو کسی بات پر جواب نہیں دیا۔ وہ آج بھی مجھے ڈانٹتے ہیں تو سر جھکا کر سُن لیتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، میرے بھلے ہی کے لئے کہتے ہیں۔ ماں باپ سے بڑھ کر ہمارا ہی خواہ اور کون ہو سکتا ہے؟ ان کے احسان سے کون سبکدوش ہو سکتا ہے؟

جیا رام بیٹھا روتا رہا۔ ابھی اس کی نیک دلی بالکل زائل نہیں ہوگئی تھی اپنی ناخلفی اُسے صاف نظر آ رہی تھی۔ اتنی پشیمانی اُسے بہت روز سے نہ ہوئی تھی۔ اس نے رو کر ڈاکٹر صاحب سے کہا --- میں بہت نادم ہوں۔ میں دوسروں کے بہکانے میں آگیا تھا۔ اب آپ میری ذرا بھی شکایت نہ سنیں گے۔ آپ والد صاحب سے میرا قصور معاف کرا دیجئے۔ میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں اُنھیں میں نے ستایا۔ اُن سے کہئے کہ میرا قصور معاف کر دیں ورنہ میں اپنے مُنہ میں کالک لگا کر کہیں نکل جاؤں گا، کہیں ڈوب مروں گا۔

ڈاکٹر صاحب نصیحت دہی پر پھولے نہ سمائے۔ انھوں نے جیا رام کو گلے

لگاکر رخصت کیا۔ جیارام گھر پہنچا تو گیارہ بج گئے تھے۔ منشی جی کھانا کھاکر ابھی باہر آئے تھے۔ اُسے دیکھتے ہی بولے ــــ جانتے ہو، کتنے بجے ہیں؟ بارہ کا وقت ہے؛

جیارام نے نہایت عاجزی سے کہا ــــ ڈاکٹر سنہا مل گئے۔ اُنکے ساتھ اُن کے مکان تک چلا گیا۔ انھوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا، مجبوراً کھانا پڑا۔

منشی جی۔ ڈاکٹر سنہا سے دُکھڑا رونے گئے ہوگے یا اور کوئی کام تھا؟

جیارام کی عاجزی کا ایک چوتھائی حصہ مفقود ہو گیا، بولا ــــ دکھڑا رونے کی میری عادت نہیں ہے۔

منشی جی۔ ذرا بھی نہیں۔ تمہارے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے! مجھ سے جو لوگ تمہاری باتیں کہا کرتے ہیں وہ یوں ہی کہا کرتے ہوں گے؟

جیارام۔ اور دنوں کی تو میں نہیں کہتا مگر آج ڈاکٹر سنہا کے یہاں میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جو اسوقت آپکے روبرو نہ کہہ سکوں۔

منشی جی۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ بیحد خوشی ہوئی آج سے مُریدی کر لی ہے کیا؟

جیارام کی عاجزی کا ایک چوتھائی حصہ اور غائب ہو گیا۔ سر اُٹھاکر بولا۔ آدمی بلا مُرید ہوئے بھی اپنی برائیوں پر نادم ہو سکتا ہے۔ اپنا سدھار کرنے کے لئے گورو کا منتر کوئی چیز نہیں۔

منشی جی۔ اب تو شہدے نہ جمع ہوں گے؟

جیارام۔ آپ کسی کو شہدا کیوں کہتے ہیں جب تک ایسا کہنے کے لئے آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں؟

منشی جی۔ تمہارے دوست سب شہدے لُچے ہیں۔ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ

اُنھیں یہاں نہ جمع کیا کرو مگر تم نے سُنا نہیں۔ آج میں آخری بار کہے دیتا ہوں کہ اگر تم نے ان کو پھر جمع کیا تو مجھے پولیس کی مدد لینی پڑے گی۔

جیارام کی عاجزی کا ایک چوتھائی اور غائب ہو گیا۔ کڑک کر بولا ——— اچھی بات ہے، پولیس کی مدد لیجئے! دیکھوں، پولیس کیا کرتی ہے؟ میرے دوستوں میں نصف سے زیادہ پولیس کے افسروں کے ہی لڑکے ہیں۔ جب آپ ہی میرا سدھار کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو میں بیفائدہ کیوں تکلیف برداشت کروں؟

یہ کہتا ہوا جیارام اپنے کمرہ میں چلا گیا اور ایک لمحہ کے بعد ہارمونیم کے نغمۂ شیریں کی آواز باہر آنے لگی۔

ہمدردی کا جلایا ہوا چراغ بے دردانہ طنز والی ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ گیا اڑا ہوا گھوڑا دم والا سا ذرا آگے بڑھنے کو تھا مگر چابک پڑتے ہی پھر اڑ گیا اور گاڑی کو پیچھے دھکیلنے لگا!

(۱۹)

اکیلے سُدھا کے ساتھ نرملا کو بھی آنا پڑا۔ وہ مائکہ میں کچھ دنوں اور رہنا چاہتی تھی مگر مغموم سُدھا تنہا کیسے رہتی؟ اس کی خاطر سے نرملا کو آنا ہی پڑا۔

رکمنی نے ٹھنگی سے کہا ——— دیکھتی ہے، بہو میکے سے کیسی نکھر کر آئی ہے؟

ٹھنگی نے کہا ——— دیدی! ماں کے ہاتھ کی روٹیاں لڑکیوں کو بہت اچھی لگتی ہیں۔

رکمنی۔ ٹھیک کہتی ہے ٹھنگی! کھلانا تو کچھ ماں ہی جانتی ہے۔

نرملا کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھر کا کوئی آدمی اس کے آنے سے خوش نہیں۔

منشی جی نے خوشی تو بہت دکھائی مگر دلی تفکر کو نہ چھپا سکے۔ بچی کا نام سُدھا نے آشا رکھدیا تھا۔ وہ آشا کی مورت سی تھی بھی۔ اُسے دیکھ کر ساری فکر دور ہو جاتی تھی۔ منشی جی نے اُسے گودی میں لینا چاہا تو وہ رونے لگی اور دُوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔ گویا باپ کو جانتی ہی نہ تھی۔ منشی جی نے شیرینی کے ذریعہ اُسے مانوس کرانا چاہا۔ گھر میں کوئی نوکر تو تھا نہیں، جا کر سیا رام سے دو آنہ کی مٹھائی لانے کو کہا۔ جیا رام بھی بیٹھا ہوا تھا، بول اُٹھا ـــــ ہم لوگوں کے لئے تو کبھی مٹھائی نہیں آتی۔

منشی جی نے جھنجھلا کر کہا۔ تم لوگ بچے نہیں ہو۔

جیا رام۔ اور کیا بوڑھے ہیں؟ مٹھائیاں منگوا کر رکھا دیجئے تو معلوم ہو کہ بچے ہیں یا بوڑھے۔ نکالئے چار آنے اور نہ آشا کی بدولت ہمارے نصیب بھی جاگیں۔

منشی جی۔ اسوقت میرے پاس نہیں ہیں۔ جاؤ سیا! جلد آنا۔

جیا رام۔ سیا نہیں جائے گا، کسی کا غلام نہیں ہے۔ آشا اپنے باپ کی بیٹی ہے تو وہ بھی اپنے باپ کا بیٹا ہے۔

منشی جی۔ کیا فضول باتیں کرتے ہو؟ ننھی سی بچی کی برابری کرتے تمہیں شرم نہیں آتی! جاؤ سیا رام، یہ پیسے لو۔

جیا رام۔ مت جانا سیا! تم کسی کے نوکر نہیں ہو۔

سیا رام بڑے شش و پنج میں پڑ گیا۔ کس کا کہنا کرے۔ بالآخر اُس نے جیا رام کا کہنا ماننے کا ارادہ کر لیا۔ باپ زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیں گے جیا رام تو مارے گا۔ پھر وہ کس کے پاس فریاد لے کر جاوے گا۔ بولا ـــــ میں نہ جاؤنگا۔

منشی جی نے دھمکا کر کہا اچھا تو پھر میرے پاس کوئی چیز مانگنے مت آنا۔
منشی جی خود بازار چلے گئے اور ایک روپیہ کی شیرینی لے کر لوٹے۔ دو آنے کی مٹھائی لیتے ہوئے انھیں شرم معلوم ہوئی۔ حلوائی انھیں پہچانتا تھا، دل میں کیا کہے گا؟
مٹھائی لئے ہوئے منشی جی اندر چلے گئے۔ سیارام نے مٹھائی کا بڑا سا دونا دیکھا تو باپ کا کہنا نہ ماننے کا اُسے رنج ہوا۔ اب وہ کس منہ سے مٹھائی لینے اندر جائے گا؟ بڑی غلطی ہوئی۔ وہ دل ہی دل میں جیارام کے طمانچوں کی چوٹ اور شیرینی کی حلاوت میں موازنہ کرنے لگا۔
دفعتاً بھنگی نے دو طشتریاں دونوں کے سامنے لاکر رکھدیں۔ جیارام نے بگڑ کر کہا۔ اِسے اٹھالے جا۔
بھنگی۔ کاہے کو بگڑتے ہو بابو؟ کیا مٹھائی اچھی نہیں لگتی؟
جیارام۔ مٹھائی آشا کے لئے آئی ہے، ہمارے لئے نہیں۔ لیجا! ورنہ میں سڑک پر پھینک دوں گا۔ ہم تو پیسے پیسے کے لئے ترستے ہیں اور یہاں روپیوں کی مٹھائی آتی ہے۔
بھنگی۔ تم لے لو، بیا بابو! یہ نہ لیں گے نہ سہی۔ سیارام نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھایا تھا کہ جیارام نے ڈانٹ کر کہا ——— مت چھونا مٹھائی، ورنہ ہاتھ توڑ کر رکھدوں گا، لالچی کہیں کا! سیارام یہ ڈانٹ سُن کر سہم گیا۔ مٹھائی کھانے ہمت نہ پڑی۔ نرملا نے یہ ماجرا سُنا تو دونوں لڑکوں کو منانے چلی۔ منشی جی نے کڑی قسم رکھادی۔

نرملا ۔ آپ سمجھتے نہیں ہیں، یہ سارا غصہ مجھ پر ہے ۔
منشی جی ۔ گستاخ ہو گیا ہے ۔ اِس خیال سے کوئی سختی نہیں کرتا کہ لوگ کہیں گے بِلا ماں کے بچّوں کو ستاتے ہیں ورنہ ساری شرارت گھڑی بھر میں نکالدوں ۔
نرملا ۔ اِسی بدنامی کا مجھے بھی تو خوف ہے ۔
منشی جی ۔ اب نہ ڈروں گا ۔ جس کے جی میں جو آئے کہے ۔
نرملا ۔ پہلے تو یہ ایسے نہ تھے ۔
منشی جی ۔ ابھی کہتا ہے کہ آپکے لڑکے موجود تھے، آپ نے بیاہ کیوں کیا؟ یہ کہنے میں بھی اُسے تامل نہیں ہوتا کہ آپ لوگوں نے منسا رام کو زہر دے دیا۔ لڑکا نہیں ہے، دشمن ہے !

جیا رام دروازہ کے پاس چھپا ہوا کھڑا تھا ۔ میاں بیوی میں مٹھائی کے بارہ میں کیا باتیں ہوتی ہیں یہی سننے وہ آیا تھا ۔ منشی جی کا آخری جملہ سن کر اُس سے نہ رہا گیا ۔ بول اُٹھا —— دشمن نہ ہوتا تو آپ اُس کے پیچھے کیوں پڑتے ؟ آپ جو اس وقت کہہ رہے ہیں وہ میں بہت پیشتر سے سمجھے ہوئے بیٹھا ہوں بھیّا نہ سمجھتے تھے، دھوکا کھا گئے ۔ ہمارے ساتھ آپ کی دال نہ گلے گی سارا زمانہ کہہ رہا ہے کہ بھائی صاحب کو زہر دیا گیا ۔ میں کہتا ہوں تو کیوں آپ کو غصہ آتا ہے ؟

نرملا تو سناٹے میں آ گئی ۔ معلوم ہوا کسی نے اُس کے بدن پر انگارے ڈالدیئے منشی جی نے ڈانٹ کر جیا رام کو چپ کرنا چاہا ۔ مگر جیا رام بیخوفی کے ساتھ ہنسٹ کا جواب پتھر سے دیتا رہا ۔ یہانتک کہ نرملا کو بھی اُس پر غصہ آ گیا ۔ یہ کل کا چھوکرا،

نہ کسی کام کا نہ کاج کا، یوں کھڑا تڑا رہا ہے جیسے سارے گھر والوں کی پرورش یہی کرتا ہے تیوریاں چڑھا کر بولی — بس، اب بہت ہوا جیا رام! معلوم ہو گیا کہ تم بڑے لائق ہو۔ باہر جا کر بیٹھو۔

منشی جی اب تک تو ذرا دب دب کر بولتے رہے، اب نرملا کی شہ پائی تو دل بڑھ گیا۔ دانت پیس کر لپکے اور اس کے قبل کہ نرملا اُن کے ہاتھ پکڑ سکے، ایک تھپڑ چلا ہی دیا۔ تھپڑ نرملا کے مُنہ پر پڑا، وہی سامنے پڑ گئی تھی۔ سر چکرا گیا۔ منشی جی کے خشک ہاتھوں میں بھی اتنی سکت ہے، اس کا وہ قیاس نہ کر سکتی تھی۔ سر تھام کر بیٹھ گئی۔ منشی جی کا غصہ اور بھی بھڑک اُٹھا۔ پھر گھونسہ چلایا مگر اب کے جیا رام نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور پیچھے دھکیل کر بولا۔ دُور سے باتیں کیجئے کیوں ناحق اپنی بے عزتی کراتے ہیں۔ اماں جی کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ دکھا دیتا۔

یہ کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔ منشی جی بے حس سے کھڑے رہ گئے۔ اِسوقت اگر جیا رام پر خدائی قہر نازل ہوتا تو شاید اُنھیں دِلی مسرت ہوتی۔ جس لڑکے کو کبھی گود میں لے کر خوش ہو جاتے تھے اُسی کے متعلق آج انواع و اقسام کی بد اندیشیاں دل میں پیدا ہو رہی تھیں۔

رُکمنی اب تک تو اپنی کوٹھری میں تھی۔ اب آ کر بولی — بیٹا اپنے برابر کا ہو گیا ہو تو اس پر ہاتھ نہ چلانا چاہئے۔

منشی جی نے ہونٹ چبا کر کہا۔ میں اِسے گھر سے نکال کر دم لوں گا۔ بھیک مانگے یا چوری کرے۔ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

رُکمنی۔ ناک کس کی کٹے گی؟

منشی جی۔ اس کی پرواہ نہیں۔
نرملا۔ میں یہ جانتی کہ میرے آنے سے یہ طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا تو بھول کر بھی نہ آتی۔ اب بھی بہتر ہے۔ مجھے بھیج دیجئے۔ اِس گھر میں مجھ سے رہا نہ جاوے گا۔
رکمنی۔ تمہارا بہت لحاظ کرتا ہے بہو! ورنہ آج آفت ہو جاتی۔
نرملا۔ اب اور کیا آفت ہوگی دیدی جی! میں تو پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوں پھر بھی کلنگ لگ ہی جاتا ہے۔ ابھی گھر میں قدم رکھتے دیر نہیں ہوئی اور یہ حال ہوگیا۔ ایشور ہی کشل کریں!
رات کو کھانے کے لئے کوئی نہ اُٹھا۔ تنہا منشی جی نے کھایا۔ نرملا کے دل میں آج ایک نئی فکر پیدا ہوگئی تھی —— زندگی کیسے پار ہوگی؟ اپنا ہی پیٹ ہوتا تو کوئی خاص تردد نہ تھا۔ اب تو ایک نئی بلا گلے پڑ گئی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ میری ننھی بچی کے بھاگ میں کیا لکھا ہے۔ رام؟

(۲۰)

فکر میں نیند کب آتی ہے؟ نرملا پلنگ پر پڑی کروٹیں بدل رہی تھی۔ کتنا ہی کوشش کرتی تھی کہ نیند آجاوے مگر نیند نے تو آنے کی قسم کھالی تھی۔ چراغ ٹھنڈا کر دیا تھا، کھڑکی کھول دی تھی، ٹک ٹک کرنے والی گھڑی بھی دوسرے کمرہ میں رکھ آئی تھی مگر نیند کا نام نہ تھا۔ جتنی باتیں سوچنی تھیں سب سوچ چکی۔ تفکرات کا بھی خاتمہ ہوگیا مگر پلک نہ جھپکی۔ تب اس نے پھر لیمپ جلایا اور ایک کتاب پڑھنے لگی۔ دو ہی چار صفحے پڑھے ہونگے کہ جھپکی آگئی۔ کتاب

کھلی کی کھلی رہ گئی

دفعتاً جیارام نے کمرہ میں قدم رکھا۔ اُس کے پیر تھر تھر کانپ رہے تھے اس نے کمرے کے اوپر نیچے دیکھا۔ نرملا سوئی ہوئی تھی اس کے سرہانے طاق پر ایک چھوٹا سا پیتل کا صندوقچہ رکھا ہوا تھا۔ جیارام دبے پاؤں گیا۔ آہستہ سے صندوقچہ اُتارا اور بڑی تیزی سے کمرہ کے باہر نکلا۔ اُسی وقت نرملا کی آنکھیں کھل گئیں۔ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازہ پر آکر دیکھا کلیجہ دھک سے ہوگیا کہ یہ جیارام ہے؟ میرے کمرے میں کیا کرنے آیا تھا؟ کہیں مجھے دھوکا تو نہیں ہوا؟ شاید دیدی جی کے کمرے سے آیا ہو۔ یہاں اسکا کام ہی کیا تھا۔ شاید مجھے کچھ کہنے آیا ہو اور سوتا دیکھ کر چلا گیا ہو۔ لیکن اس وقت کیا کہنے آیا ہوگا؟ اس کی نیت کیا ہے اُس کا دل کانپ اُٹھا۔

منشی جی اوپر چھت پر سو رہے تھے۔ منڈیر نہ ہونے کے سبب نرملا اوپر نہ سو سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ چل کر اُنھیں جگاؤں مگر جانے کی ہمت نہ پڑی۔ شکّی آدمی ہیں، نہ جانے کیا سمجھ بیٹھیں اور کیا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ آکر پھر وہی کتاب پڑھنے لگی۔ سویرے پوچھنے پر آپ ہی معلوم ہو جاوے گا۔ کون جانے مجھے دھوکا ہی ہوا ہو۔ نیند میں کبھی دھوکا ہو جاتا ہے۔ لیکن صبح پوچھنے کا ارادہ کر لینے پر بھی اس کو پھر نیند نہ آئی۔

صبح ناشتہ لے کر خود جیارام کے پاس گئی تو وہ اُسے دیکھ کر چونک پڑا۔ روز تو بھنگی آتی تھی آج یہ کیوں آرہی ہیں؟ نرملا کی طرف دیکھنے کی اس کی جرأت نہ ہوئی۔

نرملا نے اس کو تیقن آمیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا رات کو تم میرے کمرہ میں گئے تھے ؟

جیا رام نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ـــــ میں ! بھلا میں رات کو کیا کرنے جاتا ؟ کیا کوئی گیا تھا ؟

نرملا نے اس لہجہ میں کہا گویا اُسے اس کی بات کا پورا یقین ہوگیا تھا ـــ ہاں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی میرے کمرہ سے نکلا ۔ میں نے اس کا چہرہ تو نہ دیکھا مگر اس کی پیٹھ دیکھ کر قیاس کیا کہ شاید تم کسی کام سے آئے ہو ۔ اس کا پتہ کیسے چلے کہ کون تھا ؟ کوئی تھا ضرور ، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ۔

جیا رام اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا میں تو رات کو تھیٹر دیکھنے چلا گیا تھا ۔ وہاں سے لوٹا تو ایک دوست کے گھر میں بیٹھ رہا ۔ تھوڑی دیر ہوئی لوٹا ہوں ۔ میرے ساتھ اور بھی کئی دوست تھے جس سے جی چاہے ، پوچھ لیں ہاں بھئی ، میں بہت ڈرتا ہوں ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز اُٹھ گئی ہو تو میرا نام لگے ۔ چور کو تو کوئی پکڑ نہیں سکتا ، میرے ماتھے لگ جائے گی ۔ بابو جی کو آپ جانتی ہیں ، مجھے مارنے دوڑیں گے ۔

تمہارا نام کیوں لگے گا ۔ اگر تمہیں ہوتے تو بھی تمہیں کوئی چوری نہیں لگا سکتا چوری دوسرے کی چیز کی کی جاتی ہے ، اپنی چیز کی چوری کوئی نہیں کرتا ۔

ابھی تک نرملا کی نگاہ اپنے صندوقچہ پر نہ پڑی تھی ۔ کھانا پکانے لگی ۔ جب وکیل صاحب کچہری چلے گئے تو وہ سدھا سے ملنے چلی ۔ ادھر کئی روز سے ملاقات نہ ہوئی تھی ۔ پھر رات والے واقعہ پر باہمی گفتگو بھی ہونی تھی کچھ سے

کہا۔ کمرہ سے گہنے کا بکس اُٹھا لا۔
بھنگی نے واپس آکر کہا ——— وہاں تو کہیں بکس نہیں ہے۔ کہاں رکھا تھا؟
نرملا نے چڑھ کر کہا ——— ایک مرتبہ میں تو کبھی میرا کام ہی نہیں ہوتا۔ ہاں
چھوڑ کر اور جائے گا کہاں؟ الماری میں دیکھا تھا؟
بھنگی نہیں بہوجی، الماری میں تو نہیں دیکھا۔ جھوٹ کیوں بولوں؟
نرملا مسکرا پڑی، بولی جا دیکھ، جلدی آ۔
ایک لمحہ میں بھنگی پھر خالی ہاتھ لوٹ آئی ——— الماری میں بھی تو نہیں ہے
اب جہاں بتاؤ وہاں دیکھوں۔
نرملا جھنجھلا کر یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تجھے ایشور نے آنکھیں نہ جانے کس لئے دیں۔ دیکھ، اُسی کمرہ میں سے لاتی ہوں کہ نہیں۔
بھنگی بھی پیچھے پیچھے کمرہ میں گئی۔ نرملا نے طاق پر نگاہ ڈالی، الماری کھول کر دیکھا۔ پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا، پھر کپڑوں کا بڑا صندوق کھول کر دیکھا مگر بکس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ تعجب ہوا کہ آخر بکس گیا کہاں؟
دفعتاً رات کا واقعہ بجلی کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چمک گیا۔ کلیجہ اچھل پڑا۔ ابتک بے فکری سے تلاش کر رہی تھی۔ اب بخار سا ہو گیا۔ بڑی بیتابی سے چاروں طرف سے کھوجنے لگی۔ کہیں پتہ نہ تھا جہاں کھوجنا چاہئے تھا وہاں بھی تلاش کیا اور جہاں نہ کھوجنا چاہئے تھا وہاں بھی۔ اتنا بڑا صندوقچہ بستر کے نیچے کیسے چھپ جاتا؟ مگر اُسے بھی جھاڑ کر دیکھا۔ لمحہ لمحہ چہرہ کا رنگ فق ہوتا جاتا تھا جان ناخونوں میں آ رہی تھی۔ آخر مایوس ہو کر اُس نے چھاتی پر ایک گھونسہ مارا۔

اور رونے لگی۔

گہنے ہی عورتوں کے پونجی ہوتے ہیں، شوہر کی اور کسی پونجی پر اس کا اختیار نہیں ہوتا۔ اسی پونجی کا اُس کو گھمنڈ اور بل ہوتا ہے۔ نرملا کے پاس پانچ چھ ہزار کے گہنے تھے۔ جب انھیں پہن کر وہ نکلتی تھی تو اُتنی دیر کے لئے مسرت سے اُس کا دل شگفتہ رہتا تھا۔ ایک ایک زیور گویا مصائب دنیوی سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک ہتھیار تھا۔ ابھی رات ہی اُس نے سوچا تھا کہ جیا رام کی لونڈی بن کر وہ نہ رہے گی۔ ایشور نہ کرے کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ اس ڈانڈ سے وہ اپنی ناؤ کو بھی پار لگا دے گی اور اپنی بچی کو بھی کسی نہ کسی گھاٹ پہنچا دیگی۔ اُسے کس بات کی فکر ہے۔ گہنے تو اس سے کوئی نہ چھین سے گا۔ آج یہ میرے سنگار ہیں کل یہی میرے سہارے کا کام دیں گے۔ اس خیال سے اُس کے دل کی کتنی تسکین ہوتی تھی۔ وہی پونجی آج اُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب وہ بے کس تھی۔ دُنیا میں اس کے لئے کوئی وسیلہ کوئی سہارا نہ تھا! اُن کی امیدوں کی بیخکنی ہوگئی وہ زار و قطار رونے لگی۔ ایشور! تم سے اتنا بھی نہ دیکھا گیا؟ مجھ دُکھیا کو تم نے یونہی مجہول بنا دیا تھا، اب آنکھیں بھی پھوڑ دیں! اب وہ کس کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی؟ کس کے دروازے پر بھیک مانگے گی؟ اس کا جسم پسینہ سے شل ہوگیا، روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ وہ سر جھکائے رو رہی تھی اور رکمنی اُسے دلاسا دے رہی تھی۔ مگر اُس کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ رنج کی آگ فرو نہ ہوتی تھی۔

تین بجے جیا رام اسکول سے لوٹا۔ نرملا اُس کے آنے کی خبر پاکر دیوانہ وار

اُٹھی اور اُس کے کمرہ کے دروازہ پر جا کر بولی بھیا، دل لگی کی ہو تو دے دو دکھیا کو ستا کر کیا پاؤ گے؟

جیا رام ایک لمحہ کے لئے مضمحل ہو گیا۔ چوری میں اس کی یہ پہلی ہی کوشش تھی۔ وہ سنگ دلی جسے ستانے میں مزہ آتا ہے ابھی تک اُس میں نہ پیدا ہوئی تھی اگر اُس کے پاس صندوقچہ ہوتا اور اُسے پھر اتنا موقع ملتا کہ وہ اُس کو اُسی طاق پر رکھ دے۔ تو شاید وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ مگر اب صندوقچہ اُس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یار لوگوں نے اُسے سرافہ میں پہنچا دیا تھا اور گہنے کم دامِ قیمت پر فروخت بھی کر ڈالے تھے۔ چوری کی آڑ جھوٹ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ بولا —— بھلا اماں جی میں آپ سے ایسی دل لگی کروں گا۔ آپ ابھی تک مجھ پر شک کرتی جا رہی ہیں۔ میں کہہ چکا کہ میں رات کو گھر میں نہ تھا مگر آپ کو یقین نہیں آتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ مجھے اتنا کمینہ سمجھتی ہیں

نرملا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا— میں تمہارے اوپر شک نہیں کرتی۔ بھیا تمہیں چوری نہیں لگاتی۔ میں نے سمجھا کہ شاید دل لگی کی ہو۔

جیا رام پر وہ چوری کا شبہ کیسے کر سکتی تھی؟ دنیا یہی تو کہے گی کہ لڑکے کی ماں مر گئی ہے تو اس پر چوری کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ میرے منہ میں تو کالکھ لگ جائیگی

جیا رام نے تشفی دیتے ہوئے کہا— چلئے میں تو دیکھوں آخر کون گیا؟ چور آیا کس راستہ سے؟

ٹھنگی۔ بھیا تم بھی چوروں کے آنے کو کہتے ہو، چوہے کے بل سے تو نکل ہی آتے ہیں۔ یہاں تو چاروں طرف کھڑکیاں ہیں۔

جیا رام۔ خوب اچھی طرح تلاش کر لیا ہے؟
نرملا۔ سارا گھر تو چھان مارا، اب کہاں کھوجنے کہتے ہو؟
جیا رام۔ آپ لوگ سو بھی تو جاتی ہیں مردوں سے بازی لگا کر۔
چار بجے منشی جی گھر میں آئے تو نرملا کی حالت دیکھ کر دریافت کیا۔ کیسی طبیعت ہے؟ کہیں درد تو نہیں ہے؟ یہ کہہ کر انھوں نے آشا کو گود میں اٹھا لیا
نرملا کوئی جواب تو نہ دے سکی، پھر رونے لگی!
بھنگی نے کہا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ میری ساری عمر اسی گھر میں کٹ گئی آج تک ایک پیسہ کی چوری نہیں ہوئی۔ دنیا ہی کہے گی کہ بھنگی کا کام ہے اب تو بھگوان ہی آبرو رکھیں۔
منشی جی اچکن کے بٹن کھول رہے تھے۔ پھر بٹن بند کرتے ہوئے بولے
——— کیا ہوا؟ کیا کوئی چیز چوری گئی؟
بھنگی۔ بہو جی کے سارے گہنے اٹھ گئے
منشی جی۔ رکھے کہاں تھے؟
نرملا نے سسکیاں بھرتے ہوئے رات کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ مگر جیا رام کی صورت والے آدمی کے اپنے کمرہ سے نکلنے کی بات نہ کہی۔ منشی جی نے آہ سرد بھر کر کہا۔ ایشور بھی بڑا انیائی ہے، جو مرے ہیں انہیں کو مارتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ برے دن آگئے ہیں۔ مگر چور آیا تو آیا کدھر سے، کہیں نقب نہیں ہوئی، اور کسی طرف سے آنے کا راستہ نہیں۔ مینے تو کوئی ایسا گناہ بھی نہیں کیا جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔ بار بار کہتا رہا کہ یہ زیور کا صندوقچہ

طاق پر نہ رکھو مگر کون سنتا ہے؟

نرملا۔ میں کیا جانتی تھی کہ یہ غضب ٹوٹ پڑے گا۔

منشی جی۔ اتنا تو جانتی تھیں کہ سب دن برابر نہیں جاتے۔ آج بنوانے جاؤں تو دس ہزار سے کم نہ لیں گے۔ پھر آج کل جو حالت ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے خرچ بھر کو مشکل سے ملتا ہے۔ زیور کہاں سے بنیں گے؟ جاتا ہوں تھانہ میں اطلاع کئے آتا ہوں مگر ملنے کی امید نہ سمجھو۔

نرملا نے معترضانہ لہجہ میں کہا ــــ جب جانتے ہیں کہ تھانہ میں اطلاع کرنے سے کچھ نہ ہو تو کیوں جا رہے ہیں؟

منشی جی۔ دل نہیں مانتا اور کیا؟ اتنا بڑا نقصان اٹھا کر خاموش تو نہیں بیٹھا جاتا۔

نرملا۔ ملنے والے ہوتے، تو جاتے ہی کیوں؟ تقدیر کے نہ تھے تو کیسے رہتے؟

منشی جی۔ تقدیر کے ہوں گے تو مل جائیں گے ورنہ گئے تو ہیں ہی۔

منشی جی کمرے سے نکلے۔ نرملا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا ــــ میں کہتی ہوں، نہ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو، لینے کے دینے پڑ جائیں۔

منشی جی نے ہاتھ چھڑا کر کہا ــــ تم بھی کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہی ہو؟ دس ہزار کا نقصان ایسا نہیں ہے جس کو میں یونہی برداشت کر جاؤں۔ میں رو نہیں رہا ہوں مگر میرے دل پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ یہ چوٹ میرے کلیجہ پر لگی ہے۔ منشی جی اور کچھ نہ کہہ سکے۔ گلا بھر آیا۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرہ سے باہر نکلے اور تھانہ جا پہنچے۔ تھانہ دار ان کا بہت لحاظ کرتا تھا

اُسے ایک بار رشوت کے مقدمہ سے رہا کرا چکے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی تفتیش کرنے آ پہنچا۔ نام تھا اللہ یار خاں۔

شام ہو گئی تھی۔ تھانہ دار نے مکان کے آگے پیچھے گھوم گھوم کر دیکھا۔ اندر جا کر نرملا کے کمرہ کو غور سے دیکھا۔ اوپر کی منڈیر کی جانچ کی اور تب منشی جی سے بولا۔ جناب! خدا کی قسم! یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں۔ خدا کی قسم، اگر کوئی باہری آدمی نکلے تو میں آج سے تھانہ داری چھوڑ دوں۔ آپکے گھر میں کوئی ملازم تو ایسا نہیں ہے جس پر آپ کو شبہ ہو؟

منشی جی۔ گھر میں تو آج کل صرف ایک مہرنی ہے۔

تھانہ دار۔ اجی، وہ پاگل ہے، یہ کسی بڑے شاطر کا کام ہے، خدا کی قسم!

منشی جی۔ تو گھر میں اور کون ہے؟ میرے دو لڑکے ہیں، بیوی ہے اور بہن ہے۔ ان میں سے کس پر شبہ کر دوں؟

تھانہ دار۔ خدا کی قسم، گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ انشاء اللہ دو چار روز میں میں آپ کو اس کی خبر دوں گا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مال بھی سب مل جاویگا مگر خدا کی قسم، چور کو ضرور پکڑ لوں گا۔

تھانہ دار چلا گیا تو منشی جی نے آکر نرملا سے اس کی باتیں کہیں۔ نرملا سہم گئی بولی — آپ تھانہ دار سے کہدیجئے کہ تفتیش نہ کریں۔ میں آپ کے پیروں پڑتی ہوں۔

منشی جی۔ آخر کیوں؟

نرملا۔ اب کیوں بتاؤں؟ وہ کہہ رہا ہے کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے۔

منشی جی ۔ اُسے بکنے دو

جیا رام اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا ایشور کو یاد کر رہا تھا ۔ اُس کے مُنہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ۔ وہ سُن چکا تھا کہ پولیس والے چہرہ سے بھانپ جاتے ہیں ۔ باہر نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی ۔ دونوں آدمیوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں ۔ یہ جاننے کے لئے وہ بیقرار ہو رہا تھا ۔ جیونہی تھانہ دار چلا گیا اور بھُنگی کسی کام سے باہر نکلی تو جیا رام نے پوچھا ۔ تھانہ دار کیا کہہ رہا تھا بھُنگی ؟

بھُنگی نے پاس جا کر کہا ۔ ڈاڑھی جار کہتا تھا کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے باہر کا کوئی نہیں ہے ۔

جیا رام ۔ دادا جی نے کچھ نہیں کہا ؟

بھُنگی ۔ کچھ تو نہیں کہا ، کھڑے ہُوں ہُوں کرتے رہے ۔ گھر میں ایک بھُنگی ہی بیگانی ہے نہ ، اور تو سب اپنے ہی ہیں ۔

جیا رام ۔ میں بھی تو بیگانہ ہوں ، تو ہی کیوں ؟

بھُنگی ۔ تم بیگانے کاہے کو ہو ، بھیا ؟

جیا رام ۔ بابو جی نے تھانہ دار سے کہا نہیں کہ گھر میں کسی پر اُن کا شبہ نہیں ہے ؟

بھُنگی ۔ کچھ کہتے تو نہیں سُنا ۔ بیچارے تھانہ دار نے پہلے ہی کہا کہ بھُنگی تو پاگل ہے ، یہ کیا چوری کرے گی ۔ بابو جی تو مجھے پھنسائے ہی دیتے تھے ۔

جیا رام ۔ تب تو تو بھی نکل گئی ۔ اکیلا میں ہی رہ گیا ۔ تو ہی بتا کہ تو نے مجھے اُس دن گھر میں دیکھا تھا ؟

بھُنگی ۔ نہیں بھیا تم تو تھیٹر دیکھنے گئے تھے ۔

جیا رام ۔ گواہی دیگی نہ ؟
بھنگی ۔ یہ کیا کہتے ہو بھیا ؟ بہو جی تحقیقات بند کرا دیں گی ۔
جیا رام ۔ سچ ؟
بھنگی ۔ ہاں بھیا، بار بار کہتی ہیں کہ تحقیقات نہ کراؤ ۔ گہنے گئے تو جانے دو ۔ مگر بابو جی مانتے ہی نہیں ۔

پانچ چھ روز تک جیا رام نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ۔ کبھی دو چار لقمے کھا لیتا اور کبھی کہدیتا کہ بھوک نہیں ہے ۔ اُس کے چہرہ کا رنگ فق رہتا ۔ راتیں جاگتے گزرتیں ۔ ہر لمحہ تھانیدار کا خوف لگا رہتا تھا ۔ اگر وہ جانتا کہ معاملہ اتنا طول پکڑے گا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا ۔ اُس نے تو سمجھا تھا کہ کسی چور پر شُبہ ہوگا میری طرف کسی کا دھیان بھی نہ جاویگا ۔ مگر اب بھنڈا پھوڑ ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا کمبخت تھانہ دار جس ڈھنگ سے چھان بین کر رہا تھا اُس سے جیا رام کو سخت اندیشہ ہو رہا تھا ۔

ساتویں روز شام کے وقت جیا رام گھر لوٹا تو بہت متفکر تھا ۔ آجتک اُسے بچنے کی کچھ نہ کچھ اُمید تھی ۔ مال ابھی تک کہیں برآمد نہ ہوا تھا ۔ مگر آج اُسے مال کے برآمد ہونے کی خبر مل گئی تھی ۔ اِسی دم تھانہ دار کانسٹبلوں کو لئے ہوئے آتا ہوگا ۔ بچنے کی کوئی سبیل نہیں ۔ یہ ممکن ہے کہ تھانہ دار رشوت دینے سے معاملہ کو دبا دے ۔ روپئے بھی ہاتھ میں تھے ۔ مگر کیا بات چھپے رہے گی ؟ ابھی مال برآمد نہیں ہوا ، پھر بھی کل شہر میں افواہ تھی کہ بیٹے ہی نے مال اڑایا ہے ۔ مال مل جانے پر تو گلی گلی بات پھیل جاوے گی پھر وہ کسی کو مُنہ نہ دکھا سکے گا ۔

منشی جی کچہری سے لوٹے تو بہت گھبرائے ہوئے تھے ۔ سر پکڑ کر پلنگ پر

بیٹھ گئے۔

نرملا نے کہا۔ کپڑے کیوں نہیں اُتارتے ؟ آج تو اور دنوں سے دیر ہوگئی ہے!

منشی جی۔ کیا کپڑے اتار دوں ؟ تم نے کچھ سُنا ؟

نرملا۔ کیا بات ہے ؟ مَیں نے تو کچھ نہیں سُنا!

منشی جی۔ مال برآمد ہوگیا، اب جیا کا بچنا مشکل ہے۔

نرملا کو تعجب نہیں ہوا۔ اُس کے چہرہ سے ایسا معلوم ہوا گویا اُس کو یہ بات معلوم تھی۔ بولی ـــــ میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تھانہ میں اطلاع نہ کیجئے۔

منشی جی۔ تمہیں جیا پر شبہ تھا ؟

نرملا۔ شُبہ کیوں نہیں تھا ؟ مَیں نے اُسے کمرہ سے نکلتے دیکھا تھا۔

منشی جی۔ پھر تم نے مجھ سے کیوں نہ کہدیا ؟

نرملا۔ یہ بات میرے کہنے کی نہ تھی۔ آپ کے دل میں ضرور خیال گزرتا کہ یہ حسد سے الزام لگا رہی ہے۔ کہئے، یہ خیال گزرتا یا نہیں ؟ جھوٹ نہ بولئے گا۔

منشی جی۔ ممکن ہے، میں انکار نہیں کرسکتا۔ اُس حالت میں بھی تمہیں مجھ سے کہدینا چاہیئے تھا۔ رپورٹ کی نوبت نہ آتی۔ تم نے اپنی نیک نامی کی تو فکر کی، یہ نہ سوچا کہ نتیجہ کیا ہوگا ؟ میں ابھی تھانہ سے چلا آتا ہوں۔ الہ یار خاں آتا ہی ہوگا

نرملا نے مایوسی سے پُوچھا ـــــ پھر اب ؟

منشی جی نے آسمان کی طرف تاکتے ہوئے کہا ـــــ پھر جیسی ایشور کی مرضی ہزار دو ہزار روپے رشوت دینے کے لئے ہوتے تو شاید معاملہ دب جاتا۔ مگر

میری حالت تو تم جانتی ہو۔ تقدیر کھوٹی ہے، اور کچھ نہیں۔ باپ تو مینے کئے ہیں، سزا کون بھوگے گا؟ ایک لڑکا تھا، اس کی وہ حالت ہوئی، دوسرے کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ نالائق تھا، گستاخ تھا۔ نکما تھا مگر تھا تو اپنا ہی لڑکا! کبھی نہ کبھی چیتتا ہی یہ صدمہ اب نہ اٹھایا جا سکے گا۔

نرملا۔ اگر کچھ دے دلا کر جان بچ سکے تو میں روپئے کا بندوبست کر دوں۔

منشی جی۔ کر سکتی ہو؟ کتنے روپئے دے سکتی ہو؟

نرملا۔ کتنا درکار ہوگا؟

منشی جی۔ ایک ہزار سے کم میں تو شاید بات چیت نہ ہو سکے۔ میں نے ایک مقدمہ میں اُس سے ایک ہزار لئے تھے۔ وہ اس کی کسر آج نکالے گا۔

نرملا۔ ہو جا دے گا۔ آپ ابھی تھانہ جائیے۔

منشی جی کو تھانہ میں بہت دیر لگی۔ تنہائی میں گفتگو کرنے کا بہت دیر بعد موقع ملا الہ یار خاں پرانا خرانٹ تھا، بڑی مشکل سے ہتھے چڑھا۔ پانچسو روپئے لے کر بھی احسان کا بوجھ سر پر لاد ہی دیا۔ کام ہو گیا۔ منشی جی واپس آ کر نرملا سے بولے۔ لو بھئی بازی مار لی۔ روپئے تم نے دیئے مگر کام میری زبان ہی نے کیا۔ بڑی بڑی مشکل سے راضی ہو گیا۔ یہ بھی یاد رہے گی۔ جیا رام کھانا کھا چکا ہے؟

نرملا۔ کہاں، وہ تو ابھی گھوم کر لوٹا ہی نہیں۔

منشی جی۔ بارہ تو بج رہے ہوں گے!

نرملا۔ کئی مرتبہ جا جا کر دیکھ آئی، کمرہ میں اندھیرا پڑا ہوا ہے۔

منشی جی۔ اور سیا رام؟

زملا۔ وہ تو کھا پی کر سویا ہے۔
منشی جی۔ اُس سے پوچھا نہیں کہ جیا کہاں گیا ہے؟
زملا۔ وہ تو کہتا ہے کہ مجھ سے کچھ کہہ کر نہیں گیا۔
منشی جی کو کچھ اندیشہ ہوا۔ سیا رام کو جگا کر پوچھا۔ تم سے جیا رام نے کچھ کہا نہیں؟ کب تک لوٹے گا؟ گیا کہاں ہے؟
سیا رام نے سر کھجلاتے اور آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ مجھ سے کچھ نہیں کہا۔
منشی جی۔ کپڑے سب پہن کر گیا ہے؟
سیا رام۔ جی نہیں، صرف کُرتہ اور دھوتی۔
منشی جی۔ جاتے وقت خوش تھا؟
سیا رام۔ خوش تو نہیں معلوم ہوتے تھے۔ کئی بار اندر آنے کا ارادہ کیا مگر دروازہ سے لوٹ گئے۔ کئی منٹ تک سائبان کے نیچے کھڑے رہے۔ چلنے لگے تو آنکھیں پونچھ رہے تھے۔ اِدھر کئی دنوں سے اکثر رویا کرتے ہیں۔
منشی جی نے ایسی ٹھنڈی سانس لی گویا زندگی میں اب کچھ نہیں رہا۔ زملا سے بولے —— تم نے کیا تو اپنی سمجھ میں بھلے ہی کے لئے مگر کوئی دشمن بھی مجھ پر اس سے زیادہ سخت چوٹ نہ کر سکتا تھا۔ جیا رام سچ کہتا تھا کہ بیاہ کرنا ہی میری زندگی کی سب سے بڑی خطا تھی۔
اور کسی وقت ایسے سخت الفاظ سُن کر زملا تلملا جاتی مگر اس وقت وہ خود اپنی غلطی پر پچھتا رہی تھی۔ اگر جیا رام کی ماں ہوتی تو کیا وہ اس میں تامل کرتی؟ ہرگز نہیں۔ بولی —— ذرا ڈاکٹر صاحب کے یہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟

شاید وہاں بیٹھا ہو۔ کئی لڑکے روز آتے ہیں۔ انھیں سے پوچھئے، شاید کچھ پتہ لگ جاوے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر بھی کلنگ لگ ہی گیا۔

منشی جی نے بید لی سے کہا۔ ہاں جاتا ہوں، اور کیا کروں گا؟

منشی جی باہر آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر سنہا کھڑے ہیں۔ چونک کر پوچھا۔ کیا آپ دیر سے کھڑے ہیں

ڈاکٹر۔ جی نہیں، ابھی آیا ہوں۔ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ ساڑھے بارہ بج گئے ہیں۔

منشی جی۔ آپ ہی طرف جا رہا تھا۔ جیا رام ابھی تک گھوم کر نہیں آیا۔ آپ کی طرف تو نہیں گیا تھا؟

ڈاکٹر سنہا نے منشی جی کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اتنا کہہ پائے تھے "بھائی صاحب، اب صبر سے کام ....." کہ منشی جی گول کھائے ہوئے آدمی کی طرح زمین پر گر پڑے۔

(۲۱)

رُکمنی نے نرملا سے تیوریاں بدل کر کہا ——— کیا لڑکا ننگے پیری مدرسہ جائے گا؟

نرملا نے بچی کے بال گوندھتے ہوئے کہا۔ میں کیا کروں؟ میرے پاس روپئے نہیں ہیں۔

رُکمنی۔ گہنے بنوانے کے لئے روپئے ہیں، لڑکے کے جوتے کے لئے روپیوں میں آگ لگ جاتی ہے، دو تو چلے گئے، کیا تیسرے کو بھی رُلا رُلا کر مار

ڈالنے کا ارادہ ہے؟

نرملا نے آہ سرد بھر کر کہا۔ جس کو جینا ہے، جئے گا۔ جس کو مرنا ہے، غصہ سے گھبرا اُٹھا۔
لوٹتا تھا۔ تب وہ
میں کسی کو مارنے جلانے نہیں جاتی!

آجکل ایک نہ ایک بات پر نرملا اور رکمنی میں روز ہی کھٹ پٹ ہو جاتی ہے گئے وہاں ہی

جب سے گہنے چوری گئے ہیں نرملا کا مزاج بالکل تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایک کوڑی کو دانت سے پکڑنے لگی ہے۔ سیارام روتے روتے چاہے جان دیدے مگر اُسے مٹھائی کے لیئے پیسے نہیں ملتے۔ اور یہ برتاؤ کچھ سیارام ہی کے ساتھ نہیں ہے، نرملا خود اپنی ضرورتوں کو ٹالتی رہتی ہے۔ دھوتی جب تک پھٹ کر تار تار نہ ہو جائے، نئی دھوتی نہیں آتی۔ مہینوں سر کا تیل نہیں منگایا جاتا۔ پان کھانے کا اُسے شوق تھا، اب کئی کئی روز تک پاندان خالی پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بچی کے لیئے دودھ بھی نہیں آتا۔ ننھی بچی کا مستقبل خوفناک صورت اختیار کر کے اُس کے خیالات کی فضا پر منڈرایا کرتا ہے۔

منشی جی نے اپنے کو بالکل نرملا کے ہاتھوں میں سونپ رکھا ہے۔ اُس کے کسی کام میں دخل نہیں دیتے، نہ جانے اُن سے کیوں کچھ دبے رہتے ہیں۔ وہ اب بلا ناغہ کچہری جاتے ہیں۔ اس قدر محنت اُنہوں نے جوانی میں بھی نہ کی تھی۔ آنکھیں خراب ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر سنہا نے رات میں پڑھنے لکھنے کی ممانعت کر دی ہے۔ ہاضمہ پہلے ہی کمزور تھا، اب اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ تنفس کی شکایت بھی پیدا ہو چلی ہے۔ مگر بیچارے صبح سے نصف شب تک کام کرتے رہتے ہیں کام کرنے کو جی چاہے یا نہ چاہے، طبیعت اچھی ہو نہ ہو۔ کام کرنا ہی پڑتا ہے۔

نرملا کو اُن پر ذرا بھی رحم نہیں آتا ہے۔ وہی مستقبل کی خوفناک فکر اُس کی نیک مزاجی کو غارت کر رہی ہے۔ کسی فقیر کی آواز پر وہ چھلا اُٹھتی ہے۔ وہ ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کرنا چاہتی ؛

ایک روز نرملا نے سیا رام کو گھی لانے کے لیئے بازار بھیجا۔ بھنگی کا اُسے اعتبار نہ تھا، اُس سے اب کوئی سودا نہ منگاتی تھی۔ سیا رام میں کاٹ کپٹ کی عادت نہ تھی، آنے کو پون کرنا نہ جانتا تھا۔ عموماً بازار کا سارا کام اُسی کو کرنا پڑتا۔ نرملا ایک ایک چیز کو تولتی، ذرا بھی کم ہوتی تو اُسے لوٹا دیتی۔ سیا رام کا بہت سا وقت اسی لوٹا پھیری میں گزر جاتا تھا۔ بازار والے اُسے جلدی کوئی سودا نہ دیتے۔ آج بھی وہی نوبت آئی۔ سیا رام اپنے خیال سے تو بہت اچھا گھی کئی دکان دیکھ کر لایا تھا مگر نرملا نے اُسے سونگھتے ہی کہا۔ گھی خراب ہے۔ لوٹا آؤ ؛

سیا رام نے جھنجھلا کر کہا۔ اِس سے اچھا گھی بازار میں نہیں ہے۔ میں تمام دکانیں دیکھ کر لایا ہوں ؛

نرملا۔ تو میں جھوٹ کہتی ہوں ؟

سیا رام۔ یہ میں نہیں کہتا مگر بنیا اب گھی واپس نہ لیگا۔ اُس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ جس طرح دیکھنا چاہو یہیں دیکھ لو، مال تمہارے سامنے ہے۔ بوہنی کے وقت میں سودا واپس نہ لونگا۔ میں نے سونگھ کر چکھ کر دیکھ لیا تھا۔ اب کس منہ سے واپس کرنے جاؤں ؟

نرملا نے دانت پیس کر کہا۔ گھی میں صاف چربی ملی ہوئی ہے اور تم کہتے ہو کہ گھی اچھا ہے۔ میں اسے رسوئی میں نہ لے جاؤں گی۔ تمہارا جی چاہے

لوٹا دو، جی چاہے کھا جاؤ۔

گھی کی ہانڈی وہیں چھوڑ کر نرملا اندر چلی گئی۔ سیا رام غم و غصّہ سے گھبرا اُٹھا۔ وہ کونسا منہ لے کر لوٹانے جاوے۔ بنیا صاف کہدیگا کہ میں نہیں لوٹاتا۔ تب وہ کیا کریگا؟ قریب قریب کے دس پانچ بنیئے اور سڑک پر چلنے والے لوگ وہاں جمع ہو جائیں گے۔ اُن سبھوں کے سامنے اُسے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ بازار میں یونہی کوئی بنیا اُسے جلد سودا نہیں دیتا۔ وہ کسی دکان پر کھڑا نہیں ہونے پاتا۔ چاروں طرف اُسی پر پھٹکار پڑے گی۔ اُس نے دل ہی دل میں جھنجھلا کر کہا۔ پڑا رہے گھی، میں لوٹانے نہ جاؤنگا۔

بلا ماں کے بچّہ کا سا غریب، بیکس اور مغموم جاندار دُنیا میں نہیں ہوتا۔ اور دُکھ بھول جاتے ہیں، بچّہ کو ماں کی یاد کبھی نہیں بھولتی۔ سیا رام کو اسوقت ماں کی یاد آئی۔ اماں ہوتیں تو کیا آج مجھے یہ سب سہنا پڑتا؟ بھیّا بھی چلے گئے، جیا رام بھی چلے گئے، میں ہی اکیلا یہ ساری مصیبت اُٹھانے کے لیئے کیوں بچ رہا؟ سیا رام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اُس کے بھرے ہوئے گلے سے ایک گہری سانس کے ساتھ ملے ہوئے یہ لفظ نکل پڑے ——— اماں! تم مجھے کیوں بھول گئیں؟ کیوں مجھے نہیں بلا لیتیں؟

دفعتاً نرملا پھر کمرہ کی طرف آئی۔ اُس نے سمجھا تھا کہ سیا رام چلا گیا ہوگا اُسے بیٹھا دیکھا تو غصّہ سے بولی ——— تم ابھی تک بیٹھے ہی ہو، آخر کھانا کب بنے گا؟

سیا رام نے آنکھیں پونچھ ڈالیں، بولا ——— مجھے اسکول جانے کو دیر ہو جائیگی

نرملا۔ ایک روز دیر ہی ہو جائیگی تو کون ہرج ہے؟ یہ بھی تو گھر ہی کا کام ہے؛

سیا رام۔ روز تو یہی دھندا لگا رہتا ہے۔ مَیں کبھی وقت پر نہیں پہنچتا۔ گھر پر بھی پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔ کوئی سودا ملا دو چار بار لوٹائے نہیں لیا جاتا۔ ڈانٹ تو مجھ پر پڑتی ہے، شرمندہ تو مجھے ہونا پڑتا ہے! آپ کو کیا؟

نرملا۔ ہاں مجھے کیا۔ مَیں تو تمہاری دشمن ٹھہری نہ؟ اپنا ہوتا تب تو اُسے تعلق ہوتا میں تو ایشور سے منایا ہی کرتی ہوں کہ تم پڑھ لکھ نہ سکو۔ مجھ میں تو ساری بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ سوتیلی ماں کا نام ہی بُرا ہوتا ہے۔ اپنی ماں زہر بھی دے تو امرت ہے، میں امرت بھی دوں تو زہر ہو جائے۔ تم لوگوں کے کارن مٹی میں مل گئی، روتے روتے عمر کٹی جاتی ہے۔ معلوم ہی نہ ہوا کہ ایشور نے کس لیے جنم دیا تھا۔ اور تمہاری سمجھ میں مزہ کر رہی ہوں۔ تمہیں ستانے میں مجھے مزہ آتا ہے۔ ایشور بھی نہیں پوچھتا کہ سب دکھ درد کا خاتمہ ہو جاتا۔

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اندر چلی گئی۔ سیا رام اُسے روتا دیکھ کر سہم گیا۔ اُسے رنج تو نہیں ہوا البتہ یہ خوف ہوا کہ نہ جانے کونسی سزا ملے۔ چپکے سے ہانڈی اٹھالی اور گھی لوٹانے چلا، اس طرح جیسے کوئی کتا ننے گاؤں میں جاتا ہے۔ اُسی کتے کی طرح اُس کا دلی رنج اُس کے ایک ایک عضو سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر معمولی عقل والا انسان بھی قیاس کر سکتا تھا کہ یہ اناتھ ہے۔

سیا رام جیوں جیوں آگے بڑھتا تھا، آنے والے جھگڑے کے خوف سے اُس کے دل کی حرکت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اُس نے طے کر لیا کہ اگر بنئے نے گھی نہ لوٹایا تو وہ گھی کو وہیں چھوڑ کر چلا آئیگا۔ جھک مار کر بنیا آپ ہی بلا دیگا۔ بنئے کو

ڈانٹنے کے لیئے بھی اُس نے الفاظ سوچ لیئے۔ وُہ کہیگا کیوں ساہ جی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو؟ دکھاتے ہو بڑھیا مال اور دیتے ہو ردّی؟ مگر یہ سب سوچ لینے پر بھی اُس کے قدم بہت آہستہ آہستہ آگے پڑتے تھے۔ وُہ یہ نہ چاہتا تھا کہ بنیا اُسے آتا ہُوا دیکھے، وُہ یکبارگی ہی اُس کے سامنے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اِس لیئے وُہ چکّر کاٹ کر دوسری گلی سے بنئے کی دُکان پر گیا؛

بنئے نے اُسے دیکھتے ہی کہا —— ہم نے کہدیا تھا کہ ہم سَودا واپس نہ لیں گے بولو کہا تھا کہ نہیں؟

سیارام نے بگڑ کر کہا —— تم نے وُہ گھی کہاں دیا جو دکھایا تھا؟ دکھایا ایک مال اور دیا دُوسرا مال! لوٹا دوگے کیسے نہیں؟ کیا کچھ راہزنی ہے؟

ساہ۔ اِس سے چوکھا گھی بازار میں نکل آوے تو جرمانہ دُوں۔ اُٹھا لو ہانڈی اور دو چار دُکان دیکھ آؤ؛

سیارام۔ ہمیں اتنی فرصت نہیں ہے، اپنا گھی لوٹا لو؛

ساہ۔ گھی نہ لَوٹے گا؛

بنئے کی دُکان پر ایک جٹا دھاری سادھو بیٹھا ہُوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اُٹھ کر سیارام کے پاس گیا اور ہانڈی کا گھی سُونگھ کر بولا۔ بچّہ! گھی تو بہت بڑھیا معلوم ہوتا ہے؛

ساہ نے شہ پاکر کہا —— بابا جی ہم لوگ تو آپ ہی اِن کو گھٹیا سَودا نہیں دیتے۔ بُرا مال کیا جانے بُوجھے گاہکوں کو دیا جاتا ہے؟

سادھو۔ گھی لیجاؤ بچّہ! بہت اچھا ہے؛

سیارام روپڑا۔ گھی کو بُرا ثابت کرنے کے لیئے اُس کے پاس اَب کیا ثبوت تھا۔ بولا ——— وُہی تو کہتی ہیں کہ گھی اچھّا نہیں ہے، لَوٹا آؤ۔ مَیں تو کہتا تھا کہ گھی اچھّا ہے۔

سادھو۔ کون کہتا ہے؟

ساہ۔ اِن کی امّاں کہتی ہونگی۔ کوئی سَودا اُن کے من ہی نہیں بھاتا۔ بیچارے لڑکے کو بار بار دَوڑایا کرتی ہیں ——— سوتیلی ماں ہیں نہ! اپنی ماں ہو تو کچھ خیال بھی کرے۔

سادھو نے سیارام کو ترحمانہ نگاہوں سے دیکھا، گویا اُسے نجات دینے کے لیئے اُس کا دِل بے چین ہو رہا ہے۔ تب ہمدردانہ لہجہ میں بولا ——— تمہاری ماں کا سورگباس ہوئے کتنے دِن ہوئے، بچّہ؟

سیارام۔ چھٹا سال ہے۔

سادھو۔ تب تو تم اُس وقت بہت ہی چھوٹے رہے ہوگے۔ بھگوان! تمہاری لیلا کتنی انوکھی ہے! اِس دُودھ مُنہے بچّہ سے تم نے ماں کا پیار چھین لیا۔ بڑا انیائے کرتے ہو بھگوان! ہائے چھ سال کا بچّہ اَور راکشسی سوتیلی ماں کے پالے پڑا۔ دھنیہ ہے تمہاری دَیا! ساہ جی! لڑکے پر دَیا کرو۔ گھی لَوٹا لو، نہیں تو اِس کی ماں اِسے گھر میں نہ آنے دیگی۔ بھگوان کی دیا سے تمہارا گھی جلدی بِک جائے گا۔ میرا آشیرواد تمہارے ساتھ رہیگا۔

ساہ جی نے روپیئے نہ واپس کیئے۔ آخر لڑکے کو پھر گھی لینے آنا ہی پڑے گا۔ نہ جانے دِن میں کتنی بار چکر لگانا پڑے اَور کِس فریبی سے پالا پڑے۔ اُس کی دُکان میں جو گھی سب سے بڑھیا تھا وُہ اُس نے سیارام کو دے دیا۔ سیارام دِل میں

سوچ رہا تھا کہ باباجی کتنے رحیم ہیں، اُنہوں نے نہ سفارش کی ہوتی تو ساہ جی کیوں اچھا گھی دیتے ——

سیا رام گھی لے کر چلا تو باباجی بھی اُس کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے —— بچہ! میری ماں بھی مجھے تین سال کا چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی تھی۔ تبھی سے بِلا ماں والے بچّوں کو دیکھتا ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔

سیا رام نے پُوچھا —— آپ کے باپ نے بھی دُوسرا بیاہ کر لیا تھا؟

سادھو۔ ہاں بچہ! نہیں تو آج سادھو کیوں ہوتا؟ پہلے میرے باپ بیاہ نہ کرتے تھے۔ مجھے بہت چاہتے تھے۔ پھر نہ جانے کیوں مَن بدل گیا، بیاہ کر لیا سادھو ہوں۔ کڑی بات مُنہ سے نہیں نکالنا چاہیے، مگر میری دُوسری ماں جتنی ہی سُندر تھی اُتنی ہی کڑے دل کی تھی۔ مجھے دِن دِن بھر کھانے کو نہ دیتی، روتا تو مارتی۔ باپ کی آنکھیں بھی پھر گئیں۔ اُنہیں میری صُورت سے گھن ہونے لگی۔ میرا رونا سُن کر مجھے پیٹنے لگتے۔ آخر مَیں ایک دن گھر سے بھاگ کھڑا ہُوا۔

سیا رام کے دِل میں بھی گھر سے نِکل بھاگنے کا اِرادہ کئی بار ہُوا تھا۔ اسوقت بھی اُس کے دِل میں یہی خیال پیدا ہو رہا تھا۔ بڑے جوش سے بولا —— گھر سے نِکل کر آپ کہاں گئے؟

باباجی نے ہنس کر کہا۔ اُسی دِن میرے سارے دُکھ درد دُور ہو گئے۔ جس دن گھر کے مایا موہ سے چھُوٹا اور دُشمن سے دُور ہُوا اُسی دِن میرا اُدھار سا ہو گیا۔ دِن بھر تو مَیں ایک پُل کے نیچے بیٹھا رہا۔ سانجھ ہوتے ہوتے مجھے ایک مہاتما مِل گئے۔ اُن کا نام سوامی پرمانند تھا۔ وہ

وُہ بال برہمچاری تھے اُنہوں نے مجھ پر دَیا کی اور مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اُن کے ساتھ مَیں تمام دیسوں میں گھومنے لگا۔ وُہ بڑے بھاری جوگی تھے، مجھے بھی اُنہوں نے جوگ وِدّیا سِکھلائی اب تو میرے کو اِتنا ابھیاس ہوگیا ہے کہ جب مَن میں آتا ہے۔ ماتاجی کے درشن کر کے اُن سے باتیں کر لیا کرتا ہوں ؛

سیارام نے حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا ——— آپ کی ماتاجی کا تو سوَرگباس ہوچکا تھا ؟

سادھو۔ تو کیا ہوا بچہ، جوگ میں اتنی شکتی (طاقت) ہے کہ جس مَرے ہوئے آتما کو چاہے بُلا لے ؛

سیارام۔ مَیں وُہ وِدّیا سیکھ لُوں تو مجھے بھی ماتاجی کے درشن ہونگے ؟

سادھو۔ ضرور، ابھیاس (مشق) سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ ؟ ہاں اچھا گرُو چاہیئے۔ جوگ سے بڑی بڑی سِدھیاں مِل سکتی ہیں۔ جتنا دھن چاہو لمحہ میں منگا سکتے ہو۔ کیسی ہی بیماری ہو اُس کی دوا بتا سکتے ہو ؛

سیارام۔ آپ کا اَستھان کہاں ہے ؟

سادھو۔ بچہ ! میرے کو استھان کہیں نہیں ہے۔ دیس دیس میں رَمتا پھرتا ہوں۔ اچھا بچہ ! اَب تُم جاؤ، اَب مَیں بھی اشنان دھیان کرنے جاؤں گا ؛

سیارام۔ چلئے، مَیں بھی اُسی طرف چلتا ہوں۔ آپکے درشن سے جی نہیں بھرا ؛

سادھو۔ نہیں بچہ، تمہیں پاٹھشالہ جانے کو دیر ہو رہی ہے ؛

سیارام۔ پھر آپکے درشن کب ہونگے ؟

سادھو۔ کبھی آجاؤنگا بچہ، تمہارا گھر کہاں ہے ؟

سیارام خوش ہوکر بولا ـــــ چلیئے گا میرے گھر؟ بہت نزدیک ہے، آپکی بڑی کرپا ہوگی ؛

سیارام قدم بڑھاکر آگے آگے چلنے لگا۔ اتنا خوش تھا گویا سونے کی گٹھری لیئے جاتا ہو۔ گھر کے سامنے پہنچ کر بولا ـــــ آیئے، بیٹھیئے کچھ دیر ؛

سادھو۔ نہیں بچہ، بیٹھونگا نہیں۔ پھر کل پرسوں کسی وقت آجاؤنگا۔ یہی تمہارا گھر ہے ؟

سیارام۔ کل کس وقت آیئے گا ؟

سادھو۔ ٹھیک نہیں کہہ سکتا، کسی وقت آؤنگا ؛

سادھو آگے بڑھا تو تھوڑی ہی دور پر انہیں دوسرا سادھو ملا۔ اس کا نام تھا ہری پرمانند ؛

پرمانند نے پوچھا ـــــ کہاں کہاں سیر کی ؟ کوئی شکار پھنسا ؟

ہری ہرانند۔ ادھر تو چاروں طرف گھوم آیا، کوئی شکار نہ ملا۔ ایک آدھ ملا بھی تو میری ہنسی اڑانے لگا ؛

پرمانند۔ مجھے تو ایک ملتا ہوا جان پڑتا ہے۔ پھنس جائے تو جانوں ؛

ہری ہرانند۔ تم یونہی کہا کرتے ہو۔ جو آتا ہے دوا ایتو نکے پیچھے نکل بھاگتا ہے

پرمانند۔ ابکی نہ بھاگے گا، دیکھ لینا ـــــ اس کی ماں مرگئی ہے، باپ نے دوسرا بیاہ کر لیا ہے۔ ماں ستایا کرتی ہے، گھر سے روٹھ گیا ہے ؛

ہری ہرانند۔ ہاں یہ بات ہے تو ضرور پھنسیے گا۔ لاسا لگا دیا ہے نہ ؟

پرمانند۔ بہت اچھی طرح۔ یہی ترکیب سب سے اچھی ہے۔ پہلے یہ پتہ لگا لینا چاہیئے کہ کن کن گھروں میں سوتیلی مائیں ہیں، بس انہیں گھروں میں پھندا ڈالنا چاہیئے ؛

(۲۲)

نرملا نے بگڑ کر پوچھا ــــ اتنی دیر کہاں لگائی ؟

سیا رام نے گستاخانہ لہجہ میں کہا۔ راستہ میں ایک جگہ سو گیا تھا !

نرملا۔ یہ تو میں نہیں کہتی مگر جانتے ہو، کتنے بج گئے ہیں ؟ دس کبھی کے بج گئے۔ بازار کچھ دُور بھی تو نہیں ہے ؛

سیارام۔ کچھ دُور نہیں، دروازہ ہی پر تو ہے ؛

نرملا۔ سیدھے مُنہ کیوں نہیں بات کرتے ؟ ایسا بگڑ رہے ہو گویا میرا ہی کچھ کام کرنے گئے ہو ؛

سیا رام۔ تو آپ فضول بکواس کیوں کرتی ہیں ؟ لیا ہُوا سودا لوٹانا کیا آسان کام ہے ؟ بنئے سے گھنٹوں حجت کرنی پڑی۔ وہ تو کہو کہ ایک بابا جی نے کہہ سُن کر واپس کرا دیا ورنہ وہ کبھی واپس نہ لیتا۔ راستہ میں ایک منٹ بھی کہیں نہیں رُکا، سیدھا چلا آتا ہُوں ؛

نرملا۔ گھی کے لیئے گئے تو تم گیارہ بجے لوٹے ہو، لکڑی کے لیئے جاؤ گے تو شام ہی کر دو گے۔ تمہارے بابوجی بغیر کھائے ہی چلے گئے۔ تمہیں اتنی دیر لگانی تھی تو پہلے ہی کیوں نہ کہدیا تھا ؟ جاتے ہو لکڑی کے لیئے ؟

سیارام اب ضبط نہ کر سکا، جھلّا کر بولا ــــ لکڑی کسی اور سے منگایئے۔

مجھے اسکول جانے کی دیر ہو رہی ہے ؛

نرملا۔ کھانا نہ کھاؤ گے ؟

سیارام۔ نہ کھاؤنگا ؛

نرملا۔ میں کھانا بنانے کو تیار ہوں مگر لکڑی لانے تو نہیں جا سکتی ؛

سیارام۔ بھنگی کو کیوں نہیں بھیجتیں ؟

نرملا۔ بھنگی کا لایا سودا کیا تم نے کبھی دیکھا نہیں ہے ؟

سیارام۔ اب میں تو اس وقت نہ جاؤنگا ؛

نرملا۔ پھر مجھے دکھ نہ دینا ؛

سیارام کئی دنوں سے اسکول نہیں گیا تھا۔ بازار ہاٹ کے سبب اُسے کتابیں پڑھنے کا وقت ہی نہ ملا تھا۔ اسکول جا کر چھڑیاں کھانے، بنچ پر کھڑے ہونے یا اونچی ٹوپی دینے کے سوا اور کیا ملتا ؟ وہ گھر سے کتابیں لے کر جاتا مگر شہر کے باہر جا کر کسی درخت کے سایہ میں بیٹھا رہتا یا پلٹنوں کی قواعد دیکھتا۔ آج بھی وہ گھر سے چلا مگر بیٹھنے میں اُس کا جی نہ لگا۔ اُس پر آنتیں الگ جل رہی تھیں۔ ہائے اب اُسے روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے۔ دس بجے کیا کھانا نہ بن سکتا تھا ؟ مانا کہ بابوجی چلے گئے تھے تو کیا میرے لیئے گھر میں دو چار پیسے بھی نہ تھے ؟ اماں ہوتیں تو اس طرح بلا کچھ کھائے پیئے آنے دیتیں ؟ میرا اب کوئی نہیں رہا!

سیارام کا دل بابا جی کے درشن کے لیئے بیقرار ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اس وقت وہ کہاں ملیں گے ؟ کہاں چل کر دیکھوں ؟ اُن کی دلکش گفتگو ۔ اُن کی

حوصلہ افزا تشفی اُس کے دِل کو کھینچنے لگیں۔ اُس نے گھبرا کر کہا ـــــ میں اُن کے ساتھ ہی کیوں نہ چلا گیا؟ گھر پر میرے لیئے کیا رکھا ہے؟

وُہ آج یہاں سے چلا تو گھر نہ جا کر سیدھا ساہ جی گھی والے کی دُکان پر گیا شاید بابا جی سے وہاں مُلاقات ہو جاوے۔ مگر وُہ وہاں نہ تھے۔ بڑی دیر تک کھڑا رہا پھر لوٹ آیا مکان میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ نرملا نے کہا ـــــ آج دیر کہاں لگائی؟ سویرے سے کھانا نہیں بنا۔ کیا اسوقت بھی اُپاس ہوگا؟ جا کر بازار سے کوئی ترکاری لاؤ:

سیارام نے جھلا کر کہا ـــــ دِن بھر کا بھُوکا چلا آتا ہُوں، کچھ ناشتہ تک نہیں لائیں۔ اوپر سے بازار جانے کا حُکم دیدیا۔ میں نہیں جاتا بازار۔ کِسی کا نوکر نہیں ہُوں۔ آخر روٹیاں ہی تو کھلاتی ہو یا اَور کچھ؟ ایسی روٹیاں جہاں محنت کرونگا وہیں مِل جاوینگی۔ جب مزدوری ہی کرنا ہے تو آپ کی نہ کرونگا۔ جائیے میرے لیئے کھانا نہ بنائیگا:

نِرملا ساکت رہ گئی۔ لڑکے کو آج یہ کیا ہو گیا؟ اَور دِن تو چُپکے سے جا کر کام کر لاتا تھا، آج کیوں تیوریاں بدل رہا ہے؟ اَب بھی اُس کو یہ نہ سُوجھی کہ سیارام کو دو چار پیسے کچھ کھانے کو دیدے۔ وُہ اتنی بخیل ہو گئی تھی: بولی ـــــ گھر کا کام کرنا تو مزدوری نہیں کہلاتی۔ اسی طرح مَیں بھی کہدوں کہ مَیں کھانا نہیں پکاتی، تمہارے بابُوجی کہدیں کہ میں کچہری نہیں جاتا تو کیا ہے بتاؤ! نہیں جانا چاہیئے، نہ جاؤ! مَیں بھُنگی سے منگا لونگی۔ میں کیا جانتی تھی کہ تمہیں بازار جانا بُرا لگتا ہے نہیں تو بلا سے، پیسے کی چیز دھیلے کی آتی مگر تمہیں نہ بھیجتی۔ لو، آج سے

کان پکڑتی ہوں ۔

سیارام دل میں کچھ نادم ہوا مگر باز نہ گیا۔ اُس کا دھیان باباجی پر لگا ہوا تھا۔ اپنی ساری تکالیف کا خاتمہ اور زندگی کی ساری اُمیدیں اُسے اب باباجی کے آشیرواد میں معلوم ہوتی تھیں۔ اُنہیں کی خدمت میں جا کر اُس کی زندگی کا مقصد حاصل ہوگا۔ غروب آفتاب کے وقت وہ گھبرا اُٹھا۔ سارا بازار چھان مارا مگر باباجی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دن بھر کا بھوکا پیاسا وہ نادان لڑکا دُکھتے ہوئے دل کو ہاتھوں سے دبائے اُمید و بیم کا مجسمہ بنا ہوا گلیوں اور مندروں میں اُس چیز کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس کے بغیر اُسے اپنی جان وبال معلوم ہوتی تھی ایکبار ایک مندر کے سامنے اُسے کوئی سادھو کھڑا دکھائی دیا۔ اُس نے سمجھا، وُہی ہیں۔ وہ خوشی سے پھول گیا۔ دوڑا اور سادھو کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا مگر یہ کوئی اور ہی مہاتما تھے، مایوس ہو کر آگے بڑھا ۔

رفتہ رفتہ سڑکوں پر سناٹا چھا گیا۔ مکانوں کے دروازے بند ہونے لگے ۔ سڑک کی پٹڑیوں پر اور گلیوں میں بورے بچھا بچھا کر ہندوستان کی رعایا خواب شیریں کا لُطف اُٹھانے لگی ۔ مگر سیارام گھر نہ واپس گیا۔ اُس گھر سے اُس کا دل متنفر ہو گیا تھا۔ جہاں کسی کو اُس سے محبت نہ تھی، جہاں وُہ کسی محتاج کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اور یہ صرف اس لیئے کہ اُس کا اور کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ اس وقت بھی اُس کے گھر واپس نہ جانے کی کسے فکر ہو گی ؟ بابوجی کھانا کھا کر لیٹے ہونگے، اماں جی بھی آرام کرنے جا رہی ہونگی، کسی نے میرے کمرہ کی طرف جھانک کر دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ہاں بُوا جی گھبرا رہی ہونگی۔ جب تک میں نہ جاؤنگا وُہ کھانا نہ کھائیں گی ۔

رُکمنی کی یاد آتے ہی سیا رام گھر کی طرف چلا۔ وہ اگر اور کچھ نہ کر سکتی تھی تو کم از کم اُسے گود میں لپٹا کر رو تی تو تھی، اُس کے باہر سے آنے پر ہاتھ مُنہ دھونے کے لیئے پانی تو رکھ دیتی تھی؛ دُنیا میں سبھی لڑکے دُودھ کی کُلیّاں نہیں کرتے، سبھی سونے کے لقمے نہیں کھاتے۔ کتنوں کو پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا۔ مگر گھر سے متنفر وہی ہوتے ہیں جو مہرِ مادری سے محروم ہیں!

سیارام گھر کی طرف چلا ہی تھا کہ دفعتاً بابا پرمانند ایک گلی سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سیارام نے جا کر اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پرمانند نے چونک کر پوچھا —— بچہ! تم یہاں کہاں؟

سیارام نے بات بنا کر کہا —— ایک دوست سے مِلنے آیا تھا۔ آپکا استھان یہاں سے کِتنی دُور ہے؟

پرمانند۔ ہم لوگ تو آج یہاں سے جا رہے ہیں بچہ، ہردوار کی جاترا ہے؛

سیارام نے نراس ہو کر کہا —— کیا آج ہی چلے جائیگا؟

پرمانند۔ ہاں بچّہ، اب لَوٹ کر آؤنگا تب درشن دُونگا؛

سیارام نے مایوسی سے کہا۔ لَوٹ کر؟

پرمانند۔ جلد ہی آؤنگا بچہ!

سیارام نے انکساری سے کہا۔ مَیں بھی آپ کے ساتھ چلونگا؛

پرمانند۔ میرے ساتھ! تمہارے گھر کے لوگ جانے دینگے؟

سیارام۔ گھر کے لوگوں کو میری کیا پرواہ ہے؟ اِسکے آگے سیارام اَور کچھ نہ کہہ سکا۔ اُس کی آنسو بھری آنکھوں نے اُس کی داستانِ غم کو اُس سے کہیں زیادہ

تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جتنی اُس کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی ؛

پرمانند نے بچّہ کو گلے سے لگا کر کہا —— اچھا بچّہ، تیری اِچھا (خواہش) ہے تو چل، اسادھو سنتوں کی سنگت کا بھی آنند اُٹھا۔ بھگوان کی اِچھا ہوگی تو تیری اِچھا پوری ہو جائے گی ؛

دانہ پر منڈراتا ہوا طایر بالآخر دانہ پر گر پڑا! اُس کی زندگی کا خاتمہ پنجرے میں ہوگا یا صیاد کی چھری تلے، یہ کون جانتا ہے ؟

(۲۳)

منشی جی پانچ بجے کچہری سے لوٹے اور اندر جا کر پلنگ پر گر پڑے بُڑھاپے کا بدن، اُس پر آج تمام دن کھانا نہ نصیب ہوا، مُنہ سُوکھ گیا تھا۔ نرملا سمجھ گئی، آج دِن خالی گیا ؛

نرملا نے پُوچھا۔ آج کچھ نہ مِلا ؟

منشی جی ۔ سارا دِن دَوڑتے گزُرا مگر ہاتھ کچُھ نہ لگا ؛

نرملا ۔ فوجداری والے معاملہ میں کیا ہُوا ؟

منشی جی ۔ میرے موکل کو سزا ہو گئی ؛

نرملا ۔ اور پنڈت والے مقدمہ میں ؟

منشی جی ۔ پنڈت پر ڈگری ہو گئی ؛

نرملا ۔ آپ تو کہتے تھے، دعوے خارج ہو جاویگا ؛

منشی جی ۔ کہتا تو تھا، اور اب بھی کہتا ہُوں کہ دعوے خارج ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر اتنا سر مغزن کون کرے ؟

نرملا - اور اُس بیر والے دعوے میں ؟

منشی جی - اُس میں بھی ہار ہو گئی ۔

نرملا - تو آج آپ کسی ابھاگے کا مُنہ دیکھ کر اُٹھے تھے ۔

منشی جی سے اب کام بالکل نہ ہو سکتا تھا ایک تو اُن کے پاس مقدمے آتے ہی نہ تھے اور جو آتے بھی تھے وُہ خراب ہو جاتے تھے۔ مگر اپنی ناکامیابیوں کو وہ نرملا سے چھپاتے رہتے تھے۔ جس روز کچھ نہ ملتا اُس روز کسی سے دو چار روپے اُدھار لا کر نرملا کو دیدیتے۔ عموماً سبھی دوستوں سے کچھ نہ کچھ لے چکے تھے۔ آج وُہ ڈول بھی نہ لگا

نرملا نے متفکرانہ لہجہ میں کہا۔ آمدنی کا یہ حال ہے تو ایشور ہی مالک ہے ، اُس پر بیٹے کا یہ حال ہے کہ بازار جانا مشکل ! بھنگی ہی سے سب کام کرانے کو جی چاہتا ہے گھی لے کر گیارہ بجے لوٹے۔ کتنا کہکر ہار گئی کہ لکڑی لیتے آؤ مگر سُنا ہی نہیں ۔

منشی جی - تو کھانا نہیں پکایا ؟

نرملا - ایسی ہی باتوں سے تو آپ مقدمے ہارتے ہیں۔ ایندھن کے بغیر کسی نے کھانا بنایا ہے کہ میں ہی بنا لیتی ؟

منشی جی - تو بلا کچھ کھائے ہی چلا گیا ؟

نرملا - گھر میں اور کیا رکھا تھا جو کھلا دیتی ؟

منشی جی نے ڈرتے ڈرتے کہا ——— کچھ پیسے نہ دیدیئے ؟

نرملا نے بھوئیں سکوڑ کر کہا ——— گھر میں پیسے پھلتے ہیں نہ ؟

منشی جی نے کچھ جواب نہ دیا۔ ذرا دیر تو انتظار کرتے رہے کہ شاید ناشتہ

کے لئے کچھ ملے گا۔ لیکن جب نرملا نے پانی تک نہ منگایا تو بیچارے مایوس ہو کر باہر چلے گئے۔ سیارام کی تکلیف کا اندازہ کر کے ان کا دل بے چین سا ہو گیا۔ سارا دن گزر گیا، بیچارے نے ابتک کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ ایکبار بھنگی ہی سے لکڑی منگالی جاتی تو ایسا کیا نقصان ہو جاتا؟ ایسی کفایت بھی کس کام کی کہ گھر کے آدمی بھوکے رہ جاویں؟ اپنا صندوقچہ کھول کر ٹٹولنے لگے کہ شاید دو چار آنے کے پیسے مل جائیں۔ اُس کے اندر کے سارے کاغذات نکال ڈالے۔ ایک ایک خانہ دیکھا، نیچے ہاتھ ڈال کر دیکھا مگر کچھ نرملا۔ اگر نرملا کے صندوق میں پیسے پھلتے تھے تو اس صندوقچہ میں شاید اس کے پھول بھی نہ لگتے ہوں۔ لیکن اتفاق ہی کہئے کہ کاغذات کو جھاڑتے ہوئے ایک چٹھی گر پڑی۔ سارے خوشی کے منشی جی اچھل پڑے۔ اس کے پیشتر بڑی بڑی رقمیں کما چکے تھے مگر یہ چٹھی پا کر انھیں جتنی خوشی ہوئی اتنی اس سے پیشتر بھی نہ ہوئی تھی۔ چٹھی ہاتھ میں لئے ہوئے سیارام کے کمرہ کے سامنے جا کر پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ تب کمرہ میں جا کر دیکھا۔ سیارام کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کیا ابھی اسکول سے نہیں لوٹا؟ دل میں یہ سوال پیدا ہوتے ہی منشی جی نے اندر جا کر بھنگی سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ اسکول سے لوٹ آیا ہے۔

منشی جی نے پوچھا۔ کچھ پانی پیا ہے؟

بھنگی نے جواب نہ دیا۔ ناک سکوڑ کر منہ پھیرے ہوئے چلی گئی۔

منشی جی آہستہ آہستہ آکر اپنے کمرے میں بیٹھ گئے۔ آج پہلی بار انھیں نرملا پر غصہ آیا۔ لیکن ایک ہی لمحہ میں غصہ کا حملہ اپنے ہی اوپر ہونے لگا۔ اس اندھیرے کمرے میں فرش پر لیٹے ہوئے وہ اپنے لڑکے کی طرف سے اتنا بے پرواہ ہو جانے پر

اپنے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ دن بھر کے تھکے تھے، ذرا ہی دیر بعد انھیں نیند آگئی۔

بھنگی نے آکر پکارا۔ بابو جی، رسوئی تیار ہے۔

منشی جی چونک کر اٹھ بیٹھے۔ کمرہ میں لیمپ جل رہا تھا۔ پوچھا ——— کئے بج گئے، بھنگی، مجھے تو نیند آگئی تھی۔

بھنگی نے کہا ——— کوتوالی کے گھنٹے میں تو نو بج گئے ہیں۔

منشی جی۔ سیا بابو آئے؟

بھنگی۔ آئے ہوں گے تو گھر ہی میں نہ ہوں گے؟

منشی جی نے جھنجھلا کر پوچھا۔ میں پوچھتا ہوں، آئے کہ نہیں اور تو نہ جانے کیا کیا جواب دیتی ہے؟ آئے کہ نہیں؟

بھنگی۔ میں نے تو نہیں دیکھا۔ جھوٹ کیسے کہہ دوں؟

منشی جی پھر پوٹ گئے اور بولے ——— اُن کو آجانے دے تب چلونگا۔ نصف گھنٹہ تک دروازہ کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے منشی جی دیکھتے ہے تب وہ اٹھ کر باہر آئے اور داہنے بائیں کوئی دو تین فرلانگ تک چلے۔ تب لوٹ کر دروازے پر آئے اور پوچھا۔ سیا بابو آگئے؟

اندر سے جواب ملا۔ ابھی نہیں

منشی جی پھر بائیں طرف چلے اور گلی کے موڑ تک گئے۔ سیا رام کہیں نہ دکھائی دیا۔ وہاں سے پھر گھر لوٹے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر پوچھا ——— سیا بابو آگئے؟

اندر سے جواب ملا ——— نہیں۔

کوتوالی کے گھنٹے میں دس بجنے لگے۔ منشی جی بڑی تیزی سے کمپنی باغ کی طرف چلے۔ سوچنے لگے کہ شاید وہاں گھومنے گیا ہو اور گھاس پر لیٹے لیٹے نیند آگئی ہو۔ باغ میں پہنچ کر انھوں نے ہر بنچ کو دیکھا۔ چاروں طرف گھومے بہت سے آدمی گھاس پر پڑے ہوئے تھے مگر سیارام کا کہیں پتہ نہ تھا۔ انھوں نے سیارام کا نام لے کر زور زور سے پکارا۔ مگر کہیں سے آواز نہ آئی۔

پھر خیال آیا کہ شاید اسکول میں کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ اسکول ایک میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ وہ اسکول کی طرف چلے مگر نصف ہی راستہ سے لوٹ پڑے۔ بازار بند ہو گیا تھا۔ اسکول میں اتنی رات تک تماشا نہیں ہو سکتا۔

اب کے انھیں امید ہو رہی تھی کہ سیارام لوٹ آیا ہوگا۔ دروازہ پر آ کر انھوں نے پکارا۔ بھنگی کواڑ کھول کر بولی ——— ابھی تو نہیں آئے ——— منشی جی نے آہستہ سے بھنگی کو اپنے پاس بلایا اور درد بھری آواز میں بولے ——— تو تو گھر کی سب باتیں جانتی ہے۔ بتا آج کیا ہوا تھا؟

بھنگی۔ بابو جی جھوٹ نہ بولونگی۔ مالکن جھیڑا دیتی اور کیا؟ دوسرے کا لڑکا اس طرح نہیں رکھا جاتا۔ جہاں کوئی کام ہوا کہ بس بازار بھیج دیا۔ دن بھر بازار دوڑتے بیتا تھا۔ آج لکڑی لانے نہ گئے تو چولھا ہی نہ جلا۔ کہو تو منہ بھلا دیں جب آپ ہی نہیں دیکھتے تو دوسرا کون دیکھے گا؟ چلئے کھانا کھا لیجئے۔ بہو جی کب سے بیٹھی ہیں۔

منشی جی۔ کہدے، اسوقت نہ کھائیں گے۔

منشی جی پھر اپنے کمرہ میں چلے گئے اور ایک لمبی سانس لی۔ ساتھ ہی دَرد سے بھرے ہوئے یہ الفاظ ان کے مُنہ سے نکل پڑے۔ ۔ ایشور! کیا ابھی سزا پوری نہیں ہوئی؟ کیا اس اندھے کی لکڑی کو بھی ہاتھ سے چھین لوگے؟

نرملا نے آکر کہا — آج سیا رام ابھی تک نہیں آئے۔ کہتی رہی کہ کھانا بنائے دیتی ہوں، کھاو۔ مگر نہ جانے کب اٹھ کر چل دیئے۔ نہ جانے کہاں گھوم رہے ہیں؟ بات تو سنتے ہی نہیں۔ اب تک ان کی راہ دیکھا کروں؟ آپ چل کر کھا لیجئے، اُن کے لئے کھانا اُٹھا کر رکھ دوں گی۔

منشی جی نے نرملا کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا — ابھی کے بجے ہوں گے؟

نرملا۔ کیا جانے، شاید دس بجے ہونگے۔

منشی جی۔ جی نہیں، بارہ بجے ہیں۔

نرملا۔ بارہ! بارہ بج گئے! اتنی دیر تو کبھی نہیں کرتے تھے۔ تو اب کب تک اُن کی راہ دیکھو گے؟ دوپہر کو بھی تو کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایسا سیلانی لڑکا میں نے نہیں دیکھا۔

منشی جی — جی، تمہیں بہت دِق کرتا ہے، کیوں؟

نرملا۔ دیکھیے نہ کہ اتنی رات آگئی اور گھر کی سُدھ ہی نہیں۔

منشی جی۔ شاید یہ آخری شرارت ہو؟

نرملا۔ کیسی باتیں مُنہ سے نکالتے ہیں۔ جائیں گے کہاں؟ کسی یار دوست کے گھر پڑے ہوں گے۔

منشی جی۔ شاید ایسا ہی ہو، ایشور کرے ایسا ہی ہو۔

نرملا۔ سویرے آ دیں تو ذرا تنبیہ کر دیجئے گا۔
منشی جی۔ خوب اچھی طرح کروں گا۔
نرملا۔ چلئے کھا لیجئے، دیر بہت ہوئی ہے۔
منشی جی۔ سویرے اُس کی تنبیہ کر کے کھاؤں گا۔ کہیں نہ آیا تو تمہیں ایسا ایماندار نوکر کہاں ملے گا؟
نرملا نے اینٹھ کر کہا ــــ تو کیا میں نے بھگا دیا؟
منشی جی۔ نہیں، یہ کون کہتا ہے؟ تم اُسے کیوں بھگانے لگیں؟ تمہارا تو کام کرتا تھا، شامت آ گئی ہوگی۔
نرملا نے اور کچھ نہیں کہا۔ بات بڑھ جانے کا خوف تھا۔ اندر چلی گئی۔ سونے کو بھی نہیں کہا۔ ذرا دیر میں بھنگی نے اندر سے کواڑ بند کر دیئے۔
کیا منشی جی کو نیند آ سکتی تھی؟ تین لڑکوں میں صرف ایک بچ رہا تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی میں تاریکی کے سوا اور کیا ہے؟ کوئی نام لیوا بھی نہ رہ جاویگا! ہائے کیسے کیسے جواہر ہاتھ سے نکل گئے! منشی جی کی آنکھوں سے اگر اسوقت آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا تو اس میں کیا تعجب ہو سکتا ہے؟ اس بڑی پشیمانی، اُس گھنی تاریکی میں اُمید کی ایک ہلکی سی جھلک انھیں سنبھالے ہوئے تھی جس وقت یہ جھلک غائب ہو جائے گی، کون کہہ سکتا ہے کہ اُن پر کیا بیتے گی؟ اُن کی اس پریشانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟
کئی بار منشی جی نے آنکھیں جھپکیں مگر ہر بار سیا رام کی آہٹ کے دھوکے میں چونک پڑے! صبح ہوتے ہی منشی جی پھر سیا رام کو ڈھونڈھنے لگے۔ کسی کے

پوچھتے ہوئے شرم آتی تھی۔ کس منہ سے پوچھیں؟ انھیں کسی سے ہمدردی کی امید نہ تھی۔ ظاہراً نہ کہہ کر بھی دل میں سب یہی کہیں گے کہ جیسا کیا ویسا بھوگو۔ تمام دن وہ اسکول کے میدانوں، بازاروں اور باغیچوں کا چکر لگاتے رہے۔ دو دن فاقہ سے رہنے پر بھی ان میں یہ سکت کہاں سے آئی، یہ وہی جانیں۔

رات کے بارہ بجے منشی جی گھر لوٹے۔ دروازے پر لالٹین جل رہی تھی۔ نرملا دروازہ پر کھڑی تھی۔ دیکھتے ہی بولی — کہا بھی نہیں، نہ جانے کب چلد یئے۔ کچھ پتہ چلا؟

منشی جی نے جلتی ہوئی آنکھوں سے تاکتے ہوئے کہا — ہٹ جاؤ، سامنے سے، ورنہ بُرا ہوگا۔ میں آپے میں نہیں ہوں۔ یہ تمہاری کرتوت ہے، تمہارے ہی سبب آج میری یہ حالت ہو رہی ہے۔ آج سے چھ سال قبل کیا اس گھر کی یہی حالت تھی؟ تم نے میرا بنا ہوا گھر بگاڑ دیا۔ تم نے میرے لہلہاتے ہوئے باغ کو اُجاڑ ڈالا۔ صرف ایک ٹھونٹھ رہ گیا ہے، اس کا نشان بھی مٹا کر ہی تمہیں صبر ہوگا۔ میں اپنی تباہی کے لئے تمہیں اپنے گھر نہیں لایا تھا۔ آسائش کی زندگی کو اور بھی آسائش والی بنانا چاہتا تھا۔ یہ اُسی کا خمیازہ ہے۔ جو لڑکے پان کی طرح پھیرے جاتے تھے انھیں جیتے جی تم نے غلام سمجھ لیا اور میں آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھا بنا بیٹھا رہا۔ جاؤ میرے لئے تھوڑا سا سنکھیا بھیج دو۔ بس یہی کسر رہ گئی ہے، وہ بھی پوری ہو جاوے۔

نرملا نے روتے ہوئے کہا۔ میں تو ابھاگن ہی ہوں، کیا جب آپ کہیں گے تب جانوں گی؟ نہ جانے ایشور نے مجھے جنم کیوں دیا تھا۔ مگر یہ آپنے کیسے سمجھ لیا

کہ سیا رام اب آدیں گے ہی نہیں
منشی جی نے اپنے کمرہ کی طرف جاتے ہوئے کہا —— جلاؤ مت! جاکر خوشیاں مناؤ۔ تمہاری دلی خواہش پوری ہوگئی!

(۲۴)

نرملا ساری رات روتی رہی۔ اتنا بڑا کلنک! اُس نے جیارام کو گہنے لے جاتے ہوئے دیکھنے پر بھی مُنہ کھولنے کی جرأت نہ کی تھی۔ کیوں؟ اسی لئے تو یہ لوگ سمجھیں گے کہ وہ جھوٹا الزام لگاکر لڑکے سے دشمنی کر رہی ہے۔ آج اُس کے خاموش رہنے پر اُسے قصوروار قرار دیا جا رہا ہے۔ اگر وہ جیارام کو اُسی وقت روک دیتی اور جیارام شرم سے کہیں بھاگ جاتا تو کیا اُن کے سر پر الزام نہ رکھا جاتا؟

سیارام ہی کے ساتھ اس نے کونسی بدسلوکی کی تھی؟ وہ کچھ بچت کرنے ہی کے خیال سے تو سیارام کے معرفت سودا منگوایا کرتی تھی۔ کیا وہ بچت کرکے اپنے لئے زیور بنوانا چاہتی تھی؟ جب آمدنی کا یہ حال ہو رہا تھا تو پیسے پیسے پر نگاہ رکھنے کے سوائے کچھ جمع کرنے کا اس کے پاس ذریعہ ہی کیا تھا؟ جوانوں کی زندگی کا تو کوئی بھروسہ ہی نہیں پھر بوڑھوں کا کیا ٹھکانا؟ بچّی کے بیاہ کے لئے وہ کس کے آگے ہاتھ پھیلاتی؟ بچّی کا بار کچھ اس پر تو نہیں تھا؟ وہ صرف شوہر کی آسانی کے لئے کچھ جمع کر لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ شوہر ہی کی کیوں؟ سیارام ہی تو باپ کے گھر کا مالک ہوتا۔ بہن کے بیاہ کا بار اُس کے سر نہ پڑتا؟ نرملا کی ساری کاٹ چھانٹ شوہر اور لڑکے کی تکالیف رفع کرنے کے خیال سے

کر رہی تھی۔ موجودہ حالات میں بچی کا بیاہ بجز تکلیف دہی کے اور کیا ہو سکتا تھا؟ مگر اس کے لئے بھی اس کے نصیب میں بدنامی ہی بدی تھی!

دوپہر ہوگئی تھی مگر آج بھی چولھا نہیں جلا۔ کھانا بھی زندگی کا کام ہے اس کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ منشی جی باہر بیجان سے پڑے تھے اور نرملا اندر —— بچی کبھی باہر جاتی کبھی اندر، کوئی اُس سے بولنے والا نہ تھا۔ بار بار سیارام کے کمرے کے دروازے پر جاکر کھڑی ہوتی اور "بھیا بھیا" پکارتی مگر "بھیا" کوئی جواب نہ دیتا تھا۔

شام کو منشی جی آکر نرملا سے بولے —— تمہارے پاس کچھ روپئے ہیں؟

نرملا نے چونک کر پوچھا۔ کیا کیجئے گا؟

منشی جی۔ میں جو پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔

نرملا۔ کیا آپ کو نہیں معلوم ہے؟ دینے والے تو آپ ہی ہیں۔

منشی جی۔ تمہارے پاس کچھ روپئے ہیں یا نہیں؟ اگر ہوں تو مجھے دیدو ورنہ صاف جواب دو۔

نرملا نے اب بھی صاف جواب نہ دیا۔ بولی —— ہونگے تو گھر ہی میں ہوں گے۔ میں نے کہیں اور تو نہیں بھیجدیئے۔

منشی جی باہر چلے گئے۔ وہ جانتے تھے کہ نرملا کے پاس روپئے ہیں۔ واقعی تھے بھی۔ نرملا نے یہ بھی نہیں کہا کہ نہیں ہیں یا میں نہ دوں گی مگر اُس کی گفتگو سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ دینا نہیں چاہتی۔

نو بجے رات کو منشی جی نے آکر رکمنی سے کہا۔ بہن، میں ذرا باہر جا رہا

ہوں۔ میرا بستر بھنگی سے بندھوا دینا اور ٹرنک میں کچھ کپڑے رکھوا کر بند کر دینا۔
رُکمنی کھانا پکا رہی تھی، بولی ـــــ یہ تو کمرہ میں ہیں، کہہ کیوں نہیں دیتے؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟
منشی جی۔ میں تم سے کہتا ہوں۔ بہو سے کہنا ہوتا تو تم سے کیوں کہتا؟ آج تم کیوں کھانا پکا رہی ہو؟
رُکمنی۔ کون پکا دے؟ بہو کے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آخر اسوقت کہاں جا رہے ہو؟۔ سویرے چلے جانا؟
منشی جی۔ اسی طرح ٹالتے ٹالتے تو آج تین روز ہو گئے۔ اِدھر اُدھر گھوم گھام کر دیکھوں، شاید کہیں سیارام کا پتہ چل جاوے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک سادھو کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ شاید وہی کہیں بہکائے گیا ہو۔
رُکمنی۔ تو لوٹو گے کب تک؟
منشی جی۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہفتہ بھر لگ جائے، مہینہ بھر لگ جائے، کونسا ٹھکانا ہے۔
رُکمنی آج کونسا دن ہے؟ کسی پنڈت سے پوچھ لیا ہے، جاتا ہے کہ نہیں؟
منشی جی کھانا کھانے بیٹھے۔ نرملا کو اسوقت ان پر بڑا ترس آیا۔ اُس کا سارا غصہ فرو ہو گیا۔ خود تو نہ بولی مگر بچی کو جگا کر چمکارتی ہوئی بولی ـــــ دیکھ تیرے بابو جی کہاں جا رہے ہیں؟ پوچھ تو!
بچی نے دروازہ سے جھانک کر پوچھا ـــــ بابو جی! تھاں دوتے ہو؟
منشی جی۔ بڑی دور جاتا ہوں، بیٹی! تمہارے بھیا کو کھوجنے جاتا ہوں۔
بچی نے وہیں سے کھڑے کھڑے کہا ـــــ اَم بی تلیں گے۔

منشی جی۔ بڑی دور جاتے ہیں بچی! تمہارے واسطے چیزیں لادیں گے۔ یہاں کیوں نہیں آتی؟

بچی مسکرا کر چھپ گئی اور ایک لمحہ بعد پھر کواڑ سے سر نکال کر ——— ام بی تلیں گے۔

منشی جی نے اسی لہجہ میں کہا ——— تم کو نہیں لے تلیں گے۔

بچی۔ ام کو کیوں نہیں لے تلو گے؟

منشی جی۔ تم تو ہمارے پاس آتی نہیں ہو۔

لڑکی۔ ٹھلکتی ہوئی آکر باپ کی گودی میں بیٹھ گئی۔ ذرا دیر کے لئے منشی جی اس کی طفلانہ حرکتوں میں اپنا دکھ بھول گئے۔

کھانا کھا کر منشی جی باہر چلے گئے۔ نرملا کھڑی تاکتی رہی۔ کہنا چاہتی تھی کہ بے فائدہ جا رہے ہو، مگر کہہ نہ سکتی تھی۔ کچھ روپئے نکال کر دینے کا ارادہ کرتی تھی مگر دے نہ سکتی تھی۔

آخر نہ رہا گیا۔ رکمنی سے بولی۔ دیدی جی! ذرا سمجھا دیجئے، کہاں جا رہے ہیں؟ میری تو زبان پکڑی جائیگی مگر بغیر بولے رہا نہیں جاتا۔ بلا ٹھکانے کہاں کھوجیں گے؟ بے فائدہ حیرانی ہوگی۔

رکمنی نے رقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

نرملا بچی کو گود میں لئے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شاید جانے کے قبل بچی کو دیکھنے یا مجھ سے ملنے کے لئے آویں مگر اسے مایوس ہونا پڑا۔ منشی جی نے بستر اٹھایا اور تانگہ پر جا بیٹھے۔

اُسی وقت نرملا کا کلیجہ مسوسنے لگا۔ اُسے معلوم ہوا کہ اب ان سے ملاقات نہ ہوگی۔ وہ بے صبری سے دروازہ پر آئی کہ منشی جی کو روک لے مگر تانگہ روانہ ہوگیا تھا۔

(۲۵)

دن گزرنے لگے، پورا ایک مہینہ گزر گیا، مگر منشی جی نہ لوٹے۔ کوئی خط بھی نہیں بھیجا۔ نرملا کو اب روز یہی تردد رہتا تھا کہ وہ لوٹ کر نہ آئے تو کیا ہوگا؟ اُسے اس کی فکر نہ ہوتی تھی کہ ان پر کیا بیت رہی ہوگی، وہ کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ ان کی صحت کیسی ہوگی؟ اُسے صرف اپنی اور اس سے بھی زیادہ بچی کی فکر تھی۔ گرہستی کیسے چلے گی؟ اشیور کیسے بیڑا پار لگا دیں گے؟ بچی کی کیا حالت ہوگی؟ اس نے کاٹ چھانٹ کر کے جو روپے جمع کئے تھے اس میں ہر روز کچھ نہ کچھ کمی ہوتی جاتی تھی۔ نرملا کو اُس میں سے ایک ایک پیسہ نکالنا اس قدر کھلتا تھا گویا کوئی اُس کے بدن سے خون نکال رہا ہو۔ جیجھلا کر منشی جی کو کوستی۔ لڑکی کسی چیز کے لئے روتی تو اُسے کمبخت منحوس وغیرہ کہہ کر ڈانٹ دیتی۔ یہی نہیں رکمنی کا گھر میں رہنا بھی اُسے اس قدر ناگوار تھا گویا وہ اس کی گردن پر سوار ہے۔ جب دل جلتا ہے تو الفاظ بھی جلے کٹے نکلتے ہیں۔ نرملا بڑی شیریں زبان عورت تھی مگر اب اُس کا شمار بدزبان عورتوں میں کیا جا سکتا تھا۔ تمام دن اس کے مُنہ سے سخت باتیں نکلا کرتیں اُس کے الفاظ کی نرمی نہ جانے کیا ہوگئی تھی۔ جذبات میں حلاوت کا کہیں نام نہ تھا۔ بُھنگی بہت دنوں سے اس گھر میں نوکر تھی، مزاج میں بُردباری تھی۔ مگر یہ ہر وقت کی بکواس اُس سے بھی نہ برداشت ہو سکی۔ ایک روز اُس نے بھی

گھر کی راہ لی۔ یہانتک کہ جس بچی کو وہ جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی تھی اُس کی صورت سے بھی نفرت ہوگئی۔ بات بات پر جھڑک دیتی، کبھی مار بیٹھتی۔ رُکمنی روتی ہوئی لڑکی کو گود میں اُٹھا لیتی اور لاڈ پیار کرکے چپ کرتی۔ اُس بے کس کے لئے اب یہی ایک سہارا رہ گیا تھا۔

زملا کو اب اگر کچھ اچھا لگتا تھا تو سدھا سے باتیں کرنا۔ وہ وہاں جانے کا موقع تلاش کرتی رہتی تھی۔ بچی کو اب وہ اپنے ساتھ نہ لے جانا چاہتی تھی۔ پہلے جب بچی کو اپنے گھر میں سبھی چیزیں کھانے کو ملتی تھیں تو وہ وہاں جاکر ہنستی کھیلتی تھی۔ اب وہاں جاکر اُسے بھوک لگتی تھی۔ زملا اُسے گھور گھور کر دیکھتی مٹھیاں باندھ کر دھمکاتی مگر لڑکی بھوک کی رٹ لگانا نہ چھوڑتی تھی۔ اِسی لئے زملا اب اُسے ساتھ نہ لے جاتی تھی۔ سُدھا کے پاس بیٹھ کر اُسے معلوم ہوتا تھا کہ میں آدمی ہوں۔ اُتنی دیر کے لئے اس کو تفکرات سے نجات مل جاتی تھی۔ جیسے شرابی کو شراب کے نشہ میں بے فکری ہو جاتی ہے اُسی طرح زملا سُدھا کے گھر جاکر مطمئن ہو جاتی۔ اُس کے مزاج میں تبدیلی نظر آتی۔ وہی بدزبان عورت یہاں آکر حلاوت اور خوشگفتاری کا مجسمہ بن جاتی تھی۔ شباب کی قدرتی تحریکیں وہاں گھر میں راستہ نہ پاکر یہاں متحرک ہو جاتی تھیں۔ وہ یہاں اپنا پورا بناؤ سنگار کرکے آتی اور حتی الامکان اپنے رنج و غم کو اپنے دل ہی میں رکھتی۔ یہاں وہ رونے کے لئے نہیں، ہنسنے کے لئے آتی تھی۔

مگر شاید اُس کے نصیب میں یہ سکھ نہیں بدا تھا۔ زملا معمولاً دو پہر یا تیسرے پہر میں سُدھا کے گھر جایا کرتی تھی۔ ایک روز اُسکا جی اسقدر گھبرایا کہ

سویرے ہی جا پہنچی۔ سدھا دریا نہانے گئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اسپتال جانے کے لئے کپڑے پہن رہے تھے۔ مہری اپنے کام دھندے میں لگی ہوئی تھی۔ نرملا اپنی سکھی کے کمرہ میں جاکر فراغت سے بیٹھ گئی۔ اُس نے سمجھا کہ سدھا کوئی کام کر رہی ہوگی اور ابھی آتی ہوگی۔ جب بیٹھے بیٹھے دو تین منٹ گذر گئے تو اس نے الماری سے تصاویر کی ایک کتاب اُتار لی اور بال کھولے ہوئے پلنگ پر لیٹ کر تصویریں دیکھنے لگی۔ اسی اثنار میں ڈاکٹر صاحب کو ضرورتاً نرملا کے کمرہ میں آنا پڑا۔ شاید عینک تلاش کر رہے تھے۔ بیدھڑک اندر چلے آئے۔ نرملا دروازہ کی طرف بال کھولے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی ایک دم اُٹھ بیٹھی اور سر کو ڈھانکتی ہوئی پلنگ سے اُتر کر نیچے کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لوٹتے ہوئے چتا کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ معاف کرنا نرملا، مجھے معلوم نہ تھا کہ تم یہاں ہو۔ میرا عینک میرے کمرہ میں نہیں مل رہا ہے، نہ جانے کہاں اُتار کر رکھدیا میں نے سمجھا کہ شاید یہاں ہو۔

نرملا نے پلنگ کے سرہانے والے طاق پر نگاہ ڈالی تو عینک کا خانہ دکھائی پڑا۔ اُس نے آگے بڑھ کر خانہ اُتار لیا اور سر جھکائے، بدن سمیٹے، شرم سے مُنہ بچیرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نرملا کو دو ایک بار پہلے بھی دیکھا تھا مگر اسوقت کے سے ارادے کبھی اُن کے دل میں نہ پیدا ہوئے تھے۔ جس آگ کو دو برسوں سے دل میں دبائے ہوئے تھے وہ آج ہوا کا جھونکا پاکر بھڑک اُٹھی۔ انھوں نے عینک لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ کانپ رہا تھا۔ عینک لے کر بھی وہ باہر نہ گئے۔ وہیں ساکت کھڑے رہے۔ نرملا

نے اس تنہائی سے خوفزدہ ہو کر پوچھا — سدھا کہیں گئی ہیں کیا؟

ڈاکٹر صاحب نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا — ہاں ذرا نہانے گئی ہیں۔

پھر بھی ڈاکٹر صاحب باہر نہ گئے، وہیں کھڑے رہے۔ نرملا نے پھر پوچھا — کب تک آئیں گی۔

ڈاکٹر صاحب نے سر جھکائے ہوئے کہا — آتی ہی ہوں گی۔

پھر بھی وہ باہر نہیں گئے۔ اُن کے دل میں سخت تلاطم ہو رہا تھا۔ اخلاقی رکاوٹ نہیں بلکہ کم ہمتی کا کچا تاگا اُن کی زبان کو باندھے ہوئے تھا۔

نرملا نے پھر کہا — کہیں گھومنے لگی ہوں گی، میں بھی اسوقت جاتی ہوں۔ کم ہمتی کا کچا تاگا بھی ٹوٹ گیا۔ دریائی ساحلی بلندیوں پر پہنچ کر بھاگتی ہوئی فوج میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سر اُٹھا کر نرملا کو دیکھا اور نہایت محبت آمیز لہجہ میں کہا — نہیں نرملا، اب آتی ہی ہوں گی ابھی نہ جاؤ۔ روز سدھا کی خاطر سے بیٹھتی ہو تو آج میری خاطر سے بیٹھو۔ بتاؤ کہ کب تک اِس آگ میں جلا کروں؟ سچ کہتا ہوں نرملا......

نرملا نے اور کچھ نہ سُنا اُسے ایسا معلوم ہوا گویا ساری زمین چکر کھا رہی ہے گویا اس کی جان پر ہزاروں بجلیاں گر رہی ہیں۔ اُس نے جلدی سے اُلگنی پر لٹکتی ہوئی چادر اُتار لی اور بغیر مُنہ سے ایک لفظ نکالے کمرہ کے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر صاحب کھسیائے ہوئے سے رونی صورت بنائے کھڑے رہ گئے۔ اُسے روکنے یا اور کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

نرملا جیوں ہی دروازہ پر پہنچی کہ اس نے سدھا کو تانگے سے اترتے دیکھا سدھا اسے دیکھتے ہی جلدی سے اتر کر اس کی طرف دوڑی اور کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر نرملا نے اس کو موقع نہ دیا، وہ تیر کی طرح تیزی سے چلی گئی۔ سدھا ایک لمحہ تک متحیر کھڑی رہی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ بات کیا ہے۔ وہ گھبرا اٹھی۔ جلد اندر گئی اور مہری سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی۔ اسے معلوم ہوا کہ کہیں مہری یا اور کسی نوکر نے اس کو کوئی توہین آمیز بات کہدی ہے۔ وہ مجرم کا پتہ لگائے گی اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دے گی۔ دوڑی ہوئی وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر صاحب کو سر جھکائے پلنگ پر بیٹھے دیکھا —— نرملا یہاں آئی تھیں؟

ڈاکٹر نے سر کھجلاتے ہوئے کہا —— ہاں آئی تو تھیں۔

سدھا۔ کسی مہری نے انھیں کچھ کہہ تو نہیں دیا؟ مجھ سے بولیں تک نہیں، تیزی سے نکل گئیں ——

ڈاکٹر صاحب کا چہرہ اور اداس ہو گیا، کہا —— یہاں تو انھیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔

سدھا۔ کسی نے کچھ کہا ہے، دیکھوں میں پوچھتی ہوں نہ۔ ایشور جانتا ہے کہ پتہ پا جاؤں گی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی۔

ڈاکٹر صاحب سٹ پٹا کر بولے۔ میں نے تو کسی کو کچھ کہتے نہیں سنا۔ تمہیں انھوں نے دیکھا ہی نہ ہوگا۔

سدھا۔ واہ دیکھا ہی نہ ہوگا! ان کے سامنے تو میں تانگے سے اتری ——

اُنھوں نے میری طرف دیکھا بھی مگر بولیں کچھ نہیں۔ اِس کمرہ میں آئی تھیں؟
ڈاکٹر صاحب کی رُوح فنا ہوتی جاتی تھی۔ ہچکتے ہوئے بولے ——
آئی کیوں نہیں تھیں۔
سُدھا۔ تمہیں یہاں بیٹھا دیکھ کر چلی گئی ہوں گی۔ بس کسی مہری نے کچھ کہدیا ہوگا۔ نیچ ذات ہیں نہ، کسی کو بات کرنے کی تمیز تو ہے نہیں۔ اری او سُندریا، ذرا یہاں تو آنا!
ڈاکٹر۔ اُسے کیوں بُلاتی ہو؟ یہاں سے سیدھے دروازے کی طرف گئیں، مہریوں سے تو بات تک نہیں ہوئی۔
سُدھا۔ تو پھر تمہیں نے کچھ کہدیا ہوگا۔
ڈاکٹر صاحب کا دل دھڑکنے لگا، بولے —— مَیں بھلا کیا کہدیتا، کیا ایسا گنوار ہوں؟
سُدھا۔ تم نے اُنھیں آتے دیکھا تب بھی بیٹھے رہ گئے؟
ڈاکٹر۔ میں یہاں تھا ہی نہیں۔ باہر کمرہ میں اپنا عینک ڈھونڈھتا رہا۔ جب وہاں نہ ملی تو مَیں نے سوچا کہ شاید اندر ہو۔ یہاں آیا تو اُنھیں بیٹھا دیکھا میں باہر جانا چاہتا تھا کہ اُنھوں نے خود پوچھا کسی چیز کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا۔ ذرا دیکھنا، یہاں میرا عینک تو نہیں ہے۔ عینک اُنہی سرہانے والے طاق پر تھا۔ اُنھوں نے اُٹھا کر دے دیا۔ بس اتنی ہی تو بات ہوئی۔
سُدھا۔ بس تمہیں عینک دیتے ہی وہ جھلائی ہوئی باہر چلی گئیں، کیوں؟
ڈاکٹر۔ جھلائی ہوئی تو نہیں، چلی گئیں۔ جانے لگیں تو مَیں نے کہا، بیٹھئے وہ آتی

ہوں گی۔ نہ بیٹھیں تو میں کیا کرتا؟

سُدھا نے کچھ سوچ کر کہا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں ذرا اُن کے پاس جاتی ہوں۔ دیکھوں، کیا بات ہے۔

ڈاکٹر۔ تو چلی جانا، ایسی جلدی کیا ہے؟ سارا دن تو پڑا ہُوا ہے۔

سُدھا نے چادر اُوڑھتے ہوئے کہا ـــ میرے پیٹ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے اور تم کہتے ہو کہ جلدی کیا ہے۔

سُدھا تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی نرملا کے گھر کی طرف چلی اور پانچ منٹ میں جا پہنچی۔ دیکھا تو نرملا اپنے کمرہ میں پلنگ پر پڑی ہوئی رو رہی تھی اور بچی اس کے پاس کھڑی ہوئی پوچھ رہی تھی، اماں، کیوں روتی ہو؟ سُدھا نے لڑکی کو گود میں اُٹھا لیا اور نرملا سے بولی ـــ بہن، سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ میرے یہاں کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟ میں سب سے پوچھ چکی، کوئی کچھ نہیں بتلاتا۔

نرملا۔ آنسو پونچھتی ہوئی بولی ـــ کسی نے کچھ کہا نہیں بہن! بھلا وہاں مجھے کون کچھ کہتا؟

سُدھا۔ تو پھر مجھ سے بولیں کیوں نہیں اور آتے ہی آتے رونے لگیں؟

نرملا۔ اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں اور کیا؟

سُدھا۔ تم یوں نہ بتاؤ گی تو میں قسم رکھا دوں گی۔

نرملا۔ قسم نہ رکھانا بھئی! مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا جھوٹ کیسے لگا دُوں؟

سُدھا۔ کھاؤ میری قسم۔

نرملا۔ تم تو ناحق ضد کرتی ہو۔

سُدھا۔ اگر تم نے نہ بتلایا نرملا! تو میں سمجھوں گی کہ تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں ہے۔ بس سب زبانی جمع خرچ ہے۔ میں تم سے کسی بات کا پردہ نہیں رکھتی اور تم مجھے غیر سمجھتی ہو۔ مجھے تم پر بڑا بھروسہ تھا، اب جان گئی کہ کوئی کسی کا نہیں ہوتا ——

سُدھا آبدیدہ ہو گئی۔ اس نے بچی کو گود سے اُتار دیا اور دروازہ کی طرف چلی۔ نرملا نے اُٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور روتی ہوئی بولی —— سُدھا! میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں، کچھ مت پوچھو۔ تمہیں سُن کر رنج ہوگا اور شاید میں پھر تمہیں اپنا منہ نہ دکھا سکوں۔ میں ابھاگن نہ ہوتی تو یہ دن ہی کیوں دیکھتی؟ اب تو ایشور سے یہی بنتی ہے کہ وہ اس دُنیا سے مجھے اٹھائیں۔ ابھی یہ دُرگت ہو رہی ہے تو آگے نہ جانے کیا ہوگا۔

اِن الفاظ میں جو اشارہ تھا وہ فہیم سدھا سے مخفی نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ اُن کا ہچکتے ہوئے باتیں کرنا اور اس کے سوالوں کو ٹالنا، اُن کا وہ اُداس اور بدرنگ چہرہ اُسے یاد آگیا وہ سر سے پیر تک کانپ اٹھی، اور بلا کچھ کہے سُنے شیرنی کی طرح غصہ میں بھری ہوئی دروازہ کی طرف چلی۔ نرملا نے اُسے روکنا چاہا مگر نہ پا سکی۔ دیکھتے دیکھتے وہ سڑک پر جا رہی اور گھر کی طرف چل دی۔ تب نرملا وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

(۲۶)

سُدھا تمام دن پلنگ پر پڑی رہی، معلوم ہوتا ہے، اُس کے بدن میں

جان ہی نہیں ہے۔ نہ نہایا اور نہ کھانا کھانے کے لئے اُٹھی۔ شام کو اُسے بُخار ہوگیا۔ تمام رات بدن توے کی طرح جلتا رہا۔ دوسرے روز بھی بخار نہ اُترا، البتہ کچھ کم ہوگیا تھا۔ وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی ٹکٹکی باندھ کر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چاروں طرف سونا تھا: اندر بھی سونا اور باہر بھی سونا ـــــ نہ کوئی فکر تھی، نہ کچھ یاد تھا، نہ کسی قسم کا رنج تھا۔ دماغ میں احساس کی قوت ہی باقی نہ رہی تھی۔

دفعتاً رُکمنی بچی کو گود میں لئے آکر کھڑی ہوگئی۔ نرملا نے پوچھا ـــــ کیا یہ بہت روتی تھی؟

رُکمنی۔ نہیں، یہ تو بولی تک نہیں۔ رات بھر چپ چاپ پڑی رہی۔ سُدھا نے تھوڑا دودھ بھیج دیا تھا، وہی پلا دیا تھا۔

نرملا۔ اہیرن دودھ نہ دے گئی تھی۔

رُکمنی۔ کہتی تھی کہ پچھلے پیسے دیدو تو دُودھ دوں۔ تمہارا جی اب کیسا ہے؟

نرملا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ کل ذرا بدن گرم ہوگیا تھا۔

رُکمنی۔ ڈاکٹر صاحب کا تو بُرا حال ہوگیا۔

نرملا نے گھبرا کر پوچھا ـــــ کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نہ؟

رُکمنی۔ خیریت ہے کہ لاش اُٹھانے کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ کوئی کہتا ہے، زہر کھالیا۔ کوئی کہتا ہے دل کی چال بند ہوگئی۔ بھگوان جانیں، کیا ہُوا۔

نرملا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رندھے ہوئے گلے سے بولی۔ ہائے ایشور، سُدھا کی کیا حالت ہوگی! وہ کیسے جئے گی؟

یہ کہتے ہوئے وہ روپڑی اور بڑی دیر تک سسکتی رہی۔ پھر پلنگ سے اُتر کر سُدھا کے پاس جانے کو تیار ہو گئی۔ پاؤں تھر تھر کانپ رہے تھے، دیوار تھامے کھڑی تھی، مگر دل نہ مانتا تھا۔ نہ جانے سُدھا نے یہاں سے جاکر شوہر سے کیا کہا؟ میں نے تو اس سے کچھ کہا بھی نہیں، نہ جانے میری باتوں کا وہ کیا مطلب سمجھی؟ ہائے ایسے شکل وصورت والے، ایسے مہربان، ایسے نیک شخص کا یہ حال! اگر نرملا کو معلوم ہوتا کہ اُس کے غصّہ کا یہ عبرتناک نتیجہ ہوگا تو وہ زہر کا گھونٹ پی کر بھی اُس بات کو ہنسی میں اُڑا دیتی۔

یہ سوچ کر کہ میری ہی بیدردی کے سبب ڈاکٹر صاحب کا یہ حال ہوا، نرملا کا دل پاش پاش ہو گیا۔ ایسی تکلیف ہوئی گویا دل میں شدت کا درد ہو رہا ہو۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے گھر چلی۔

لاش اُٹھ چکی تھی، باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھر میں عورتیں جمع تھیں۔ سُدھا زمین پر بیٹھی رو رہی تھی۔ نرملا کو دیکھتے ہی وہ زور سے چلّا کر روپڑی اور آکر اُس کے سینہ سے لپٹ گئی۔ دونوں دیر تک روتی رہیں۔

جب عورتیں چلی گئیں تو تنہائی میں نرملا نے پوچھا۔ یہ کیا ہو گیا بہن! تم نے کہہ کیا دیا؟

سُدھا اپنے دل کو ایسے سوال کا جواب آج کتنی ہی بار دے چکی تھی۔ اُس کا دل جس جواب سے تشفی پا چکا تھا وہی جواب اُس نے نرملا کو دیا۔ بولی — چپ بھی تو نہ رہ سکتی تھی بہن! غصّہ کی بات پر غصّہ آتا ہی ہے۔

نرملا۔ میں نے تو تم سے کوئی ایسی بات بھی نہ کہی تھی۔

سُدھا۔ تم کیسے کہتیں؟ کہہ نہیں سکتی تھیں۔ مگر انھوں نے جو بات ہوئی تھی، کہدی۔ اُس پریئی نے جو کچھ مُنہ میں آیا کہا۔ جب ایک بات دل میں آگئی تو اُسے ہوا ہی سمجھنا چاہیے۔ موقع ملے تو وہ ضرور ہی پوری ہو۔ یہ کہہ کر کوئی نہیں نکل سکتا کہ میں نے تو ہنسی کی تھی۔ تنہائی میں ایسا لفظ زبان پر لانا ہی کہدینا ہے کہ نیت بُری تھی۔ میں نے تم سے کبھی کہا نہیں، بہن! مگر میں نے انھیں کئی بار تمہاری طرف تاکتے دیکھا اسوقت میں نے بھی یہی سمجھا کہ شاید مجھے دھوکا ہو رہا ہو۔ اب معلوم ہوا کہ اُس تاک جھانک کا کیا مطلب تھا۔ اگر میں نے دُنیا زیادہ دیکھی ہوتی تو تمہیں اپنے گھر نہ آنے دیتی، کم سے کم تم پر اُن کی نگاہ نہ پڑنے دیتی۔ لیکن یہ کیا جانتی تھی کہ مردوں کی زبان پر کچھ اور اُن کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے؟ ایشور کو جو منظور تھا وہ ہوا ویسے سہاگ سے تو میں بدھوا ہونا بُرا نہیں سمجھتی۔ غریب اُس امیر سے کہیں زیادہ سُکھی ہے جسے اس کی دولت سانپ بن کر کاٹنے دوڑے۔ فاقہ آسان ہے۔ مگر زہریلا کھانا کھا لینا اُس سے بدرجہا مشکل!

اُسی وقت ڈاکٹر سنہا کے چھوٹے بھائی اور کرشنا نے گھر میں قدم رکھا۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔

(۲۷)

ایک مہینہ اور گذر گیا۔ سُدھا اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ تیسرے ہی روز چلی گئی تھی۔ اب نرملا تنہا تھی۔ پہلے ہنس بول کر دل بہلا لیا کرتی تھی، اب صرف رونے سے کام تھا۔ اُس کی صحت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ پرانے مکان کا کرایہ زیادہ تھا۔ دوسرا مکان کم کرایہ پر لیا۔ یہ ایک تنگ گلی میں تھا۔ اندر ایک کمرہ

تھا اور چھوٹا سا صحن۔ نہ روشنی کا گزر تھا، نہ ہوا کا۔ بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ کھانے کا یہ حال کہ پیسے ہوتے ہوئے بھی فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ بازار سے لاوے کون؟ پھر اب گھر میں کوئی مرد نہیں، کوئی لڑکا نہیں، تو روز کھانے پکانے کی زحمت کون اٹھاوے۔ عورتوں کے لئے روز کھانے کی ضرورت ہی کیا؟ اگر ایک وقت کھالیا تو دو روز کے لئے فراغت مل گئی۔ بچی کے لئے تازہ حلوا یا روٹیاں بن جاتی تھیں۔ ایسی حالت میں صحت کیوں نہ خراب ہوتی؟ فکر، رنج، تباہی ایک ہو تو کوئی کہے۔ یہاں تو تین تین بلائیں نازل ہوئی تھیں۔ اس پر نرملا نے دوا کھانے کی قسم کھالی تھی۔ کرتی ہی کیا؟ تھوڑے سے روپیوں میں دوا کی گنجائش کہاں تھی؟ جہاں کھانے کا ٹھکانا نہ تھا وہاں دوا کا ذکر ہی کیا؟ روز بروز خشک ہوتی جا رہی تھی۔

ایک روز رکمنی نے کہا۔ بہو! اس طرح کب تک گھلا کرو گی؟ جان ہے تو جہان ہے، چلو کسی وید کو دکھلاؤں۔

نرملا نے بے پروائی سے کہا۔ جسے رونے ہی کے لئے جینا ہو اس کا مر جانا ہی بہتر۔

رکمنی۔ بلانے سے تو موت نہیں آتی۔

نرملا۔ موت بغیر بلائے آتی ہے، بلانے پر کیوں نہ آئے گی؟ اس کے آنے میں اب بہت دن نہ لگیں گے۔ بہن، جتنے روز جیتی ہوں اتنے ہی برس سمجھ لیجئے۔

رکمنی۔ دل ایسا چھوٹا مت کرو، بہو! ابھی تم نے سنسار کا سکھ ہی کیا دیکھا ہے؟